نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

شاہیں کا جہاں اور

اُن عناصر کا تذکرہ جن کے جاننے کے بعد انسان
کردار سازی سے اپنا 'جہاں اور' تعمیر کر سکتا ہے

تحقیق و تصنیف
پیر عبداللطیف خان نقشبندی
ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات لاہور
خلیفہ مجاز نیریاں شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	شاہیں کا جہاں اور	84971
تحقیق و تصنیف	پیر عبداللطیف خان نقشبندی	
ٹائٹل	عدیل چغتائی	
تاریخ اشاعت	اگست 2009ء	
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز	
تعداد	دو ہزار	
کمپیوٹر کوڈ	TF66	
قیمت	120/- روپے	

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

Marfat.com

سرورق

شاہین ایک درویش قسم کا پرندہ ہے جو پہاڑوں، چٹانوں اور صحراؤں میں جفاکشی کی حالت میں اپنی زندگی گزارتا ہے۔ اس کتاب کے سرورق میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پرندہ اپنی جفاکشی اور زاہدانہ طرز کی مشکلات ہر موسم میں بخوبی برداشت کرتا ہے۔ سرورق میں بادلوں، پہاڑوں، چٹانوں اور آبشاروں میں پرواز کرتے ہوئے شاہین کو دکھایا گیا ہے۔ اس پرندے کو کوئی خاص نوعیت کی زندگی پسند نہیں۔ یہ آسمانوں پر بلند و بالا پہاڑوں میں اپنی منزل کی تلاش میں ہمہ وقت سرگرداں نظر آتا ہے۔ اس پرندے کو پھلوں اور پھولوں سے چنداں رغبت نہیں اور یہ اپنی روزی حلال ذریعے سے حاصل کرتا ہے۔

اس پرندے کی زاہدانہ اور جفاکش زندگی کو پسند کرنے کی صلاحیت اور درویشانہ عادات کے حاصل ہونے کے باعث علامہ اقبالؒ نے اس پر بہت کلام کیا ہے اور مسلمانوں کے اسلاف کی یادوں کو تازہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شہ لولاک ﷺ کی محبت میں حضور ﷺ کے شاہین بننے کا شرف رکھتے تھے اسی طرح یہ پرندہ ان کی مثال فراہم کرتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو فرمایا:

تیرے صیدِ زبوں افرشتہ و حور ۔۔۔ کہ شاہینِ شہِ لولاک ﷺ ہے تو

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ
بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ط

اورنہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اُڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ اُمتیں ہیں تمہاری مانند۔

[الانعام:۳۸]

Marfat.com

انتساب

بنام

حضور پُر نور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

و

جملہ خواجگانِ نقشبندؒ

از حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تا خواجہ و مخدومِ من، قبلہ پیر حضرت علامہ علاؤالدّین صدّیقی غزنوی مدظلہ العالی، سجادہ نشین دربارِ عالیہ نیریاں شریف، تراڑ خیل آزاد کشمیر، اس فقیر کے محبوب قومی شاعر علاّمہ اقبالؒ اور میرے درویش والدین رحمۃ اللہ علیہما، جن کی فیض رَس نگاہوں نے مجھے ملّت و قوم کی خدمت کے قابل بنایا۔

خادم الفقراء
پیر عبداللّطیف خان نقشبندی
(۰۴۲-۳۶۶۶۶۶۳۱ ، ۰۴۲-۳۶۶۶۵۴۷۵)
(۰۳۲۳-۴۸۷۸۴۸۱)

Marfat.com

Marfat.com

اِس کتاب میں علامہ اقبالؒ کے اشعار کے حوالہ جات

اس کتاب میں علامہ اقبالؒ کے ہر شعر کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے کہ اس کتاب کا نام جس کا یہ شعر ہے اور کلیاتِ اقبال کا صفحہ نمبر دے دیا گیا ہے۔ (یہ صفحہ کتاب کی بجائے کلیات کے صفحے کو ظاہر کرے گا) مثلاً کلیاتِ اُردو میں ضربِ کلیم (ض۔ک) کا درج ذیل شعر یوں لکھا گیا ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اَور مجاہد کی اذاں اَور
(ض ک:۴۴۸)

Marfat.com

تشکّر

زیرِ نظر کتاب کی مرحلہ وار تکمیل میں جناب محمد عاصم مجید خان ایڈیشنل کلکٹر کسٹمز نے میری بلا غرض و غایت مدد فرمائی ہے جس کے لیے میں بے حد ممنون ہوں۔ آپ کے والدین نے بھی اس کتاب کی تکمیل میں جو کوششیں کی ہیں وہ بھی قابل ستائش ہیں۔ جناب محمد شاہد ملک ایم ڈی، ٹرپل ایم نے بھی اس کتاب کی پروف ریڈنگ کے لیے جو انتظامات فرمائے ہیں میں ان کا بھی بے حد ممنون ہوں۔ اللہ کریم دونوں احباب کو جزائے خیر سے نوازے، آمین!

لاہور
۲۰ جولائی ۲۰۰۹ء

پیر عبداللطیف خان نقشبندی
ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات، لاہور
خلیفہ مجاز نیریاں شریف آزاد کشمیر،
ایکسٹینشن پولین کیولری گراؤنڈ، لاہور چھاؤنی
☎:042-36666631--36665475
0323-4878481

Marfat.com

فہرست

حمد باری تعالیٰ	از مصنف	21
نعتِ رسولِ مقبول ﷺ	از مصنف	22
نظم	از مصنف	24
تقدیم (مقدمہ نقل)	از پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ	26
تقدیم	از مصنف	28
تاثرات	از پیر علاء الدین صدیقی غزنوی، نقشبندی	35
تبصرہ	از عاصم مجید خان ایڈیشنل کلکٹر کسٹمز، لاہور	37

شاہین　41

علامہ اقبالؒ کا شاہین　41

غلامانِ محمد ﷺ شاہِ لولاک ﷺ کے شاہین ہیں　45

شاہین کی زاہدانہ زندگی کے چند پہلوؤں کی مقصدیت　46

مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ کا شاہین　49

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں　57
(کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور)

پرندوں کی دُنیا کا درویش ہوں میں　57

شاہین فقیرانہ خصوصیات کا حامل ہے　59

کہ شاہیں کے لیے ذِلّت ہے کارِ آشیاں بندی　60

Marfat.com

رزق میں پرہیز 61
شاہین اور کرگس کی پرواز کی جداگانہ راہیں 63
ممولے (جھانپو) کو باز سے لڑنے کی توفیق 65
شاہین کا اصول ہے جفاکشی اور مشکل طلبی 66
"کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ" 67

مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور 68

علامہ اقبالؒ اذاں سے کیا مراد لیتے ہیں 70
سحر ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا 72
مُلّا کے معیارِ اذاں میں خامی 73
مُلّا کی کارکردگی پر علامہ کی فکر 74
مُلّا کے دل میں قوم کا غم نہیں 76
صوفی و مُلّا 77
مُلّائیت کے برعکس قلندرانہ ادائیں 77
تصوف اور دینِ مُلّا 79
تصوّف 80
فلسفی اور مُلّا 81
تمام حکماء کا شاہین کو یہ سبق ہے کہ آسماں پر اُڑو 83
"کہ موافقِ تدرواں نہیں دینِ شاہبازی" 84

دلِ مُلّا گرفتارِ غمے نیست 85

صوفی کی طریقت 89
آج کے تصوف کی ایک جھلک 90
واعظِ قوم کی مشکل بیانی عوام کی جہالت کا بڑا سبب ہے 92

Marfat.com

علامہ اقبالؒ نے جوانوں میں عقابی رُوح کو بیدار کیا 96

تیری تقدیر میرے نالۂ بے باک میں ہے 97
جوانوں میں عقابی روح کیسے بیدار ہوتی ہے 99
شاعرِ زیست پیغامِ زندگی دیتا ہے 102
خدا نے علامہ اقبالؒ کے شاہین کو چیتوں کے شکار پر چھوڑا ہے 103
پرواز کے لیے چشمِ عقاب اور دلِ شہباز ضروری ہے 103
تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا 104
کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی 105
عقاب کی نظر میں ہر شے سراب ہے 106
روزِ ازل سے ہے تُو منزلِ شاہین و چرغ 106
رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی 106
شاہبازی کے لیے طاقت کی ضرورت ہے 107
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن 108

شاہین کے حوالے سے مسلمانوں کی کردار سازی 110

خشت را معمارِ ما کج می نہد 111
اے مرغ سر اُٹھا اور پھر سے اڑنا سیکھ 112
تم شاہین کی اولاد ہو، کرگسی نہ کرو 113
شاہین کا وجود جذبِ خاک سے آزاد ہے 114
روح ہے جس کی دمِ پرواز سرتاپا نظر 115
جب شاہیں کا بچہ قفس میں دانہ کھانے پر رضامند ہوگیا تو
وہ چڑیا کے پَر کے سائے سے بھی ڈرتا ہے 116
شاہین و ماہی (مچھلی) 116

Marfat.com

انسان نے شاہین کی پرواز کی طرح جہاز بنایا 118
خاک سے اٹھو اور شاہینی سیکھو 119
تسخیرِ فطرت سے آمادگی پیدا کرو 120
اچھی صحبت میں رہو 122
گھٹیا پرندوں سے نفرت کرو، ان کی بد عادات کی وجہ سے 122

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام 125
(میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب)

حجابات کی اقسام، حجاب رین اور غین 127
شرک فی الوجود 128
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق 131
وہ حرفِ راز جو جنوں کے بغیر ہاتھ نہیں آتا 132
افسانۂ طورِ پُرانا نہیں ہوا (نمازی خدا سے باتیں کرتا ہے) 133
''شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام'' کا مطلب 134
اپنے آباء کی طرح ہر اسر سجدے میں غرق ہو جاؤ 137
تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سُرور 138

ایک ہی عبادت کے اجر میں پہاڑ اور رائی کا فرق 140
(تری ذرہ بھر عقل، روزہ و نماز سے بہتر ہے)

لوگ کیسی نماز پڑھتے ہیں؟ 143
ذرّۂ عقلت بہ از صوم و صلوٰۃ (تیری ذرہ بھر عقل روزہ و نماز سے بہتر ہے) 146
عقل کو اسلام نے کیوں اہمیت دی؟ 148
اعمال کا مدار عقلوں پر ہے (عقلوں کا اختلاف اصل فطرت ہے) 149
عقل اور عشق 151

Marfat.com

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے 151
عقل اور عشق پر علامہ اقبالؒ کے کچھ اشعار 152
زری عقل حیلہ ساز ہے، عقدہ کشا نہیں 152
انسان کی عقل بلندی کی طرف اڑتی ہے 154
ایک عقل دوسری عقل سے قوت پاتی ہے 154
وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قسم کی عبادت
کے اجر میں رائی اور پہاڑ کا فرق ہوتا ہے 155
انسانی کاموں کا مدار ان کی عقلوں کے مطابق ہوتا ہے 155
(ان احادیث کا تذکرہ)
درجات کی رفعت اور خدا کا قرب عقلوں سے نصیب ہوگا 156
نمازوں کے اجر کو کیسے بڑھایا جا سکتا ہے 158

وائے آں شاہیں کہ شاہینی نکرد (افسوس اس شاہیں پر جس نے شاہینی نہ کی) 160

دُنیا کی ہر شے کے لیے شاہینی لازمی ہے 162

پھر اِن شاہیں بچوں کو بال و پَر دے (جوانوں کو مری آہِ سحر دے) 165

بالِ جبریل (رباعیات) 167
باز کی اپنے بچے کو نصیحت 167
افسوس! صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تُو (دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارات) 170
چشمِ نگراں حاصل کرو 171
مسلماں طائرِ لاہوتی کے مشابہ ہوتا ہے 172
شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا 175
شاہین کبھی چڑیا کی غلامی نہیں کرتا 176
غلامی کیا ہے؟ 177

Marfat.com

خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ 182

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیدۂ شاہیں بخشا ہے 183
شاہین خودی کا مجسمہ ہوتا ہے 184
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ 184
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا 185
وہ فریب خوردہ شاہین کہ پلا ہو کرگسوں میں 185
مچھروں کی آواز سننے کا عادی شاہباز کی آواز نہیں سمجھتا 186
شاہین شکارِ زندہ کی تلاش میں رہتا ہے 186
شکارِ زندہ سے مراد حلال رزق ہے 187
عشق کی نظر میں عقاب کوئی شے نہیں 187
شاہیں اپنے دام میں نہ پھنسے تو شاہین نہیں بنتا 188

جو کبوتر پر جھپٹنے کا مزا ہے اے پسر وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں 189

شاہین کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار 192
شاہیں کے لیے کوہ و بیاباں کا ماحول کیوں سازگار ہے؟ 193

اے نگاہِ تو ز شاہیں تیز تر (علامہؒ کی طرف سے حکومت اور سیاستدانوں کو پند و نصائح) 195

مسلمانوں (عوام، سیاست دانوں اور حکومت) کے لیے نصائح 199
شاہیں کی عادات پر اشارات 203
(بالِ بلبل اور بازوئے شاہین کی عادات میں فرق ہے)
عقل کے شاہیں کی پرواز 204
خرد کا شاہیں تمہارے ہاتھ میں ہے 204

Marfat.com

تُو شاہیں ہے، پالتو پرندوں سے صحبت نہ رکھ! 204
شاہیں کا دل اپنے پنجے میں گرفتار جانور کے لیے نہیں پسیجتا 205

رُوح کا نفس کے ساتھ تعلق 206

رُوح کے لغوی معنی 207
جسم اور روح کے ملاپ سے نفس پیدا ہوتا ہے 207
روح کا نفس کے ساتھ تعلق 208
روح کی قسمیں 210
نفس کا تسویہ کیسے ہوا؟ 211
کیا نفس اور روح سے ایک چیز مراد ہے یا دو؟ 214
نفس کن حالات میں خبث اور کب خیر و کمال کا محل بن جاتا ہے 215
انسان اور لذتوں کی محبت 216
لذتوں میں احتیاط قائم کرو 217
محاسبۂ نفس میں اسلافِ کرام کے اقوال اور سیرت 2'7

وجدان سے متاثرہ عقل 219

عقلے بہم رساں کہ ادب خوردۂ دل است (ایسی عقل پیدا کرو جو دل کی تربیت یافتہ ہو) 219
علم بذریعۂ وجدان 221
اشیاء کے ظاہر اور باطن کا علم 225
اپنے دیدار کے بغیر زندگی موت ہے 226

عقل ہم عشق است واز ذوقِ نگاہ بیگانہ نیست 228

(عقل بھی عشق کی طرح ہو جاتی ہے اور ذوقِ نگاہ سے بیگانہ نہیں رہتی)
العقل 228

Marfat.com

عقل کی فضیلت میں ارشادات 230
نفس اور اعمال کا عقل پر اثر 232
عقلِ انسانی 232
عقل کی مزید وضاحت 233
عقل کی قسمیں 234
عقل والے کون ہیں؟ 235
دنیاوی عقل کا تعلق عشق سے کیوں نہیں؟ 236
علامہ اقبالؒ کے عقل پر نظریات 237
وجدان 237
عقل استدالی، عقل برہانی، عقل نورانی 238
قلب سے مراد نورانی دل ہے 240
قلبِ معنوی کی وضاحت 241
غور وفکر کی اضافت قلب کی طرف کرنا حقیقت ہے، مجاز نہیں 242
بڑھاپے میں ارذل العمر کا ہونا ہر ایک کے لیے نہیں کہا گیا 243

وہ نماز جس کے لیے کہا جاتا ہے: تجھے کیا ملے گا نماز میں 247

طائرکِ بلند بال، دانہ و دام سے گزر 248
مسجد تو بنا دی شب بھر میں 249
دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا، تو بھی نمازی میں بھی نمازی 249
خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام 250
نکتۂ غیب وحضور (کردار سازی اور عبادات کا انحصار حضورِ قلب پر ہے) 252
نکتۂ غیب وحضور 252

Marfat.com

کردار سازی 254
رنگِ عبادت 255
حضورِ قلب کیا ہے؟ 255
حضور یہ ہے کہ اپنے سینے کو اپنی منزل بنایا جائے 256
نماز میں خشوع وخضوع ذاتی محنت ومجاہدہ پر منحصر ہے 257
خشوع کا معنی ومفہوم 258
کیا گوارہ ہے تجھے ایسے مسلمان کا سجود؟ (فرمودۂ اقبالؒ) 260
حضوری میں پڑھی جانے والی نمازیں 262

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما (کن لوگوں کے نام تا قیامت زندہ رہیں گے) 264

رفعتِ دوام 264
انسان کو تخلیق کرنے کا مقصد 265
ہر شے اپنا فرض انجام دینے کے لیے بنائی گئی ہے 265
اللہ تعالیٰ کا بندوں سے وعدہ 266
خدا کے باغیوں کا کیا حال ہوتا ہے؟ 267
جو لوگ دینی زندگی نہیں اپناتے اُن کا کیا حشر ہوتا ہے؟ 269
انسان کے لیے کون سی زندگی بہتر ہے؟ 270
سب سے اعلیٰ اور ارفع زندگی کون سی ہے؟ 271
ہمیشہ زندہ رہنے والی ہستیاں کون ہیں؟ 274
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما 274

عجز کے باعث خاکی انسان کی پرواز 276

حضرت آدم علیہ السلام کی مخلوق پر برتری 277
حکیمی نامسلمانی خودی کی 281
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو 282
سجدۂ آدم کی غرض کیا تھی؟ 283

Marfat.com

حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاسماء دینے سے مراد 284
بنی آدم کو فساد کے ساتھ علم و آگہی کی عطا 285
آدم علیہ السلام کا علم دیکھ کر فرشتوں کی کیفیتِ وجد 287
جبریلؑ حضرت آدم علیہ السلام پر رشک کرتے ہیں 288

اعلیٰ نوعیت کی نماز کے لیے غور طلب نکات (نماز میں پرواز) 291

'شاہیں کا جہاں اور' ہونے سے علامہ اقبالؒ کی مراد کیا ہے؟ 293
نماز کا مقام سمجھنے کے چند ضروری نکات 296
i- اہمیتِ نماز 296
ii- اس بات کا مطالعہ کہ خدا ہم سے کیا چاہتا ہے؟ 297
iii- اپنے آپ کو نماز کے لیے کیسے تیار کریں؟ 299
iv- اپنی خودی پر توجہ کرنا سیکھیں 299
v- خدائی صفات کا امین بننا 301
vi- اپنے مخفی اسرار کو پہچانیں 303
vii- کون سی نماز بارگاہِ حق کے لائق ہے 303
viii- مقربینِ حق کی نمازیں 304
ix- اہل اللہ سے نماز کا طریقہ سیکھیں 305
دل کی بیداری 307
نماز کا لزوم اور اہمیت 307
نماز میں رجوع الی اللہ 308
نماز کی جامعیت 310

بے حضور نماز ــــ باجھ حضوری نہیں منظوری (پڑھن بانگ صلاتاں ہُو) 311

بے حضوری ہے تیری موت کا راز 314

Marfat.com

خشوع وخضوع کے لیے کوشش کریں 314
قرآن نے خشوع کا طریقہ بیان کیا ہے 317
آیتِ توجہ کی برکات سے نماز کی درستگی 318
کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں، ایک بھی صاحبِ سُرور نہیں 318
حصولِ خشوع وخضوع کے لیے مزید اشارے 319
سنی نہ مصر وفلسطیں میں وہ اذاں میں نے 321
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق 322
انجامِ خرد ہے بے حضوری 323
مثالِ ماہ چمکتا تھا جن کا داغِ سجود 324
شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری 325
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری (تیری پرواز لولاکی نہیں ہے) 325
فطرت کو خرد کے رُوبرو کر 326
رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل 327
اے پیرِ حرم تیری مناجاتِ سحر کیا؟ 328

قیام 329

بمعنی ثبات کا پایا جانا، باقی رہنے اور برقرار رہنے کی صورت حال 329
بمعنی کفر کے مقابلہ میں اُٹھ کھڑا ہونا (یعنی جہاد کے لیے) 329
قیام بمعنی بقا اور حیات 330
بمعنی نماز قائم کرنے کی صورتِ حال 330
نماز کے قیام میں مقرر کردہ ذکر ادا کرنے کی حالت 331
قیامِ خویش بمعنی اپنے خاص عشق ومستی میں قیام کرنا 331
یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا 331
مشکلیں بلند پروازی پیدا کرتی ہیں 333

مقامِ سجدہ 334

Marfat.com

سجدے کا کمال 335
سجدوں سے قربِ الٰہی ملتا ہے 337
عبادت میں سب سے زیادہ قربِ الٰہی سجدہ میں ہے 338
موسیٰ علیہ السلام کو تواضع سے خاک پر پڑے رہنے کے سبب کلیم بنایا گیا 338
سجدے سے باطل خداؤں کی نفی ہوتی ہے 339
وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے 340
سجدے کا کردار پر اثر 342
زندہ مُردوں کے سجدے 342
سجدۂ بے ذوق 343
وہ سجدے جو مقبولِ بارگاہ الٰہی ہیں 344
ابلیس کا کہنا ہے کہ اس کا سجدہ مشیتِ الٰہی میں نہ تھا 346

سجدۂ بے ذوق 349

امیروں اور وزیروں کے دربار میں سجدے 353
ملتِ اسلامیہ کن حالات میں کھوگئی 354
غرض مند پجاری اور حاجات کے زیر اثر نمازیں 355
اختتامیہ 357

تعارف مصنف 359
مصنف کی تصانیف 361
شجرہ شریف 363
ختم خواجگان 364

Marfat.com

حمد باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ

(از مصنف)

لیلیٰ حسن چھپی ہے نہ کہیں دل کے سوا
دل میں کچھ اور نہیں ہے تیری محفل کے سوا

شرط یہ ہے کہ طریقت ہو شریعت کی غلام
یہ حقیقت ہے کہ کھلتی نہیں ہے دل کے سوا

جس جگہ دیکھو تیرا جلوہ نظر آتا ہے
کوئی محفل نہیں تیری مگر اس دل کے سوا

لیلیٰ حسن چھپی ہے نہ چھپے گی ہرگز
دل میں کچھ بھی نہیں ہوتا تیری محفل کے سوا

اس امانت کے حامل نہ ہوئے یہ ارض وسما
کون لیتا یہ امانت میرے اس دل کے سوا

غم طریقت میں ہیں اور رنج و بلا بھی اس میں
درجہ انسان کا بڑھتا نہیں مشکل کے سوا

دل کی منزل کا پتہ چلتا ہے علاجِ غم سے
مسئلہ حل ہوتا نہیں ہے دلِ کامل کے سوا

عشق کی بات کا بننا تو بڑی مشکل ہے
بات بنتی نہیں اے دل! تیری منزل کے سوا

بس کہ مشکل ہے کہ چھوڑوں گا نہ ان کی چوکھٹ
مشکلیں طے نہیں ہوتیں کسی کامل کے سوا

بحر بے پایاں ہے توحید کہ طالب تیرے
تجھ کو پا لیتے ہیں طغیانی میں ساحل کے سوا

تجھ کو مطلوب اگر ذات کے جلوے ہوں لطیف
ڈھونڈ نہ اُن کو کہیں اپنے ہی دل کے سوا

Marfat.com

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

(از مصنف)

ہر حال میں جلتا ہے دِیا جیسے صبح و شام
امت کا مداوا بھی کیا ہم نے صبح و شام

کھاتا ہے یہ عالم شہِ لولاک کے دَر سے
بٹتا ہے یہ صدقہٗ نبی پاک صبح و شام

مولیٰ کے کرم سے مجھے مل جاتا ہے سب کچھ
بے بس ہے میرے آگے یہ تقدیر صبح و شام

اپنے لیے کچھ شۓ نہیں ہے قید زمانہ
رہتا ہوں میں اس قید میں بے قید صبح و شام

آئینِ خدا جانتے ہیں آزاد پرندے
محتاجِ زمانہ نہیں شاہین صبح و شام

ملت کے مداوے کو ہوں تیار ہمہ وقت
ہے مائلِ پرواز یہ شاہین صبح و شام

شاہیں کی طرح فقر میں منزل نہیں ہوتی
میرے لیے گھر ہے کوئی، منزل نہ صبح و شام

دنیا کے بکھیڑوں سے کِیا میں نے کنارا
شاہینِ نبی ﷺ پاک ہوں، تیار صبح و شام

شاہیں یہ سمجھتا ہے کہ جب عشق ملا ہے
ہو جاتا ہے عالم بھی نگوں سر یہ صبح و شام

84971

Marfat.com

یہ رزقِ خداداد وسیلہ ہے نبیﷺ کا
شاہینِ نبی! رزق فراواں ہے صبح و شام

صحرا و بیاباں میں ہے توبہ کا سماں اور
شاہیں کو خوش آتا ہے بیابان صبح و شام

روضۂ نبی پر جو ازل سے نہیں آئے
رہتا ہے ہجوم ایسے فرشتوں کا صبح و شام

ہے عشق لطیف اُن کا تخیل بھی لطیف
کہتے ہیں فرشتے کہ جو ملتے ہیں صبح و شام

Marfat.com

نظم

شاہینِ پُرخلوص کا مسلک ہے راستی

(از مصنف)

فطرت کے اور خودی کے اصولوں کے ہے یہ سنگ
شاہیں کی کامرانی پہ انسان بھی ہے دنگ

شاہیں کی کامیابی ارادت کی صفت ہے
سب کو ارادتوں کا سکھاتا ہے اپنا رنگ

جب بھی کسی شکار پر اس کی لپک پڑے
ڈرتا ہے اس کے حملے سے چڑیا ہو یا پلنگ

شاہیں کی تُند خوئی کا عالم مہیب ہے
اُس آہنی کے پنجوں میں ہے نیش یا کہ ڈنگ

ظالم نہیں ہے، اپنے اصولوں میں ہے دلیر
دشمن پہ سخت گیر ہے بے تیغ و بے تفنگ

کرتا ہے فیصلہ یہ فقط حال دیکھ کر
ہر وقت صلح کُن ہے، محبت ہو یا کہ جنگ

اس کو ذرا شغف نہیں رقص و سرود کا
شاہیں کو کس نے دیکھا ہے مستِ خمار و بھنگ

جذباتِ عاشقی سے یہ شاہیں ہے بالاتر
جاپان ہو یا چین ہو یا وادئ فرنگ

Marfat.com

سکہ ہے اس کا چلتا، عمل باوقار ہے
چھوٹے بڑے ہیں اس کے مدح خوان بے حدنگ

شاہینِ پُرخلوص کا مسلک ہے راستی
درویشی ہو کہ راہبی یہ جانتا ہے ڈھنگ

انسانیت کی بات ہو کہ آئین و آشتی
آئینِ راستی ہو تو چلتا ہے سب کے سنگ

شاہین دُوربین و پُراسرار ہے لطیف
عزمِ بلند، معاملہ فہم، لیکن زبان گنگ

Marfat.com

تقدیم

(از پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَۃُ وَالتَّسْلِیْم کو بے شمار شانوں اور اَن گنت کمالات سے بہرہ وَر فرما کر مبعوث کیا۔ یہ کمالاتِ عالیہ حد و احصار سے باہر ہیں۔ اِنہی میں سے ایک خصلتِ حمیدہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ دِلوں کا تزکیہ فرماتے ہیں۔ وہ دل جو دُنیوی خواہشات سے آلودہ ہو چکے ہوں، اُن کی دھڑکنوں کا مرکز و محور بدل گیا ہو، جو اپنے خالق و مالک کے ذکر کی حلاوت سے محروم ہو چکے ہوں، شیطانی وسوسہ اندازیوں اور نفس کی دسیسہ کاریوں کی آماجگاہ بن چکے ہوں، جب ایسے پراگندہ دل بھی آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوں گے اور آپ کی نگاہِ لطف ان کی جانب اُٹھ جائے گی تو ان دِلوں کو وہ طہارت نصیب ہو جائے گی کہ قدسیانِ سمٰوٰت بھی ان پر رشک کریں گے۔ اب شیطانی حربے ان کے دِلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے، بلکہ وہ تو انوارِ ربانی کے مہبط و مرکز بن چکے ہوں گے۔

ہمارے پاک و پاکیزہ سرشت پیغمبر ﷺ کے فیض ہمایوں نے دِلوں کی اُجڑی ہوئی دُنیا کو بہار آشنا کر دیا۔ ایسی سرمدی و دائمی بہار کہ وہ اس کے بعد کبھی بھی خزاں کی ستم

Marfat.com

رانیوں کا شکار نہیں ہوسکتی۔

نبی اکرم و اطہر ﷺ کی فیض بخشیوں کا یہ سلسلہ اولیائے کرام کی صورت میں آج بھی جاری و ساری ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ کے روحانی تصرفات اور باطنی فیوضات نے ہمیشہ دُنیا میں خیر کی روایت کو زندہ رکھا۔ عصیان ولغزشوں سے آلودہ دلوں کو حق و راستی کے انوار سے روشن و منور کرنے کا سلسلہ ہمیشہ ان پاکانِ امت نے اپنی شبانہ روز کاوشوں سے بحال رکھا۔ اولیائے کرام کی ان مساعی کے صدقے اس اُمت میں ایسے ارفع و اعلیٰ کردار اور ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں کہ دُنیا کی کوئی قوم ان جیسے نادر روزگار وجود پیش نہیں کرسکتی۔

آج جبکہ عالم اسلام گوناگوں ابلیسی سازشوں کا شکار ہے، ان میں سے ایک بہت بڑی سازش اسلام کے اس روحانی نظام کو مشکوک اور بے اصل ثابت کرنے کی ہے۔ اغیار اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ اُمت اپنے ایمان، محبت اور حق کی خاطر مر مٹنے کے لازوال جذبے کہاں سے حاصل کرتی ہے۔ ایسے میں وہ افراد بڑے خوش بخت اور فرخندہ اقبال ہیں جو اپنے اسلاف کی درخشندہ اور حیات آفریں روایات کی پاسداری کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

محترمی عزت مآب حضرت پیر عبداللطیف خان صاحب نقشبندی کی تصنیفاتِ عالیہ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ فی زمانہ صوفیائے کرام کی تعلیمات کو سہل انداز میں اور عصری مذاق کے مطابق نوجوان نسل اور تشکیک زدہ افراد کے سامنے پیش کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ ان روایات کے احیاء کے بغیر اُمتِ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کا مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہوسکتا۔ ایسی مفید اور معیاری کتابوں کے مصنف یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اپنے حبیبِ کریم ﷺ کے صدقے اللہ ربّ العزت اُن کی کاوشوں کو قبولیت سے ہمکنار فرمائے اور اُن کی فیض رسانیوں کے سلسلہ کو مزید وسعت عطا فرمائے۔ آمین

خاکِ راہِ صاحب دِلاں

پیر محمد کرم شاہ الازہری

سجادہ نشین، بھیرہ شریف

اپریل ۱۹۹۸ء

Marfat.com

تقدیم

(از مصنف)

علامہ اقبالؒ کے کلام کے شائقین میں سے جس نے بھی اُن کے کلام کا یہ مصرعہ سنا ہے کہ ''کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور'' تو اس کے دل میں مدتوں یہ معلوم کرنے کی خواہش رہی ہے کہ ہر مجلس اور مختلف مواقع پر بار بار پڑھے جانے والے اس مصرعے سے علامہ اقبالؒ کی کیا مراد ہے اور خاص طور پر جب اس کے ساتھ یہ مصرعہ بھی ملا دیا جائے کہ ''مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور'' تو سننے والوں کے دلوں میں مفکر اسلام کے اس کلام کی زوردار تشریح جاننے کے لیے بے تابی کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ درج ذیل دونوں اشعار میں جو احوال اور کوائف سمو دیے گئے ہیں ان کے مطالب کو سمجھنا کوئی مشکل بات تو نہیں لیکن یہ بات حیرانی کا باعث ہے کہ الفاظ و معانی میں تفاوت بھی نہ ہونے کے باوجود مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں میں زمین و آسمان کا فرق کیسے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کرگس اور شاہین کی پرواز ایک ہی آسمان میں ہونے کے باوجود ان دونوں کے جہانوں

Marfat.com

میں اتنا بڑا فرق ہونے کی کیا وجہ ہے؟ علامہؒ کے وہ حیران کن اشعار حسب ذیل ہیں

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن　　مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں　　کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
(ب ج: ۴۴۸)

وہ لوگ جو دینی علوم سے کچھ شغف رکھتے ہیں، ان کو حضور ﷺ کا یہ قول معلوم کرنے کے بعد اور بھی زیادہ حیرت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر دو مسلمان ایک ہی قسم کی عبادت کریں تو ان دونوں کے اجر میں اس قدر فرق ہو سکتا ہے کہ ایک کو تو رائی جتنا اجر ملے اور دوسرے کا اجر پہاڑ سے بھی بڑھ جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قدر فرق کا ہونا ان کی عقلوں میں فرق ہونے کے مطابق ہوتا ہے (الکنز المدفون للسیوطیؒ) (اس کتاب میں اس حدیث کی وضاحت کے لیے ایک باب مخصوص کر دیا گیا ہے)۔ اگرچہ اس حدیث نے علامہ اقبالؒ کے مذکورہ بالا اشعار سے پیدا ہونے والے تعجب کی تائید کر دی ہے لیکن مذکورہ حدیث کے مطالعہ کے بعد ایک اور مسئلے نے بھی وجود پکڑ لیا ہے کہ مذکور بالا دونوں شخصوں کی عبادتوں کے اجر میں رائی اور پہاڑ جتنے فرق کا ہونا بذاتِ خود سمجھ سے بالا امر ہے اور سرسری نظر سے دیکھنے والے کے لیے یہ بات بھی مسئلہ لاینحل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب ہمیں مُلّا اور مجاہد کی اذاں میں فرق معلوم کرنے کے علاوہ شاہین اور کرگس کی پرواز میں فرق کی وجہ معلوم کرنا ہو گی اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر تحقیق کرنا ہو گی کہ ایک ہی قسم کی عبادت کے اجر میں رائی اور پہاڑ کا فرق کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کتاب میں مذکور بالا تینوں مسئلوں پر گہری نظر سے تحقیق کی گئی ہے اور ان مسائل کے حل کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا اشعار کو سننے اور پڑھنے والا شخص محظوظ تو ضرور ہوتا ہے اور اس سے پیدا شدہ کیفیت سے اپنے سر کو بھی دُھنتا ہے مگر ان اشعار میں بیان کردہ مقصود کو حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ ہم اپنی زندگیوں میں علامہ اقبالؒ کے کلام میں موجود مطلوبہ بلند معیار کیسے پیدا کر سکتے ہیں۔ پیش نظر اشعار کی ایسی وضاحت کہیں نظر نہیں آتی جس سے عام انسان بھی ان بلندیوں کو حاصل کرنے کے طریقے کو سمجھ سکیں اور اس راہ پر نکل پڑیں۔ اُمید ہے کہ جن

Marfat.com

لوگوں کی نظریں ان بلند مقاصد کے حصول کی متلاشی ہیں وہ اس کتاب کے مطالعہ سے ضرور اپنے مقاصد کو پالیں گے کیونکہ ان کے حصول کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کو اچھی طرح بیان کر دیا گیا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اس قوم کو اندھیروں سے نکالنے کی کوشش کی اور آپ کے قومی اصلاح کے عمل کا یہی انداز رہا ہے کہ مسائل کو نہایت دلچسپ انداز میں پیش کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ انداز میں اس کا اصلاحی حل تجویز کر دیتے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ جو شخص کسی معاملے میں اپنے اصلاحی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ کے کلام کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو زمین سے اٹھا کر عرش بریں کے کناروں تک لے جا سکتا ہے اور یہ سب اس لیے کہ آپ نے اپنے کلام میں قرآن اور حدیث کی حکمت کو دلچسپ رنگ میں پیش کیا ہے، جو سننے والے فوراً قبول کر لیتے ہیں اور ان پر ایک قسم کے وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علامہ اقبالؒ کو اپنی قوم کو سدھارنے کے لیے ایک شاہین کا کردار کیوں پسند آیا ہے جبکہ ہدایت کے لیے دوسرے ذرائع بھی موجود تھے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ "حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ جہاں سے بھی ہاتھ لگے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔" (تفسیر ابن کثیر ج ۶، ص ۳۵، کشف الخفاء للعجلونی ج ۱، ص ۴۳۵) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بیٹے کو ایک کوے کے ذریعے سبق دیا کہ اپنے مقتول بھائی کی لاش کو ایسے زمین میں دفن کرو جس طرح ایک کوے نے دوسرے کوے کے جسم کو دفن کیا ہے۔ اس طرح کے اسباق حاصل کرنا قرآن کی تعلیم میں بھی شامل ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کسی بات سے دل متاثر ہو جاتا ہے تو انسان کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ افسوس اس قوم پر ہے کہ جن کا دل قرآن اور حدیث کی حکمت کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ جہاں ہیں وہیں کے وہیں رہ جاتے ہیں۔ نصیحت کے کلام کو دلنشیں رنگ میں پیش کرنے کو "نگاہِ ابراہیمؑ" کہا جاتا ہے اور یہ دولت ان والدین کو نصیب ہوتی ہے جو خود بھی راہِ اسلام پر گامزن ہونے کے علاوہ اپنی نگاہوں سے روحانی طاقت کو استعمال کرتے ہیں، گویا کسی نصیحت میں کلام کا معیار اور نگاہوں کی روحانی طاقت ہی کام دیتی ہے۔

ان اشعار کے سلسلے کے بارے میں علامہ اقبالؒ کے تجویز کردہ کلام میں اس

Marfat.com

بات پر زور دیا گیا ہے کہ شاہین کے متعلق ان کا نظریہ کیا ہے اور ایک ہی فضا میں شاہین اور کرگس کی پرواز میں کیا فرق ہے؟ مُلاّ کی اذان اور مجاہد کی اذان میں ایک ہی قسم کے الفاظ ہونے کے باوجود اس قدر فرق کیوں ہے؟ آپ کے اس شعر سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مُلاّ اور مجاہد میں فرق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پیرِ روم کی صحبت سے مجھ پر یہ راز فاش ہوا ہے کہ لاکھوں حکیم (فلسفی) ایک طرف اور ایک کلیم سربکف ایک طرف، یعنی فلسفی تو اپنے کلام میں لاکھوں حکمتیں بیان کرتا ہے اگرچہ اس کا بیان محض زبانی اور کلامی ہوتا ہے مگر ایک کلیم جب وہی کام کرتا ہے تو اپنے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر جان کی بازی لگا دیتا ہے جبکہ فلسفی کا سر اس کی گردن پر ہی دھرا رہتا ہے (سر بجیب) ظاہر ہے کہ دونوں کی اذانوں میں لاکھوں کا فرق ہوگا۔

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سربکف
(ب ج: ۳۳۱)

مُلاّ کی اذاں کا مطلب یہ ہوتا ہے اس کا سر قوم کی خدمت کے لیے حاضر نہیں ہوتا اور اس کے دل میں قوم کا غم نہیں۔ آپ کے اس شعر کی بہت اہمیت ہے کہ ”دلِ مُلاّ گرفتارِ غمے نیست“۔

علامہ اقبالؒ شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ انداز میں نہیں دیتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ پرندہ خودی کا مجسمہ ہے۔ اس میں اسلامی فقر کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ وہ خوددار، غیرت مند، بہادر اور عقلمند پرندہ ہونے کے علاوہ اوروں کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ شاہین ہر قسم کے حالات میں اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو طاغوتی طاقتوں میں گھرے رہنے کے باوجود حق بات سے سرمُو انحراف نہ کرنے کی مثال پیش کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ شاہین اپنے آپ کو پرندوں کی دُنیا کا درویش خیال کرتا ہے (پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں، کہ شاہین بناتا نہیں آشیانہ) شاہین اپنے بچوں کو بھی ایسی ہی فقیرانہ زندگی گزارنے کی تاکید کرتا ہے اور ان صفات کی وجہ سے علامہؒ امتِ مسلمہ کے جوانوں کو شاہینِ شہِ لولاک کے نام سے ملقب کرتے ہیں۔ آپ نے اس پرندے کی مجاہدانہ زندگی کا یہ نقشہ یوں کھینچا ہے کہ اس نے اس دنیا کی عیاشیوں اور آرام

Marfat.com

طلبیوں سے کنارہ کشی اختیار کی ہے اور آب و دانہ کو اپنا رزق تصور نہیں کیا۔ اس کو بیاباں کی خلوت اس لیے پسند ہے کہ وہ اپنی خلوت میں خودی کے جذبات کی پرورش پاتا ہے۔ شاہین چمن کی بہاروں اور بلبل کی طرح نفسیاتِ عاشقانہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ایک مومن کی طرح وہ بھی کسی مقام کا پابند نہیں ہے جیسا کہ مردِ مومن کے لیے فرمایا:

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے مومن کا مقام ہر کہیں ہے

(ب ج: ۳۹۵)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ شاہین کارِ آشیاں بندی کو ذلت سمجھتا ہے اس لیے اس کا آشیاں پہاڑوں کی چٹانوں پر ہے اور قصرِ سلطانی کے گنبد پر اپنا آشیاں نہیں بناتا۔ صحراؤں کی تند و تیز ہواؤں کا رہنے والا یہ پرندہ اس قدر بلند ہمتی کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ پرواز میں ہمیشہ تازہ دم رہتا ہے اور اس کو اپنے بازوؤں پر اس قدر اعتماد ہے کہ وہ کبھی تھک کر نہیں گرتا۔ اس کی اصل شاہینی ہے جو ابتر حالات میں بھی دب نہیں سکتی اس لیے ضرورت ہو تو وہ چیتوں اور دوسرے موذی جانوروں کا بھی شکار کر لیتا ہے۔ یہ اپنی بلند پروازی میں لذت محسوس کرتا ہے، پھولوں کا بوسہ لینے میں اسے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ عاشقانہ ادا اس کی طاقتِ پرواز کو کم کر دیتی ہے۔ نغمہ اور سرود کی ادائیں اس کو چڑیا کی طرح کمزور بنا دیتی ہیں۔ قفس میں زندگی گزارنا سخت نادانی سمجھتا ہے اور اگر وہ ایسا کرے تو اس کا جسم چڑیا کے سایے سے بھی ڈرنے لگتا ہے۔ اس کا زہد و تقویٰ یہ ہے کہ یہ مردار نہیں کھاتا اور کسی کے مارے ہوئے شکار کو بھی پسند نہیں کرتا۔ یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کا شکار کرنے سے عموماً پرہیز کرتا ہے۔ اس کا شکار کے پیچھے بھاگنا اس کو چست، ہوشیار اور تنومند رکھتا ہے۔ اپنے شکار پر پلٹنے اور جھپٹنے سے اس کو وہ مزہ آتا ہے کہ جو شکار کے کھانے میں نہیں ہوتا۔ یہ شکار تو اس لیے کرتا ہے کہ اس کا خون گرم رہے۔

اس کتاب کے اوراق میں علامہ اقبالؒ کے کلام میں شاہین کی تمام خوبیوں کا بیان موجود ہے اور آپ نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہاری اصل تو شاہینی ہے مگر تم کیا کر رہے ہو؟ جب تک مسلمان شاہینی کردار ادا نہ کرے تو وہ دنیا سے پٹتا رہے گا۔ آپ نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بچوں کو بال و پَر دے اور مسلمانوں میں وہ شعور عطا

Marfat.com

فرمائے کہ جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح انہیں چاق و چوبند اور باکردار مسلمان بنا دے۔ آپ نے ایسا کلام پیش کیا ہے کہ جس سے جوانوں میں عقابی روح بیدار ہو جائے۔ علامہؒ نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ ہمارے حکمران اور بالائی طبقہ کے لوگ اس بات کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے کہ ایک مسلمان بچے کو ماں کی گود سے لے کر مدرسہ، اسکول، کالج اور پیشہ ورانہ زندگی میں کہیں سے بھی دینی تعلیم نہیں ملتی اور آخر آپ کو یہ کہنا پڑا، ''خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ''۔ جو کچھ شاہین کے لیے کہا گیا ہے اس سے بالکل برعکس حالات اور کردار کرگس (گدھ) کی زندگی میں موجود ہے اور علامہ اقبالؒ نے اس کی بری عادتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

اس مقدمہ کے اوائل میں دو اشعار کے متعلق شاہین اور کرگس کے علاوہ مُلاّ اور مجاہد کا بیان تو مکمل ہو گیا اور تیسرا مرحلہ جو ایک ہی عبادت پر رائی اور پہاڑ جتنے اجر کا ملنا جس کا پہلے پیراگراف میں ذکر ہوا ہے، اس کا جواب بھی شاہین والے اشعار کے جواب کے متوازی ہے۔ اس سلسلے میں صرف یہ بات سمجھنے کے لائق ہے کہ دونوں شخصوں کی عبادت میں اتنا بڑا فرق اسی طرح ہو سکتا ہے جیسا ان دونوں شخصوں کی عقلوں میں فرق ہے۔ دونوں شخصوں کے اجر میں یہ فرق یقیناً ان کی عقلوں اور کاوشوں میں فرق کے باعث ہے۔ ایک شخص تو نماز کے قیام، رکوع اور سجود وغیرہ کے ادا کر دینے کو ہی کافی سمجھتا ہے مگر دوسرا شخص اپنی نماز کو فقط حرکاتِ نماز کو ادا کرنے کے مجموعے پر ہی کفایت نہیں کرتا بلکہ نماز کے مختلف رکنوں کی غرض و غایت اور مقصودیت کو پیش نظر رکھتا ہے اور نماز کے ہر رکن کی ادائیگی اور اس کے حقوق کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے۔ اگر کوئی صورتِ نماز اور حقیقتِ نماز میں فرق معلوم کرنا چاہے تو ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' کا مطالعہ کرے۔ یہ کتاب دونوں قسم کی نمازوں میں فرق کی وضاحت کر دیتی ہے۔ جو فرق حقیقی نماز اور صورتِ نماز میں واضح ہوتا ہے وہی فرق ان دونوں قسم کی نمازوں کے اجر میں بھی مرتب ہوتا ہے۔ اس فرق کو واضح کرنے کے لیے نماز کی صحیح ادائیگی کو حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں امورِ نماز سے بے حد محتاط ہونے اور نماز کی ادائیگی سے باخبر ہونا لازمی ہے۔ ان تمام امور کے علوم کو اس کتاب میں واضح کر دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں کئی ابواب پر مشتمل کلام پیش کیا گیا ہے۔ جب تک کوئی شخص دنیاوی علوم میں خصوصیت حاصل نہیں کر لیتا وہ شخص کسی

Marfat.com

مضمون کے علم وفن کا ماہر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جس پرندے میں چڑیا جیسی خصلتیں موجود ہوں، وہ بغیر محنت کے شاہین کی شان کا حامل نہیں ہوسکتا۔ جو شخص ایک اعلیٰ ڈاکٹر بننا چاہتا ہے تو اس کو اپنے پیشے کی اعلیٰ معیار کی تعلیم اور تجربہ حاصل کرنے کی جدوجہد کرنی ہوگی۔

شاہین اور کرگس میں نمایاں فرق سمجھنے کے لیے ظاہر ہے کہ شاہین کا کردار اپنانے کے لیے محنت کرنا ایک لازمی امر ہے۔ اگر انسان یہی بات سمجھ لے کہ اسے اپنا مقصود حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ کرنا ہوگا تو سمجھ لیں کہ اس کی نصف منزل طے ہوگئی اور باقی نصف منزل اس کی کوشش اور جدوجہد کو عمل میں لانے پر انحصار کرتی ہے۔ مجاہد اور شاہین کا بلند مرتبہ ان کی کاوشوں کا ہی مرہونِ منت ہے۔

علامہ اقبالؒ کا طریقۂ گفتگو جو انہوں نے اپنے کلام میں مسلمانوں پر ظاہر کیا ہے وہ اس قدر مؤثر ہے کہ بندوں کو فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسی صفت نے انہیں حکیم الامت کے القاب سے ملقب کیا۔ جو شخص آپ کے کلام میں قطعاً دلچسپی نہیں رکھتا تو وہ اس معراج سے محروم ہے جو آپ نے اپنی قوم کے شائقین میں تقسیم کی ہے۔ افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس قوم نے ان سے رہنمائی حاصل نہیں کی اور اسی وجہ سے اس قوم کی بہت بھاری اکثریت ان کے فیض سے محروم ہے۔ پروفیسر آرنلڈ نے علامہ اقبالؒ کے فلسفہ خودی کا انگریزی ترجمہ کیا تو آپ نے بچشم آبدیدہ یہ فرمایا کہ انہوں نے یہ کتاب مسلمانوں کے لیے لکھی تھی مگر اس کا فائدہ انگریزوں کو ہو رہا ہے۔

بالآخر میں یہ بات کہوں گا کہ علامہ اقبالؒ کے شاہین اور مجاہد کی اذان کے تخیل نے ایک بہت بڑے راز کو مسلمانوں پر واضح کیا ہے۔ لیکن ہمارے لوگ یہ اشعار پڑھ پڑھ کر لطف اندوز تو ہوتے ہیں مگر اس کی حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اب جبکہ اس راہ پر چل نکلنے کا خاکہ اس کتاب میں ظاہر کر دیا گیا ہے تو شاید چند خوش قسمت لوگ ترقی درجات کی اس راہ پر چل نکلیں۔ فوفقنا اللّٰہ تعالیٰ فیما اقول بحرمۃ النبیّ المکرّم علیہ الصلوٰۃ والتّسلیمات

خادم الفقراء

عبداللطیف خان نقشبندی

فون: ۶۶۶۵۴۷۵، ۶۶۶۶۶۳۱

مورخہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

بمطابق ۲۶/اگست ۲۰۰۵ء

Marfat.com

تاثرات

پیر عبداللطیف خان نقشبندی کی زیرِ نظر کتاب کا نام ''شاہیں کا جہاں اور'' علامہ اقبالؒ کے کلام ''بالِ جبریل'' سے ماخوذ ایک شعر کا حصہ ہے اور علامہ اقبالؒ کے اس مجموعۂ کلام میں آپ کے ایک مرغوب پرندے شاہین کے اوصاف اور زندگی گزارنے کے اصولوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرندہ علامہ اقبالؒ کا اس لیے پسندیدہ ہے کہ اس میں مجاہدانہ، درویشانہ اور اسلامی زندگی گزارنے کے وہ تمام انداز پائے جاتے ہیں جو کہ مجاہدین اسلام کے اعلیٰ معیار کے لیے مطلوب ہیں اور جن کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس پرندے نے اصحاب رسول ﷺ کے شاہینوں کے کردار کو اپنایا ہے۔ تاکہ آنے والے نوجوانانِ اسلام کی نسلیں اس کے شعار کو دیکھ کر صحابہ کرام کی سادگی، محنت کشی اور اعلیٰ معیار کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے پیش نظر رکھیں۔ یقیناً یہ کتاب اسلامی مطالعہ کے معیار کی حامل ہے۔

اس زمانے میں جب کہ جوانانِ اسلام اہل مغرب کے رقص و سرود کے سیلاب

Marfat.com

میں بہتے ہوئے گمراہی کے راستوں پر چل نکلے ہیں ان کو اس بہتی ہوئی روش سے نکالنے کے لیے باصلاحیت انسانوں کی طرف سے رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔ یہ کتاب امتِ مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کو منزلِ مقصود تک لے جانے کا مبارک سفر طے کرنے کا موقع فراہم کرے گی۔

ہمارے نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد گمراہ کن راہوں پر اس لیے چل نکلی ہے کہ ان کے سامنے اسلام کے مختلف روشن پہلو کو پیش کرنے کی مہم مطلوبہ معیار سے بہت کم ہے۔ زیرِ نظر کتاب ان تمام اسباب کو سامنے لاتی ہے جن پر گامزن ہو کر ایک معمولی انسان معیاری زندگی کو اپنانے کے طریقوں سے آشنائی حاصل کر لیتا ہے اور اپنے قارئین کو اس بات کی تعلیم مہیا کرتی ہے کہ شاہین کا جہاں دیگر پرندوں سے کن وجوہات سے مختلف ہو گیا ہے اور اس نے اپنے اس عمل سے باقی پرندوں پر کیوں نمایاں فوقیت حاصل کر لی ہے۔ اہل ذوق کے لیے اس کتاب میں وہ تمام احوال بیان کیے گئے ہیں کہ نااہل لوگوں کی جماعت کن حالات سے گزرنے کے بعد مقاماتِ بلند پر فائز ہو سکتی ہے۔ اُمید ہے کہ بلند مقامات پر چل نکلنے کے متمنی حضرات اس کتاب سے اپنی مطلوبہ منزل کو حاصل کر سکیں گے۔

دُعا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے شاہین بچوں کو علامہ اقبالؒ کی خواہش کے مطابق پھر سے وہ بال و پر دے جو مصنف کتاب ہذا کی کاوشوں کو بروئے کار لائے اور سعادت دارین سے مالا مال فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فقیر علاؤالدین صدیقی غزنوی نقشبندی

سجادہ نشین دربارِ عالیہ نیریاں شریف

مورخہ ۱۰/۱اکتوبر ۲۰۰۴ء

Marfat.com

تبصرہ

(از عاصم مجید خان، ایڈیشنل کلکٹر کسٹمز، لاہور)

علامہ اقبالؒ کے یہ اشعار زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ ہر شخص ان کے ظاہری مطالب کو تو سمجھتا ہے لیکن ان اشعار کے پیچھے کردار سازی کی ایک طویل کہانی مضمر ہے، جس کو سمجھنا ہر خاص و عام کا کام نہیں۔ وہ اشعار یہ ہیں:

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

ان اشعار کے پڑھنے سے ہی یہ تاثر ملتا ہے کہ ان دونوں پرندوں اور دونوں انواع کے انسانوں (یعنی مُلّا اور مجاہد) کے آئینِ حیات اور کارزارِ حیات میں بہت بڑا تفاوت ہوگا، جب ہی تو ان کے فکر ونظر میں بھی زمین و آسمان جتنا بڑا فرق نظر آ رہا ہے۔ ایسا خیال پیر عبداللطیف خان نقشبندی مدظلہ العالی نے بھی محسوس کیا اور آپ نے اپنے مختلف مواعظ میں ان اشعار پر کچھ ضوفشانی بھی کی اور فرمایا کہ مسلمانوں کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اس فرق کو محسوس کریں اور معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ ان دونوں میں اتنا بڑا فرق کیسے رونما ہوا، اور ان کی وجوہات پر غور کرنے کے بعد ہم سب کے لیے لازم ہے

Marfat.com

کہ اپنے مقامات کو اسی طرح ارتقائی منزلوں تک پہنچائیں جس طرح کہ شاہین اپنے کردار میں مشہور ہے اور مجاہد اسلام اتنے بڑے مقام پر فائز ہوا ہے۔ شاہین اور کرگس کی طرح مُلّا اور مجاہد کی منزلوں کے درمیان فرق کوئی معمولی فرق نہیں جس کو علامہ اقبالؒ نے اتنے اہم نظریات سے اپنے اشعار میں پیش کیا ہے اور ہماری توجہ کو ان ممتاز مقامات کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ پیر صاحب موصوف نے حسب وعدہ اس فرق کو دُور کرنے اور بلند مقامات پر قوم کے افراد کو کھڑا کرنے کے لیے اس مسئلہ کا مکمل تجزیہ کیا اور زیرِ نظر کتاب میں اس فرق کو معلوم کرنے کا طریقۂ کار نہایت عمیق اور اسلامی فلسفیانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ آپ کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اگر کوئی شخص اس مسئلہ کو حل کرنے کے ضمن میں کسی قسم کا عذرِ لنگ پیش کرے گا تو یہ اس کی سستی، کم ہمتی اور عدم دلچسپی کی وجہ سے ہوگا کیونکہ جن باتوں کا علم حاصل کرنے کی ضرورت تھی وہ آپ نے پورے انہماک سے بیان کر دیا ہے۔

پیر عبداللطیف خان نقشبندی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ نچلی حالت سے بلندی کی حالت میں جانے کے لیے کچھ محنت کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا شاہین کی سی اداؤں کو اپنانے کے لیے لازمی طور پر جو محنت درکار ہے اس کے بغیر حالات کا سنورنا ممکن نہیں۔ آپ نے ان تمام باتوں کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے انسانوں میں ترقی رونما ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے کئی ابواب قائم کیے ہیں جن میں ان تمام عناصر کا تفصیلی بیان درج کیا ہے، جس سے انسان خود کو بلند و بالا منزلوں پر لے جا سکتا ہے اور اگر کوئی ان اقدامات کے اٹھانے سے گریز کرے تو مذکورہ ترقی متصور نہیں۔

علامہ اقبالؒ کے اقوامِ عالم پر بڑے احسانات ہیں کہ انہوں نے مشکل دینی، سیاسی، اقتصادی، نفسیاتی امور پر خاص روشنی ڈالی ہے اور مسلمانوں کو قرآن اور حدیث کی رُو سے اندھیروں سے نکلنے کی راہنمائی کی ہے۔ آپ کی ان خدمات کے ساتھ ساتھ ایک اور بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ قوم جس کے لیے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرانِ اسلام بھیجے گئے لیکن آج وہ قوم پھر بھی اسی طرح کسمپرسی کی حالت میں دم توڑ کر مبتلائے مرگِ ناندیش ہے۔ قوم کی اس حالت پر علامہؒ نے فرمایا ہے:

اِک ولولۂ تازہ دیا میں نے دِلوں کو لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند
لیکن مجھے اس دیس میں پیدا کیا تُو نے جس دیس کے بندے ہوں غلامی پہ رضامند

Marfat.com

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں میں فلسفۂ خودی کا احساس پیدا کرنے کے لیے ''اسرار ورموزِ خودی'' کو تجویز کیا لیکن مسلمانوں نے فلسفۂ خودی تو کیا باقی مضامین پر علامہؒ کے کلام سے استفادہ کرنے کی نظری کوشش بھی نہ کی۔ باقی کلام کی طرح فلسفۂ خودی کو بھی انگریزی میں ترجمہ کر کے انگلستان سے شائع کیا گیا اور علامہ اقبالؒ اس بات پر اشک بہاتے رہے اور فرماتے تھے کہ افسوس ہے کہ اس فلسفۂ خودی کو میں نے مسلمانوں کے لیے لکھا مگر اس کلام سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی:

با آں رازے کہ گفتم پے نبردند ز شاخِ نخلِ من خورما نخوردند

(وہ راز جو میں اپنے کلام میں لیتا ہوں لوگوں نے اس تک رسائی نہ پائی، میرے شاخِ نخل سے پھل نہیں کھائے)

من اے میرِ امم داد از تو خواہم مرا یاراں غزل خوانے شمردند

(اے میرِ امم! میں آپ سے انصاف چاہتا ہوں، یار لوگ مجھے محض غزل خواں سمجھتے ہیں)

عصر من دانندۂ اسرار نیست یوسفِ من بہرِ ایں بازار نیست

(میرے زمانے کے لوگ اسرار کو نہیں سمجھتے، مجھ جیسا یوسف اس بازار کے لائق نہیں)

علامہ اقبالؒ نے 'صقلیہ' کی نظم میں رسول اللہ ﷺ سے انصاف کی طلب کی ہے کہ مسلمانوں کو قرونِ اولیٰ میں کیا عروج حاصل تھا اور آج یہ مسلمان خواب خرگوش میں محو ہے۔ ان زمانوں کا اور آج کی حالت کا نقشہ آپ نے کچھ اس طرح کھینچا ہے جس کو پڑھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے لیکن مسلمان کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ قوم کدھر جا رہی ہے۔ ہر شخص دولت سمیٹنے پر کمربستہ ہے۔

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوننابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار

تھا یہاں ہنگامہ اُن صحرانشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

اک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصرِ کہن کو جن کی تیغِ ناصبور

غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

(کلیات: ۱۳۳)

Marfat.com

میں اس تبصرے کے ذریعے مسلمانوں کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ جن کارناموں کو ہمارے صلحائے اُمت نے انجام دیا ہے ان کے مطالعے سے سستی کا مظاہرہ نہ کریں اور خدا کے لیے اپنی قوم کی بگڑتی ہوئی تقدیر کو سنبھالا دینے کے لیے ان کا مطالعہ فرمائیں اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں۔

اگرچہ زَر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات　جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے تُو جس کو خود سمجھتا ہے　زوال بندۂ مومن کا بے زَری سے نہیں
اگر جہاں میں میرا جوہر آشکار ہوا　قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

دنیا میں معاشی حالات اگرچہ مصائب پیدا کرتے ہیں لیکن مسلمان جو خدا کے دین پر عمل کرنے کے لیے مکلف ہیں ان کے لیے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے کے لیے جو قلیل وقت درکار ہے اس کو دنیا کے کاروبار کی بھینٹ نہ چڑھائیں اور دنیا کے رزق میں اگر توسیع درکار ہے تو وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے اور کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتی۔ ایک حدیث شریف میں ہے:

"اللہ تعالیٰ نے دنیا پر وحی فرمائی کہ (اے زمین!) تو اُس کی خدمت کر جو میری تابعداری کرے اور اس کو تھکا دے جو تیری خدمت کرے"۔
(طبقات کبریٰ: ص ۵۰)

مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی، تمام دُنیا ان کی تابعدار ہے۔ (باقی قسم کے لوگ حرام رزق حاصل کر کے مال کماتے ہیں اور تابعداری کا مطلب بے معنی اور غلط انداز میں روزی کو حاصل نہ کرنے والے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس تابعداری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خاکپائے فقرا

عاصم مجید خان

ایڈیشنل کلکٹر کسٹمز، لاہور

مورخہ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ

بمطابق ۳۱/ اگست ۲۰۰۵ء

Marfat.com

باب ۱

شاہین

شاہین ایک نہایت دلیر شکاری پرندہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی بلند پروازی اور خودداری کی علامت ہے۔ مشاہدہ میں آتا ہے کہ یہ وہ پرندہ ہے جس میں مردِ حرُ (آزاد مرد) کی بہت سی علامات پائی جاتی ہیں۔ شاہین کا لفظ بہت سے صوفی شاعروں کے کلام میں اس کی بہت سی خوبیوں کے پیش نظر، غزلیات اور دیگر کلام میں اکثر مذکور ہے۔ شاہین علامہ اقبالؒ کا محبوب پرندہ ہے اور روح کی بلند پروازی کے لیے اس پرندے کی علامات عطار اور رومیؒ کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس تحریر میں ہم زیادہ تر شاہین پر علامہ اقبالؒ کی تشبیہات اور اشارات کو مرکز نگاہ بنائیں گے۔

علامہ اقبالؒ کا شاہین

علامہ اقبالؒ کا یہ محبوب پرندہ اس قدر خوبیوں کا حامل ہے کہ آپ نے اس کی زندگی کے معمولات کو اس زمانے کے بے لگام نوجوانوں کی اصلاح کے لیے بطور ایک

Marfat.com

کامیاب علاج کے استعمال کیا ہے جس سے آپ کی منشا یہ ہے کہ اگر یہ پرندہ آزادانہ زندگی بسر کر سکتا ہے تو مسلمانوں کو بدرجہ اتم اس کے اصولوں کو دیکھ کر اپنی روش کو بدل لینا چاہیے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس پرندے میں فقرِ اسلام کی بہت سی خوبیاں موجود ہیں جن کا وہ سختی سے پابند ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کئی مواقع پر شاہین کو اپنے بچوں کو نصیحت کرتے دکھایا ہے اور کبھی کسی کبوتر کو اپنے بچے کو نصیحت کرتے ہوئے ذکر کیا کہ تم اس قدر مستی میں ڈوب کر ذکر کرو کہ تمہارے اندر ایسی طاقت آ جائے کہ تم اس شاہین کے سر کا تاج چھین سکو۔ اور بھی مختلف مقامات پر اس پرندے کا ذکر ہے حتیٰ کہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے جوانوں کو وہ شاہینِ شہِ لولاک کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ آپ کے کلام میں دوسری علامت جگنو کی ہے۔ جگنو موسم گرما کی شاموں میں نہروں کے کنارے آتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ جگنو سے نکلنے والی روشنی کو اس کی خودی قرار دیتے ہیں۔ شاہین اور جگنو کے علاوہ علامہ اقبالؒ کے ہاں اور بھی بہت سی چیزیں ملتی ہیں۔ جن کی دل آویز خوبیوں کو آپ نے کھول کر بیان کیا ہے۔ ایسی چیزوں میں جن سے علامہؒ نے کافی کلام کیا ہے لالۂ طور، شبنم، شمع اور پروانہ وغیرہ ہیں۔ ان تمام وضاحتوں سے آپ کی مراد مسلمانوں میں ان کی خوبیوں کو اجاگر کرنا ہے۔

شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ نہیں ہے بلکہ یہ پرندہ خودی کا مجسمہ ہے۔ اس پرندے میں بہت سی اسلامی فقر کی خصوصیات دیکھنے میں آتی ہیں۔ وہ خوددار، غیرت مند، بہادر اور عقلمند پرندہ ہے اس لیے وہ اوروں کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا جب کہ باقی پرندے اور جانور اس بات کا لحاظ نہیں کرتے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ پرندہ باقی تمام پرندوں سے بلند تر مقام رکھتا ہے۔

جذباتِ انسانی کی تخلیق یا بیداری کے کئی ذرائع ہیں جن میں سے ایک شعر بھی ہے اور شعر کا تخلیقی یا ایقانی اثر محض اس کے مطالب و معانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں شعر کی زبان اور زبان کے الفاظ کی صورت اور طرزِ ادا کو بھی بڑا دخل ہے۔ علامہ اقبالؒ نے شاہین میں موجود خوبیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے کلام میں ان کو اس طرح سمویا ہے کہ وہ عوام کے لیے ایک دل پسند مشغلہ اور نگاہوں کا مرکز بن گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ شاہین ہر قسم کے حالات میں اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے اور اپنے نصب العین

Marfat.com

سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ اس کی مخصوص عادات اور طریقۂ زندگی اس قدر پختگی اختیار کر چکے ہیں کہ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہین اپنے اصولوں سے سر مُو بھی انحراف نہیں کرتا جب کہ انسانوں میں عادات کی یکسانیت مشکل سے ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ ایک مسلمان کی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ وہ طاغوتی طاقتوں میں گھرے ہونے کے باوجود یقین کے ساتھ اپنے مقصد کے لیے جدوجہد کرتا رہے جیسا کہ شاہین اپنے ماحول کا مقابلہ کرنے سے نہیں گھبراتا۔ ''پس چہ باید کرد'' میں علامہ اقبالؒ نے فقر کے عنوان سے کچھ حقائق فقر پر روشنی ڈالی ہے مگر یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاہین میں ان عناصر کا کافی حد تک وجود پایا جاتا ہے اور یہ پرندہ فقر کے ذریعے اپنی کردار سازی کرتا ہے۔

ایک سرسری نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاہین اپنے آپ کو پرندوں کی دنیا کا درویش کہتا ہے۔ وہ کارِ آشیاں بندی کو اپنے لیے ذلت سمجھتا ہے۔ اپنے دل کو اس نے اس حقیقت کو باور کروا دیا ہے کہ کسی حالت میں بھی شہنشاہی زندگی بسر کرنا اس کے لیے موت کے مترادف ہے۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر　　تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

(ب ج: ۴۱۲)

علامہ اقبالؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے نوجوانوں کے لیے لکھا ہے کہ مسلمان اپنی تن آسان زندگی کے حصول کے لیے چمن میں آشیاں بنانے کی طرف کیوں مائل ہیں حالانکہ شاہیں اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ چمن کی ہوا قوتِ پرواز کو زائل کر دیتی ہے۔ عالی شان عمارت سازی کی ممانعت احادیث میں بھی وارد ہوئی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلم نوجوانوں کے لیے فرمایا ہے:

تو اے شاہیں نشیمن در چمن کردی ازاں ترسم　　ہوائے اُو ببالِ تو دہد پروازِ کوتاہے

(اے شاہین! تو نے چمن میں آشیاں بنا لیا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ اس کی ہوا تیرے پروں کو پرواز سے روک دے گی)　　(ز ع: ۴۹۲)

علامہ اقبالؒ کے اس فقیر پرندے کو صحرا کی تند و تیز ہوا پسند ہے۔ وہ اس قدر

ہمت رکھتا ہے کہ تھک کر کبھی پرواز سے نہیں گرتا۔ کبھی دوسرے کا مارا ہوا شکار نہ کھانا، اس کی اصل شاہینی ہے جو ابتر حالات میں بھی دب نہیں سکتی۔ یہ چیتوں کا شکار کر لیتا ہے، یہ ہر وقت آفتاب کے طواف کے لیے سرگرم رہتا ہے اور خاک کی پستی سے آزاد ہے۔ اس کی پرواز میں ایک خاص قسم کی شان ہے۔ شاہین اپنی بلند پروازی میں لذت محسوس کرتا ہے، پھولوں کو بوسہ دینے سے اسے قطعاً دلچسپی نہیں کیونکہ یہ عاشقانہ ادا اس کی طاقتِ پرواز کم کر دیتی ہے۔ نغمہ اور سرود کی آوازیں شاہین کو چڑیا بنا دیتی ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ قفس میں زندگی گزارنا سخت نادانی ہے کیونکہ اس میں اس کا بدن چڑیا کے سائے سے بھی ڈر سکتا ہے۔

شاہین کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ دنیا کے خاک دان سے کنارہ کش ہے جہاں رزق کا نام آب و دانہ رکھا جاتا ہے۔ بیاباں کی خلوت اسے پسند آتی ہے کیونکہ ازل سے ہی اس کی فطرت راہبانہ ہے اور بیابان کی ہوا سے اس کو غازیانہ ضربت میں مدد ملتی ہے۔ وہ گلگشت و بلبل اور نغمۂ عاشقی کا ہرگز دلدادہ نہیں کیونکہ اس میں بے فائدہ عاشقی کی بُو آتی ہے۔ چھوٹے جانوروں کے شکار کرنے سے شاہین بالعموم پرہیز کرتا ہے کیونکہ اس کی زندگی کی بنیاد زہد و تقویٰ پر ہے۔ اگر یہ شکار بھی کرتا ہے تو اس کا مقصد اپنے شکار پر جھپٹنا اور پلٹنا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اپنے خون کو گرم رکھتا ہے تاکہ تن میں آسانی پیدا نہ ہو۔ شاہین کسی ایک جگہ کو اپنا مقام تصور نہیں کرتا کیونکہ اس کا جہاں محدود نہیں ہے بلکہ یہ نیلا آسمان پورے کا پورا اس کے پروں کے نیچے ہے اور یہ آسمانِ بیکراں اس کی آماجگاہ ہے۔ وہ پل بھر میں جہاں چاہے پہنچ جاتا ہے۔

جنگل میں بہت سے شکاری نظر آتے ہیں جو شاہین کی تاک میں رہتے ہیں مگر وہ ان سے خائف نہیں رہتا۔ جب کوئی شکار اس کے پنجے میں آ جائے تو وہ اس پر کبھی رحم نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا دل اس پر پسیجتا ہے۔ اس کو معلوم ہوتا ہے کہ چڑیا کے پیٹ میں کتنی انتڑیاں ہیں لہٰذا وہ چڑیوں کا کم ہی شکار کرتا ہے۔ شاہین چیونٹی کی طرح خاک میں منہ نہیں مارتا بلکہ اس کی شکارگاہ آسمانوں سے گزر کر ہر کہیں ہے۔ بہت سے مقامات ایسے آتے ہیں جہاں سے وہ اپنا رزق تلاش کرنا اپنی ہتک سمجھتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے طائر لاہوتی بھی کہتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ نیلگوں فضا دیکھنے میں بہت وسیع و عریض ہے لیکن اگر ہمت ہو پرکشا تو حقیقت میں کچھ نہیں۔

Marfat.com

غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاہِ لولاک کے شاہین ہیں

انسان اگرچہ خاکی نہاد ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ قوتیں رکھ دی ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی نیابت کا تاج پہنایا گیا ہے اور پوری کائنات اس کے لیے مسخر کر دی گئی ہے۔ وہ جہاں اور جب بھی چاہے کائنات کی ہر چیز میں تصرف کر سکتا ہے۔ اس میں صفات کا ملکہ اور تصرفات کا جو ایک جہاں رکھ دیا گیا ہے: اسی کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کا امین ہے۔ اپنی خوبیوں کے باعث جو اس کو عطا ہوئی ہیں انسان کو مسجودِ ملائک بنایا، علم ما کان و ما یکون کی دولت سے نوازا اور خاکی مخلوق ہونے کے باوجود ہمدوشِ ثریا کیا گیا۔

اس کتاب میں انسان کی ان صفات پر روشنی ڈالنے اور زیادہ تفصیلات فراہم کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ یہ موضوع کتاب سے تعلق نہیں رکھتیں البتہ یہ بات واضح کرنے کے لائق ہے کہ جب انسان کو اس قدر بلندیوں سے نوازا گیا تو پھر مسلمانوں کی حالت ان کے متوقع معیارِ زندگی سے بالکل متضاد کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کو جو امانت دی گئی تھی وہ اس کا صحیح معنوں میں متحمل نہیں ہو سکا۔ ہماری تصنیف ''حضورِ قلب'' میں اس بات کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے قریب ترین مقام یعنی دوستی کے لیے کس طرح بنایا اور اس کو اس قابل سمجھا تو یہ مقام عطا کیا گیا۔

صحابہ کرامؓ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مستعد خادم اور ہر وقت جان، مال اور دھڑ کی بازی لگانے کو تیار رہتے تھے، اپنے اس جذبۂ خدمت کی وجہ سے شاہینِ شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلا سکتے ہیں۔ جس طرح شاہین اپنی طبیعت کی سادگی اور جرأتِ بیباکانہ کے لیے مشہور ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثار سپاہی ہمہ وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اور تابعداری کے لیے تیار رہتے تھے۔ شاہین کے اوصاف جس طرح بیان کیے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو بھی اسی طرح چاق و چوبند ہونا چاہیے۔ بالِ جبریل میں علامہؒ نے فرمایا ہے:

ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تُو

(ب ج: ۳۷۶)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاہین (مردِ مسلمان) وہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا

Marfat.com

پابند اور ان کے عشق میں بہ جان و دل ڈوبا ہوا ہو۔ اس صفحۂ ہستی پر جب بہت سے مسلمان حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو انہوں نے اپنے کردار، اخلاق اور اپنے جذبۂ قربانی سے ثابت کر دیا کہ درحقیقت وہی شاہین سرور کائنات ﷺ ہیں۔ مغرب کے فلاسفروں کے سپر مین صرف اور صرف حیوان ہیں، انسان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے شاہین کے اوصاف کو کھول کھول کر بیان کیا اور مسلمانوں سے کہا کہ تم ہی صرف اسلام کے شاہین ہو بلکہ شاہین مصطفیٰ ﷺ ہو۔

شاہین کی زاہدانہ زندگی کے چند پہلو اور اُن کی مقصدیت

علامہ اقبالؒ شاہین کا بنظر غائر مشاہدہ اور مطالعہ کرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ شاہین کے متعلق دوسرے شاعروں کے تصورات سے بالکل الگ ایک منفرد اور ممتاز حیثیت دیتے ہیں۔ آپ کی ایک نظم جو 'شاہین' کے نام سے ''بالِ جبریل'' میں لکھی ہے اس میں شاہین کے نظریئے کو درج ذیل اشعار میں بیان کرتے ہیں جس کا پہلا شعر حسبِ ذیل ہے:

کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ

(ب ج: ۴۵۷)

شاہیں اگرچہ فضائے زمین سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس میں بیان کردہ تصورات شاہیں کو فلک نشین بنا دیتے ہیں اور اسے ایک زاہدانہ کردار عطا کرتے ہیں۔ خاکداں سے مراد یہ ہے کہ وہ اس دنیا کی خاکی نسبت سے عاری ہے اور آب و دانہ سے کنارا کشی میں تجسس کا جذبہ پایا جاتا ہے کہ وہ آب و دانہ کو رزق نہیں سمجھتا۔ دوسرا شعر:

بیاباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ

(ب ج: ۴۵۷)

بیاباں کی خلوت اسے اس لیے پسند ہے کہ وہ اپنی خلوت میں اپنی خوبیوں پر ہمیشہ غور کرتا رہتا ہے اور اپنے اصولوں کی درستگی کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اگرچہ راہبانہ فطرت کے خلاف تھے مگر آپ نے شاہیں کے لیے اس کو درست خیال کیا ہے۔

Marfat.com

آپ نے دو اشعار اس انداز میں بھی لکھے ہیں کہ شاہین کا متضاد اور پُر فریب شجر کاری یعنی گل چیں اور بلبل کی نفسیاتِ عاشقانہ کی طرف چنداں خیال نہیں جاتا کیونکہ یہ شغل ایک بیماری ہے اور اچھی خصلتوں میں شامل نہیں ہے:

نہ بادِ بہاری، نہ گل چیں نہ بلبل   نہ بیماریٔ نغمۂ عاشقانہ
خیابانیوں سے ہے پرہیز لازم   ادائیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ
(ب ج:۴۵۷)

شاہیں بادِ بہاری، گل چیں، بلبل، نغمۂ عاشقانہ اور خیابانیوں کی اداؤں سے اس لیے پرہیز کرتا ہے کہ ان تمام رومانی دلآویزیوں سے شاہیں آزاد ہے اور ان کے طلسم میں اس لیے گرفتار نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اس کو کمزور بنا کر نہ رکھ دیں۔ اسے فقط فکر و عمل کی پختگی درکار ہے اور اس کے علاوہ سخت کوشی اور پنجہ آزمائی بھی درکار ہے۔

ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری   جواں مرد کی ضربتِ غازیانہ
حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں   کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا   لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
(ب ج:۴۵۷)

بیاباں کی ہوا اس کو اس لیے پسند ہے کہ اس کی وجہ سے ضربِ کاری لگا سکتا ہے۔ شکار کرنا شاہیں کا شغل ہے ورنہ کبوتر اور چھوٹے پرندوں کا وہ بھوکا نہیں۔ وہ اپنے شکار پر اس لیے بار بار جھپٹتا ہے کہ ایسی ورزش سے اپنا خون گرم رکھ سکے۔

زاہدانہ زندگی و راہبانہ کردار اور ضربِ غازیانہ کی علامت اپنے ماحول کی مرقع نگاری کے بعد شاہیں اپنے کردار کی آفاقیت پر تاکیدی نشان لگاتا ہے۔

یہ پورب، یہ پچھم، چکوروں کی دنیا   مرا نیلگوں آسماں بے کرانہ
پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں   کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ
(ب ج:۴۵۷)

شاہیں اپنا جہاں اتنا وسیع رکھتا ہے کہ اس کا نیلگوں آسمان بے کراں ہے جبکہ ہر جانور کی جگہ الگ الگ نوعیت کی ہے۔ چکوروں کی اپنی دنیا ہے اور دیگر پرندے بھی اپنی

Marfat.com

مخصوص جگہوں کے ساتھ پہچانے جاتے ہیں مگر شاہین کا جہاں صحرا کی وسعتوں سے لے کر بیکراں آسماں تک ہے۔ یہ آفاق گیر پرندہ اپنی آفاقیت کا ثبوت یوں دیتا ہے کہ وہ آشیانہ نہیں بناتا لہٰذا اس کی حیثیت تمام پرندوں میں ایسی ہے کہ وہ پرندوں کی دنیا کا درویش ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے بھی آفاقیت کا حکم لگایا گیا ہے کہ مسلمان کا کوئی وطن نہیں اور ان کے لیے کہا جاتا ہے کہ "جہاں جا کے جھنڈے کو گاڑا وہ وطن ہے"۔

علامہ اقبالؒ نے اسی لیے یہ فرمایا تھا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ملت وطن کی پابند ہے وہ مقام محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناواقف ہیں یعنی ملت کا وطن سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم پہلے مسلمان ہیں اور بعد میں مصری، شامی اور عربی یا پاکستانی ہیں، بلکہ وطن ملت سے قائم ہے۔ مسلمان کا تمام جہان ہی وطن ہے۔ جہاں وہ قابض ہو گئے وہی وطن ہے۔ (ارمغانِ حجاز:۴۹)

یہی وجہ ہے کہ شاہیں کا بھی کوئی مقام نہیں۔ وہ جہاں کہیں ہے وہی اس کا مقام ہے۔ انہی اور دیگر معنوں میں شاہین علامہ اقبالؒ کے مردِ مومن کی علامت ہے اور اسی لیے علامہؒ نے اس پرندے کے اعمال اور کردار کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا ہے... مردِ مومن کے لیے بھی علامہؒ نے فرمایا ہے:

مومن کا مقام ہر کہیں ہے — مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

(ب ج: ۳۹۵)

Marfat.com

باب ۲

مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ کا شاہین

حکیم الامت، مدبر اسلام، مفکر اعظم، رمز شناسِ مسلمانانِ برصغیر علامہ اقبالؒ کو جن تبصرہ نگاروں اور شعر شناسوں نے "شاعر مشرق" کا خطاب دیا ہے انہوں نے مسلمانانِ عالم کے لیے دردمند دل رکھنے والی اس عظیم و ہمہ جہت شخصیت کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ علامہ اقبالؒ نے خود اس بات پر شکوے کا اظہار کیا ہے کہ لوگوں نے ان کو محض غزل خواں شمار کیا ہے۔ آپؒ نے فرمایا:

بآں رازے کہ گفتم، پے نبردند　　زشاخِ نخلِ من خرما نخوردند

(میں نے جو راز بیان کیے ہیں لوگوں نے اس تک رسائی نہ پائی، انہوں نے میرے نخل کلام سے پھل نہ کھائے)

من اے میرِ امم داد از تو خواہم　　مرا یاراں غزل خوانے شمردند

(اے شاہِ امم! میں آپ سے انصاف کا طالب ہوں کہ دوستوں نے مجھے صرف غزل خواں جانا)

(ا ح: ۹۲۵)

Marfat.com

حقیقت تو یہ ہے کہ ایسا کوئی دانائے راز صدیوں کے بعد آتا ہے۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

(سالہا سال دیر و حرم مین زندگی روتی رہی تب کہیں اس بزمِ عشق سے ایک دانائے راز نکلا)

(ز ع: ۴۶۵)

یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اپنے افکار و خیالات جب مُردہ دل اور تن آسان مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہا تو بجائے نثر کے صنفِ شعر کا استعمال زیادہ بہتر جانا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں کہ انہوں نے فرزندانِ اسلام کو خوابِ خرگوش سے جگانے کے لیے صنفِ شاعری اختیار کی۔ ایک تو اُس وقت ہر طرف شعر و شاعری کا ڈنکا بج رہا تھا، دوسرے عوام الناس نثریہ مضامین میں اتنی دلچسپی نہیں لیتے تھے جتنی توجہ شعر کو دیتے تھے۔ اس لیے علامہؒ نے بھی وہی راہ اختیار کی جو رومیؒ اور عطارؒ نے اختیار کی تھی۔ کسی عظیم مفکر و فلسفی و شاعر کی شخصیت کی جہات جاننے کے لیے ہمیں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہوگا کہ اس کی تہذیب و ثقافت کیا تھی اور اس نے اپنے لیے کون سی راہ متعین کی تھی۔

ہماری نظر میں علامہ اقبالؒ کا مطمحِ نظر صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ مسلمانانِ عالم اپنے آپ کو پہچان لیں۔ اپنی ذات، اپنی حیثیت اور کائنات میں اپنا مقام پہچان لیں۔ انہوں نے اس پیغام کو پوری دُنیا کے مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے صنف شاعری کو آسان اور بہتر جانا ورنہ سچ پوچھیں تو وہ شاعر نہیں تھے، بلکہ وہ مفکر، مدبر اور مصلحِ قوم تھے۔

ابتدائی زندگی میں علامہ اقبالؒ فارسی، عربی اور فلسفہ کے طالب علم تھے۔ فلسفہ کے گہرے مطالعے نے ان میں مذہب کے فلسفے کی طرف توجہ دلائی کیونکہ فلسفہ و مذہب دونوں ایک ہی بیج سے پیدا شدہ دو الگ الگ درخت ہیں۔ فلسفہ کی تعلیم انہیں کشاں کشاں جرمنی لے گئی۔ جرمنی میں فلسفہ کی تعلیم کے دوران میں جب انہوں نے جرمنی کے دو مشہور فلسفیوں کے افکار و آراء کا مطالعہ کیا تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ فلسفی اور ان کے افکار اسلامی فلسفے کے سراسر منافی ہیں اور انسانیت کے لیے زہر قاتل ہیں۔ کیونکہ آرتھر شوپنہائر (Ar.her Shopenhauer 1788-1860) کے فلسفیانہ افکار کا نچوڑ یہ تھا کہ ''انسان ایک مافوق الطبعی حیوان ہے، لیکن وہ اپنی خواہشات کا غلام و اسیر ہے اور اسے جو

Marfat.com

عقل عطا کی گئی ہے اس کا کام اس کی خواہشات کی تکمیل کرنا ہے۔'' (اس کے نزدیک خواہش ایک تندرست و توانا انسان ہے لیکن ہے اندھا، اور اس کے کاندھوں پر ایک لنگڑا شخص سوار ہے جو دیکھ سکتا ہے) نیز اس کے نزدیک صرف ارادہ یا خواہش ہی انسان کے اندر ایک ایسی چیز ہے جو مستقل نوعیت کی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ایک خواہش سے دوسری خواہش اور دوسری خواہش سے تیسری خواہش جنم لیتی ہے اور اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لہٰذا اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انسان کبھی بھی خواہشات کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ یہ آزادی اسے اس وقت مل سکتی تھی جب خواہش علم و عقل کے تابع ہو جائے اور یہ کسی اور طرح ممکن نہیں۔ چنانچہ زندگی ایک شر ہے۔ یہ ایک مسلسل جنگ اور کشمکش سے عبارت ہے اور ہر جان دار ہر وقت ایک جبرِ مسلسل میں مبتلا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ افکار و فلسفیانہ خیالات اسلام سے اور اسلامی تعلیمات سے متصادم تھے۔ علامہ اقبالؒ ایک دین دار، پابند اسلام خاندان کے چشم و چراغ اور سلسلۂ قادریہ کے حلقہ بگوش تلمیذ باادب تھے، وہ کس طرح ان خیالات و افکار کو قبول کرتے۔

جرمنی کا دوسرا مشہور فلسفی جس کا علامہ اقبالؒ نے گہری نظر سے مطالعہ کیا، وہ ہے فریڈرک نٹشے (Friedrich Nietzsche 1844-1900)، جس کے فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اندر اصل چیز طاقت کا حصول ہے اور طاقت کے حصول کے لیے اس میں ایک ولولہ، جوش و جذبہ ہے اور پوری کائنات کا بنیادی عنصر یہی ولولہ اور جذبہ ہے جو سب پر حاوی ہے۔ طاقت کے حصول کی خواہش اتنی زبردست ہے کہ یہ کسی کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ جو اس کے سامنے آتا ہے ختم ہو جاتا ہے، فنا ہو جاتا ہے اور کائنات کا چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ اس کے درمیان کون آ کر پستا ہے اور کس کا کیا حال ہوتا ہے اس کی اسے کوئی پروا نہیں ہوتی۔ انسان طوفانوں، زلزلوں، سیلابوں اور دوسری آفتوں کے رحم و کرم پر ہے۔ لہٰذا زندگی ایک مستقل مصیبت ہے۔ نٹشے نے انسان کو اپنے فلسفے میں ایک سفاک جانور ثابت کیا جو حصولِ طاقت کے لیے جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کے اس ولولے اور جذبے کے آگے عقل اور نیکی کی کوئی حیثیت نہیں۔ بلکہ یہ دونوں (عقل و نیکی) حصول طاقت کے لیے بطور ہتھیار استعمال کرتا ہے۔ نٹشے کا کہنا ہے کہ دنیا میں جو نیکیاں مشہور ہیں اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے اندر سے بھی حصول طاقت کا جذبہ برآمد ہوگا۔ (یہ سراسر

Marfat.com

غلط ہے) یا دوسروں پر بالادستی حاصل کرنے کی خواہش کارفرما ہو گی۔ اس لیے انسان کا مقصد حیات انسانیت نہیں بلکہ 'سپر مین' بننا ہے۔ نتیجتاً جو معاشرہ سپرمین تیار نہیں کرسکتا اس کو مٹ جانا چاہیے۔ یہ سارا فلسفہ اسلامی نظریات وتعلیمات سے سراسر متصادم اور متنافی ہے۔ علامہؒ نے اسے پڑھا تو ضرور لیکن انہوں نے اسے قبول ہرگز نہیں کیا۔

اگرچہ آج کی یورپی ومغربی اقوام نے اسی فلسفے کو اپنایا ہے، ہٹلر نے بھی اس فلسفے کو اپنا کر لاکھوں انسانوں کو تہ تیغ کیا اور امریکہ بھی یہی کر رہا ہے۔ ان دونوں فلسفیوں کی آراء وافکار نے اقبالؒ میں ایک نئی روح پھونک دی اور انہوں نے اسلام، اسلامی نظریہ حیات واسلامی تعلیمات اور عشق رسول اللہ ﷺ میں ڈوب کر اپنے افکار عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے شعر کی زبان استعمال کی۔

علامہ اقبالؒ نے ان دونوں فلسفیوں کی پُرزور تردید کی اور فرمایا کہ انسان اگر مسلمان ہو اور پکا مسلمان ہو تو وہ خواہشات کا غلام نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند اور خواہشات کو ختم کر دینے والا اللہ کا فرمانبردار بندہ ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ نے نطشے کو بھی جواب دیا کہ انسان کی بہترین طاقت اس کی نیکیاں اور بھلائیاں ہیں۔ سپرمین وہ نہیں جو ہتھیار سے لیس ہو کر کمزوروں کو فنا کے گھاٹ اتارتا چلا جائے اور سب کو فنا کر دے بلکہ سپرمین وہ ہے جو دنیا میں نیکیاں پھیلائے۔ کمزوروں کی دستگیری کرے اور امن پھیلاتا چلا جائے اور ایسے لوگ وہی ہو سکتے ہیں جو دنیا میں سب سے بڑھ کر نیکیاں پھیلانے والے، امن پھیلانے والے، نیکیوں کی تعلیم دینے والے، اللہ تعالیٰ کے پیارے اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے غلام ہیں اور ان کے بعد اس ذاتِ گرامی قدر کے پیروکار صحیح ترین اولیائے کرام ہیں۔

لفظ ''شاہین'' کے درست معنی متعین کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری تھا اس لیے مختصراً عرض کر دیا گیا۔ اب آیئے اس طرف کہ علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری میں اپنے افکار منتقل کرنے کے لیے کیسے کیسے رموز واشارات وتلمیحات کا استعمال روا رکھا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کے رموز واشارات وتعلیمات مشرقی اور اسلامی تھے۔ کسی بھی عظیم شاعر جبکہ وہ مفکر بھی ہو اور مدبر بھی، کی شاعری سمجھنے کے لیے اس کی تلمیحات ورموز وکنایات کا جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ اگر ان رموز وکنایات کو نہیں سمجھتے تو ان کا کلام سمجھنا آسان نہیں۔

Marfat.com

مثلاً غالب کا یہ شعر

غمِ گیتی سے مرا سینہ عمرو کی زنبیل — دُرِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی

اس میں غالب نے دو تلمیحات استعمال کی ہیں اور ان دونوں کو جانے بغیر غالب کا شعر سمجھا نہیں جا سکتا۔

علامہ اقبالؒ نے بعض نام صاف لیے ہیں، جیسے مُلّا، (نام نہاد) مجاہد، صوفی وغیرہ وغیرہ اور بعض کو کنایوں اور تلمیحات میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح علامہؒ نے اپنا فلسفۂ خودی پیش کیا تو ادبستان برصغیر کے نغمہ سرا تمام ادیب، دانشور، علماء، مصنفین چیخ پڑے اور بڑی زبردست تنقید کی، لیکن اس لفظ کے اصل معانی کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔

ہمارے نزدیک یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا کہ ''خودی'' کے ہزار معانی لیے جائیں۔ صرف ایک معنی ہی کافی تھا، وہ تھا کہ خودی کے معنی ہیں ہوش مندی اور ہوش و دانائی، کیونکہ اردو شاعری میں لفظ خودی کی ضد بے خودی ملتا ہے۔

غالب کا ایک شعر ہے:

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہاں لفظ بے خودی، خودی کی ضد کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہؒ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانانِ عالم ہوش میں آئیں۔ اس لیے ''اسرارِ خودی'' کو تحریر فرمایا اور پھر ''رموزِ بے خودی'' تحریر فرما کر بات صاف اور واضح کر دی۔ اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ نے لفظ شاہین کی تلمیح کس کے لیے استعمال کی ہے۔

علامہؒ کو اسلامی فلسفے، اسلامی تاریخ سے گہری دلچسپی تھی۔ عالم اسلام کی وہ معزز، مقتدر، اولوالعزم اور باہمت ہستیاں ان کے لیے مثال تھیں۔ وہ صوفیائے کرام کے سرخیل بایزیدؒ و جنیدؒ کو سلام کرتے ہیں۔ وہ پیر رومی کو اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں اور عبدالرحمٰن الداخل کو عزم و ہمت کا پیکر سمجھتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں یہ ایسی شخصیت ہو گزری ہے جس نے اقبالؒ کو متاثر کیا۔ اس لیے اقبالؒ نے اس کی عربی نظم کا آزاد ترجمہ بھی کیا۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

میری آنکھوں کا نُور ہے تُو   میرے دل کا سُرور ہے تُو

(ب ج: ۳۹۴)

یہی عظیم اسلامی شخصیت اقبالؒ کے نزدیک شاہین ہے۔

عبدالرحمٰن الداخل کی شانِ جلالی کو انہوں نے اپنے تصور میں شاہین کہہ کر اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔ اب دیکھئے تاریخ اسلام میں صرف یہی ایک جلیل القدر بادشاہ گزرا ہے جس نے اپنے عزم و ہمت اور اولوالعزمی سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ شاہین ہے۔

یوں تو اسلامی تاریخ بڑے بڑے عظیم الشان کارناموں کو سرانجام دینے والوں سے بھری پڑی ہے لیکن بعض کے نام رہتی دنیا تک ثبت ہیں۔ ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

کے مصداق سچ بغیر کسی مبالغے کے ثبت ہیں۔

عبدالرحمٰن الداخل کو عربوں نے ہی صقر (شاہین) کے خطاب سے نوازا تھا۔

عبدالرحمٰن الداخل کے شاہین ہونے کے ثبوت کے طور پر یہ واقعہ بھی اختصاراً دیکھ لیجئے۔ خاندان بنو عباس میں عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور، عبدالرحمٰن الداخل کا سب سے بڑا حریف اور سب سے بڑا مداح تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے حاشیہ نشینوں سے پوچھا بتاؤ صقر (شاہین) قریش کون ہے؟ انہوں نے کہا وہ تو امیرالمومنین ہی ہیں، جنہوں نے بادشاہوں کو زیر کیا، خلفشار دور کیا، دشمنوں کا خاتمہ کیا اور مفاسد کا قلع قمع کیا۔ منصور نے کہا، ''یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔'' انہوں نے کہا، ''تو پھر معاویہ۔'' اس نے کہا، ''وہ بھی نہیں۔'' انہوں نے کہا، ''پھر عبدالملک بن مروان۔'' اس نے کہا، ''وہ بھی نہیں۔'' تو انہوں نے کہا، ''امیرالمومنین آپ ہی بتائیں وہ کون ہو سکتا ہے۔'' ابو جعفر منصور نے کہا، ''صقر (شاہین) قریش تو عبدالرحمٰن بن معاویہ ہے، جس نے سمندر پار کیا، بیابان طے کیے اور تن تنہا ایک عجمی ملک میں داخل ہو کر شہر آباد کیے۔ عبدالرحمٰن تن تنہا تھا۔ اس کی تائید میں صرف اس کی رائے تھی اور اس کا ساتھ دینے والا صرف اس کا عزم تھا۔ اس نے اس عزم و ہمت کے بل بوتے پر اندلس میں مضبوط بنیادوں پر خلافت قائم کی۔ سرحدیں فتح کیں، بے دینوں کو قتل کیا اور بڑے بڑے باغیوں کو زیر کیا۔'' اس پر تمام حاضرین مجلس بول اٹھے، ''واللہ! امیرالمومنین نے بالکل سچ کہا۔'' صقر (شاہین) اشارہ ہے ان تمام صفات کی طرف جو

Marfat.com

بدالرحمٰن الداخل کی سیرت اور اس کے کارناموں میں جلوہ گر ہیں ان کو سامنے رکھیے تو علوم ہوگا کہ اقبالؒ کے شاہین کا اس صقرِ قریش سے کتنا قریبی تعلق ہے۔ کم از کم صقر کی اصل حیثیت کا سراغ تو اس سے ملتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اندلس کی تاریخ و آثار اقبالؒ کے لیے خاص طور پر مصور الہام تھے اور اندلس کی تاریخ میں عبدالرحمٰن صقرِ قریش ہی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ نٹشے اور شوپنہائر کے فلسفے کی مکمل تردید کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے اسلامی سپر مین پیش کیا اور ثابت کیا کہ اسلامی سپر مین نیکی کا پُتلا، باہمت، باعزم، اللہ تعالیٰ کا ذکر وفکر کرنے والا، دنیا میں امن پھیلانے والا ہوتا ہے۔ جس کا ثبوت انہوں نے جنیدؒ و بایزیدؒ اور پیرِ رومیؒ کی تلمیحات اپنی شاعری میں استعمال کر کے دیا۔ افسوس صد افسوس کہ اب مسلمانوں میں کوئی شاہین نہیں ہے۔ ہر طرف خواہشاتِ نفسانی کے غلام کرگس رہ گئے ہیں، جن کا مقصد صرف اور صرف مردار کھانا رہ گیا ہے۔

نام نہاد مُلّا اور جھوٹے پیروں کی ہر طرف سجے کار ہے ایسے وقت میں سچے پیر کا ہونا کس قدر ضروری ہے، یہ بات عام مسلمانوں کو جان لینی چاہیے۔ اگر پیر کا دستِ شفقت و تعلیم ہوگا تو مرید کی دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی۔ کہتے ہیں، اور سچ کہتے ہیں جس کا پیر نہیں اس کا شیطان پیر ہے۔ اس لیے کوشش کریں کہ پیر کی رہنمائی میں شاہین بن جائیں، کرگس نہیں۔

ہمارے اس مضمون کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے علامہؒ کے وہ تمام اشعار جن میں انہوں نے شاہین کی اصطلاح یا تلمیح استعمال کی ہے، اس کتاب میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ لفظ شاہین اور شہباز ہم معنی لفظ ہیں اور اسے علامہؒ نے تقریباً ۴۰ بار استعمال کیا ہے۔ کرگسی کا استعمال بہت کم کیا ہے۔ علامہؒ نے مختلف مضامین کے اعتبار سے جہاں جہاں شاہین کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں آپ اس پرندے کی خوبیوں اور اچھی عادات کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے تمام اشعار کی حسب ضرورت تشریح کر دی گئی ہے اور ایسے مضامین کو کئی ابواب میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ شاہین کے خصائل کی درجہ بندی ہو سکے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۳

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

(کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور)

شاہین اور کرگس (گدھ) ایک ساتھ ہی فضا میں پرواز کرتے ہیں مگر دونوں کی پرواز میں بہت فرق ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے شاہین کی پرواز کے نقطۂ نظر کو اپنے کلام میں متعدد بار ظاہر فرمایا ہے، جس کا ذکر اس کتاب کے مختلف حصوں میں ہو چکا ہے۔ یہاں پر صرف اس بات کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ شاہین کی پرواز کسی لالچ، ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ بلند نظری، بلند فکری، بلند پروازی اور فضائے نیلگوں کی وسعتوں اور ردائے صبح و شام کے مختلف نظاروں کی آب و تاب دیکھنے کے لیے گویا آسمانِ نو فلک بہ تحقیق کی غرض سے پرواز کرتا ہے۔ شاہین کی یہ صفات جن کا ذکر کیا گیا ہے محض افسانوی شان کے معنوں میں بیان نہیں کیے گئے بلکہ شاہین کی زندگی اور عادات ان الفاظ کی حقیقتوں کی طرف واضح گواہی دیتی ہیں۔

پرندوں کی دُنیا کا درویش ہوں میں

شاہین کے اپنائے گئے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ علامہ نے اسے پرندوں

Marfat.com

کی دنیا کا درویش کہا ہے کیونکہ وہ کبھی آشیانہ نہیں بناتا، جیسا کہ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں شاہین خود یہ بات کہتا ہے ؎

پرندوں کی دُنیا کا درویش ہوں میں کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ
(ب ج: ۴۵۷)

دیکھنے میں آیا ہے کہ تمام پرندے کسی نہ کسی شکل میں اپنا گھونسلہ ضرور بناتے ہیں۔مگر یہ عجیب بات ہے کہ شاہین کو ایسے آشیانے کی ضرورت نہیں، حتیٰ کہ اسے کسی قسم کی معمولی سی رہائش گاہ کی طلب یا حسرت بھی نہیں جس سے سر چھپانے کے لیے گھونسلہ بنانا مقصود ہو۔شاہین آشیاں بندی کو غیر ضروری بلکہ کارِ ذلت سمجھتا ہے۔اب اگر ہم مذکورہ بالا دونوں شعروں کا انسان کی بڑھتی ہوئی خواہشات سے مقابلہ کرتے ہوئے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ انسان اگرچہ اپنے لیے ایک سادہ سا مکان بنانے کا پابند ہے مگر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کتنے ہی انسان تمام اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اور ایسے عالی شان مکانات بناتے ہیں جن کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔کیا شاہین کی سادگی کو دیکھ کر دنیا کی اشرف المخلوقات انسان کو شرم محسوس نہیں ہوتی کہ وہ اپنے اعمال کا شاہین کی زندگی سے موازنہ کرے؟ قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کے بعد اپنے مردہ بھائی کو زمین میں دفن کرنے کا سبق ایک کوے سے سیکھا۔(دیکھیں سورۃ المائدہ آیت ۳۱) کیا مسلمانوں کو شاہین کی سی سادہ زندگی اپنانے کا خیال نہیں آتا؟ انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے سامنے شاہین کے اشد زریں اصول اور سادگی اپنانے کی ضرورت کو محسوس کیا اور متعدد مقامات پر شاہین کے بلند و بالا اصولِ حیات کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کو اس سے سبق سیکھنے کا عندیہ دیا ہے۔ ع

شکارِ زندہ کی لذت سے آشنائی

علامہ اقبالؒ بال جبریل میں فرماتے ہیں کہ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کوئی پرندہ شکار زندہ کی تلاش میں رہتا ہو جبکہ شاہین مردہ شکار نہیں کھاتا۔ البتہ کرگس ہمیشہ مردار خوراک پر ہی گزر اوقات کرتا ہے۔ایک مرتبہ کرگس شاہین کے ساتھ فضا میں پرواز کر رہا تھا، کرگس شاہین کو دورانِ پرواز یہ کہتا ہے کہ تم آسمانوں کی سیر کرتے ہو تو کرو مجھے تو بھوک

Marfat.com

تنگ کر رہی ہے اور میں نیچے زمین پر ایک مردار بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر گرگس تو ہوا سے غوطہ لگا کر زمین پر اتر آیا اور مردار کھانے لگا۔

یا حیرتِ فارابی یا تاب وتبِ رومی یا فکرِ حکیمانہ یا جذبِ کلیمانہ
(ب ج:۳۵۹)

مقامِ ذکر کمالاتِ رومیؔ و عطارؔ مقامِ فکر مقالاتِ بو علی سینا
مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکان مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ
(ض ک:۴۸۵)

شاہین فقیرانہ خصوصیات کا حامل ہے

علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں شاہین کو بہت اہمیت دی ہے کیونکہ اس پرندے میں ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دوسروں میں دیکھنے کو نہیں ملتیں۔ ''بال جبریل'' میں 'شاہین' کے نام سے ایک نظم لکھی گئی ہے جس میں شاہین کو ایک مردِ مومن کی صفات کا حامل ظاہر کیا گیا ہے۔ علامہؒ نے پروفیسر ظفر احمد صدیقی کو اُن کے خط کے جواب میں لکھا ہے کہ شاہین محض ایک شاعرانہ تشبیہ نہیں بلکہ اس میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو اہل فقر کا خاصہ ہیں۔ یہ پرندہ اپنی خودداری، غیرت مندی، خلوت نشینی اور بلند پروازی کے لیے مشہور ہے۔ اس کا اندازِ پرواز باقی پرندوں سے اس لیے جداگانہ ہے کہ اس کی پرواز میں لالچ اور ذاتی اغراض، مقاصد کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

اس کی بلند پروازی میں بلندئ نظر اور بلندئ فکر کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ یہ فضائے نیلگوں کی وسعتوں میں پرواز کرنے کا شائق ہے اور ردائے صبح وشام کے حسین نظاروں کی آب وتاب سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ آسمانِ نو فلک پر جب یہ پرواز کرتا ہے تو خصوصی جستجو کے ساتھ تحقیقانہ نظر سے روئے زمین کے بعض حصوں کا معائنہ کرتا ہے اور اپنی پرواز میں اپنے آپ کو سخت خطرات سے دوچار کرتا ہے۔ اپنی بلند پروازی میں شاہین کو خطرۂ افتاد (تھک کر گرنے) کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ علامہؒ نے فرمایا:

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا

Marfat.com

اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے وہ شاہین کی خصوصیات کا تذکرہ ہے۔ بہتر ہو گا کہ شاہین میں موجود چیدہ چیدہ خصلتوں کا ذکر اس ابتدائی حصے میں بیان کر دیا جائے۔

کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی

اگر بنظر غائر شاہین کی تمام خصلتوں اور عادات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ درویشوں میں جو خصائص موجود ہیں ان میں سے اکثر اس پرندے میں بھی موجود ہیں۔ شاہین کی دوسری خوبیوں کا بیان جو الگ عنوانات سے کیا جا رہا ہے ان کے علاوہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ شاہین کو جہاں بھی موقع ملے اپنی شب باشی کا ٹھکانہ ڈھونڈ لیتا ہے اور جو جگہ بھی میسر آئے وہاں گزارہ کر لیتا ہے۔ علامہؒ نے فرمایا ہے:

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر تُو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

(ب ج: ۴۱۲)

کچھ بزرگ ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص مقام پر رات بسر نہیں کرتے بلکہ جہاں رات آ جائے بسر کر لیتے ہیں۔ ایک بزرگ ابراہیم بن شیبانؒ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس برس تک کبھی چھت کے نیچے رات نہیں گزاری اور نہ ہی ایسی جگہ رات گزاری جہاں پر تالہ لگا ہو۔ ایک بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مجھے پیٹ بھر کر مسور کی دال مل جائے مگر کئی بار خواہش کرنے کے باوجود ایسا نہ ہوا۔ ایک بار جب میں ملکِ شام میں تھا تو کوئی میرے پاس ایک بڑا پیالہ جس میں مسور کی دال تھی، لایا۔ میں نے پیٹ بھر کر پیا اور باہر نکل گیا۔ جب میں بازار میں آیا تو دیکھا کہ ایک دُکان پر بوتلیں لٹکی ہوئی تھیں، میں نے ان کو سرکہ کی بوتلیں سمجھا۔ کسی نے مجھے کہا کہ تو کیا دیکھ رہا ہے، یہ شراب کے نمونے ہیں اور ان مٹکوں میں بھی شراب بھری ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ اب تو مجھ پر ایک فرض عائد ہو گیا ہے۔ میں دُکان میں گیا اور تمام مٹکوں کو انڈیل دیا۔ دکان دار یہ سمجھا کہ میں سلطان کے حکم سے مٹکے انڈیل رہا ہوں مگر جب اسے حقیقت کا علم ہوا تو وہ مجھ کو ابن طولون کے پاس لے گیا جس نے مجھے دو سو بید لگائے اور قید بھی کر دیا۔ ایک مدت تک میں قید میں رہا۔ یہاں تک کہ میرے استاد ابو عبداللہ مغربیؒ اس شہر میں

Marfat.com

آئے اور میری سفارش کی۔ جب اُن کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمانے لگے، ''کیا کِیا تھا؟'' میں نے عرض کیا، ''پیٹ بھر کر دال کھائی اور دو سو بید کھائے۔'' ابوعبداللہ مغربیؒ نے جواب دیا ''سستے چھوٹے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے ساری زندگی اپنے لیے کوئی گھر نہیں بنایا۔ آپ کے حواری عرض کرتے تھے کہ آپ ہمیں حکم دیں تو جیسا اور جہاں چاہیں آپ کا گھر بنا دیں گے۔ ایک دن آپ بڑی آبشار کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ جس جگہ آبشار کا پانی گرتا ہے یہاں میرا گھر بنا دو اگر بنا سکتے ہو۔ آپ کے حواریوں نے عرض کیا کہ اس جگہ گھر کیسے بن سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا ایسی جگہ ہے جہاں گھر بنانا ایسے ہی مشکل ہے جیسے آبشار کے نیچے مکان بنانا مشکل ہے۔ بہت سے صحابہ کرامؓ اور دیگر بزرگوں نے بھی اپنے لیے رہائش گاہیں تعمیر نہیں کیں۔ علامہؒ نے فرمایا:

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ
(ب ج: ۴۵۷)

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی
(ب ج: ۳۰۶)

کچھ پرندے ایسے بھی ہیں جو تمام زندگی قفس میں گزار دیتے ہیں اور اپنے رزق کے لیے دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں۔ لیکن شاہین بیابانوں کی تنہائی میں زندگی گزار لیتا ہے مگر کسی چیز میں اپنی محتاجی کا اظہار نہیں کرتا اور نہ ہی دستِ سوال دراز کرتا ہے۔

رزق میں پرہیز

رزق میں اگر پرہیز ہو تو اس کے باعث کھانے والے کے افکار، کردار اور معاملات میں واضح امتیاز نمودار ہوتا ہے۔ اگر لقمہ رزق حلال ہو تو اس کے کھانے والوں کے اشغال میں پاکیزگی، انصاف اور روحانی معیار کے مطابق ایک انوکھی شان نظر آتی ہے۔ احادیث میں رزقِ حلال پر بہت زور دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر رزقِ حلال میسر نہ ہو تو

Marfat.com

عبادات متفرقہ بے معنی ثابت ہوتی ہیں۔ اعمالِ عبادت کو اگر دس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو صرف ایک حصہ عبادت نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ پر مشتمل ہے اور باقی نو حصص عبادات رزقِ حلال کے کھانے پر موقوف ہیں، یعنی عبادات کے دس حصوں میں سے نو کا ثواب رزقِ حلال کمانے سے ہی مل جاتا ہے۔ اس سے رزقِ حلال کی اہمیت معلوم ہوسکتی ہے۔

''تربیتِ عشاق'' میں منقول ہے کہ ایک شخص حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا کہ اگرچہ تیس سال سے عبادت و ریاضتِ شاقہ میں مشغول ہوں مگر اشغالِ روحانی جو آپ کی زندگی میں نظر آتے ہیں مجھے نصیب نہیں ہوتے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ (مجدد علیہ الرحمۃ) بذریعہ مکاشفہ یہ معلوم فرمائیں کہ میرے روحانی امور میں کون سی بات خائل ہو رہی ہے۔ آپ نے مراقبہ کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ آپ کے رزق میں احتیاط نہیں ہے، جائیں اور معلوم کریں کہ آپ کے رزق میں کہیں حرام رزق تو شامل نہیں۔ وہ شخص گھر واپس گیا تو بسیار چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ وہ لکڑیاں جن سے کھانا پکتا ہے حرام جگہ سے آتی ہیں۔ چنانچہ اس نے اُن لکڑیوں کا آنا بند کر دیا جس سے روحانی اشغال درست ہونے لگے۔ اکتسابِ رزقِ حلال کی اور بہت سی احادیث اور مختلف روایات دیکھنے میں آتی ہیں۔ راقم الحروف کی ایک تصنیف ''تہذیبِ نفس'' میں بھوک کا ایک باب شامل کیا گیا ہے جس میں اس حقیقت کو آشکار کیا گیا ہے کہ غلط جگہ سے پانی پینے، کھانا کھانے، حرام لباس پہننے اور غلط نظری سے قرآن کی تلاوت، تہجد اور دیگر عبادات سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ ان روایات سے اکلِ حلال کی اہمیت کا علم ہوتا ہے۔ سورۃ روم آیت ۴۱ میں ہے کہ ''انسانوں کی کمائی (بُرے اعمال) سے خشکیوں اور سمندروں میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔'' جانور اور پرندوں پر بھی اس ماحول کا اثر رُونما ہوتا ہے۔

پرندوں میں سے خاص طور پر کرگس کو مردار کھانے کی عادت ہوتی ہے، مگر شاہین کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ہمیشہ شکارِ زندہ کی تلاش میں رہتا ہے اور اگرچہ بھوکا مر جائے اس سے بھی مردار خوری کی حرکت سرزد نہیں ہوتی۔

شریعتِ اسلامیہ کا اصول یہ ہے کہ اگر کھانا نہ ملے تو جان بچانے کے لیے حرام کھایا جا سکتا ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ کھانا ہی تین دن بھوکا رہنے کے بعد کھاتے ہیں تا کہ اگر اس رزق میں حرام کی آمیزش آ جائے تو وہ کھانا ان کے لیے

Marfat.com

حلال کھانے کی حیثیت رکھتا ہے۔شاہیں کبھی مردار پر منہ نہیں مارتا۔

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں
(ب ج: ۳۳۰)

کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
(ب ج: ۴۵۷)

شاہین اور کرگس کی پرواز کی جداگانہ راہیں

کسی مقام پر شاہین اور کرگس باہم پرواز کر رہے تھے تو شاہین نے فضائے نیلگوں کی وسعت اور بلند پروازی، بلند فکری اور بلند نظری کا تذکرہ کیا مگر کرگس اپنے نظریۂ ضرورت کے لیے سوچ رہا تھا۔ بلندی اور بلند پروازی سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا۔ کرگس یہ سمجھتا تھا کہ زندگی میں زندہ رہنے کا عمل ضروریاتِ زندگی میں سے ہے۔ اس نے کہا کہ محض بلند پروازی کرتے ہوئے پیٹ خالی رہ جاتا ہے۔ پیٹ بھرنے کا بندوبست تو ہمیں خود کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ میں شہ رگ کے قریب ہوں۔ اور یہ نہیں کہا کہ میں پیٹ کے قریب ہوں۔ (علامہ اقبالؒ نے ایسے لوگوں کا حال یوں بیان فرمایا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا شہ رگ کے قریب ہے مگر پیٹ کے قریب نہیں ہے۔)

بہ ما نزدیک تر از شہ رگِ ماست ولیکن از شکم نزدیک تر نیست
(ا ح: ۸۹۹)
(اللہ تعالیٰ ہماری شہ رگ سے نزدیک تر ہے لیکن ہمارے پیٹ سے نزدیک تر نہیں)

یہ الفاظ کہہ کر کہ پیٹ کی آگ کو بجھانا آسمانوں کی پرواز سے بہتر ہے اور نظریۂ ضرورت کو اولیت دیتے ہوئے وہ نیچے زمین پر ایک گدھے کی نعش کو دیکھ کر زمین پر آ گیا اور پیٹ پوجا میں مصروف ہو گیا۔ کرگس کو اگر آپ شاہین کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے دیکھیں تب بھی وہ ہم پرواز تو ہو سکتے ہیں لیکن ہم مشرب نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کی راہیں جدا جدا ہیں۔ شاہیں کا مقصد لامکاں، لامحدود، دل کا شہنشاہ اور آزاد فضاؤں کا راہی ہونا

Marfat.com

ہے جبکہ کرگس کا مقصد مکان تک محدود، اس کا رزق مردار، موت سے وابستہ ہے اور سیاہ اصولوں کا پابند ہے۔

علامہ اقبالؒ کے افکار پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جو فرق شاہین اور کرگس میں ہے ایسے ہی انسانوں کی فطرت میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔ ملک کے کسی شعبے کو دیکھ لیں، مثلاً فوج، سرکاری دفاتر، تاجر، حکمران، انجینئر، ڈاکٹر اور طبیب، ان تمام شعبوں میں ایمان دار، نام ور اور نیک لوگ گزرے ہیں، اور دھوکہ باز لوگ بھی ملیں گے۔ فوج میں ایسے سپہ سالاروں کے نام ابھی تک زندہ ہیں جنہوں نے جانثاری سے کام لیا اور ان کے نام ہر کس و ناکس کے سامنے رہتے ہیں۔ خالد بن ولیدؓ، محمد بن قاسمؒ اور صلاح الدین ایوبی وغیرہ سب شاہین صفت جرنیل تھے۔ مشائخ میں بھی بہت نیک اور بلند پایہ بزرگوں کے نام ابھی تک زندہ ہیں، جبکہ جعلی پیروں کی بھی بڑی تعداد ملتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے جو فرمایا ہے کہ ''زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن'' اس سے یہی مراد ہے کہ نیک پیروں کے ساتھ ساتھ روپیہ پیسہ کمانے کے لیے بڑے بڑے جعلی پیر بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ اگر آپ ان جعلی پیروں کو دیکھیں تو ان پر کبھی جعلی ہونے کا گمان تک نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو اہل تصوف سے نفرت سی ہوگئی ہے اور لوگ اس نفرت آمیز رویے کو اپنانے میں حق بجانب ہیں، کیونکہ مروّجہ پیروں میں بہت بڑی جماعت نااہل ہیں اور وہ دین کے چور ہیں۔ ان نااہل لوگوں کو کرگسوں کا ٹولہ ہی سمجھ لیں۔

علمائے دین میں سے بھی بہت کم لوگ ہیں کہ جن کو علمائے حق کہا جا سکتا ہے۔ وظیفہ خور علماء دین نہ تو عالم ہیں اور نہ دین کو سمجھنے والے ہیں۔ علماء کی ایک اکثریت حکمرانوں اور مال دار لوگوں کی قصیدہ خوانی میں مصروف رہتی ہے۔ ان کو قوموں کی امامت سے کیا کام؟ جیسے علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے؟ اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام
(ض۔ک ۴۸۷)

قوموں کی امامت اگر دو رکعت کے امام نہیں کر سکتے تو ہمارے اکثر پڑھے لکھے سیاستدان کب یہ استطاعت رکھتے ہیں کہ قوم کی رہنمائی کر سکیں۔ عالمِ دین کا پہلا فریضہ یہ

Marfat.com

ہے کہ وہ پاکستان کے لوگوں کو دین کی راہوں پر چلائیں۔ مگر شاید ہی کوئی عالم (جو لیڈر بھی ہے) ایسا ہو کہ اسے اپنی سیاست کی پارٹی بازیوں سے فرصت ملے اور لوگوں کو تبلیغ کے ذریعے نمازی اور سچا مسلمان بنائیں۔ ان کی 99 فیصد سرگرمیاں پارٹی کی برتری کے لیے صَرف ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ پاکستان کی اس وقت اولین ضرورت یہ ہے کہ اس کے 85 فیصد بے نماز لوگ نمازی بنائے جائیں اور پھر ان کی کردار سازی کی جائے۔ مگر افسوس ہے ہماری مذہبی سیاسی جماعتیں اس ضرورت سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور نتیجتاً پاکستان کی سیاست تقریباً تمام ملکوں سے ابتر ہو چکی ہے۔

اگر ہم کسی بھی شعبۂ حیات پر نظر کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر جگہ پر کرگسوں کا بسیرا ہے۔ چند روز پہلے ایک واقعہ سن کر افسوس ہوا کہ ایک شخص پاکستان کی سنٹرل جیل میں قیدی ہے اور وہ قید میں بیٹھے ہوئے کاروں کی چوریاں کرواتا ہے اور کار کے مالک کو ٹیلی فون کرتا ہے کہ اگر آپ کو اپنی کار کی ضرورت ہے تو ستر ہزار روپے مجھے جیل میں بھیج دیئے جائیں تو بتا دوں گا کہ آپ کی کار کہاں کھڑی ہے، وہاں سے جا کر لے لیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب متعلقہ محکمے اس سے رشوت لیتے ہیں اور اسے کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ کار کا نمبر اور انجن نمبر اس کو جیل میں بیٹھے ہوئے معلوم ہیں۔ گھروں میں ڈاکے پڑتے ہیں اور دن دہاڑے لوگ قتل ہوتے ہیں۔ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ ایسے لوگ جانوروں (یعنی کرگسوں) سے بھی بدتر ہیں۔

ممولے (جھانپو) کو باز سے لڑنے کی توفیق

اس سے پہلے بھی ایک مقام پر ہم نے ''ساقی نامہ'' کے لکھنے کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔ اس نظم میں شاہین سے مراد مسلمان ہے اور ساقی سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ اے خدا اس راز سے مجھے آگاہ کر دے اگرچہ یہ راز بہت پیچیدہ ہے اور میرے لیے اس کی تفہیم آسان نہیں۔ یہ بات ایسے ہی ہے جیسے کوئی ممولہ (چھوٹا سا وفادار جانور جس کو جھانپو کہتے ہیں) شہباز سے لڑنا چاہے، لیکن اگر تیرا کرم ہو تو میں اس مشکل کام کو بھی کر لوں گا اور اس راز کو جان لوں گا۔ وہ راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات اور تخلیق انسان کو ہم پر آشکار کر دے یعنی وہ راز ''جس سے کھلتا ہے رازِ ازل''۔ یہ راز فرشتوں پر بھی

Marfat.com

نہ کھلا اور انسان کو بھی نہ دیا گیا۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ اس راز کو کھولنے کے لیے میں ازل سے لگا ہوا ہوں جس کے متعلق فرمایا ہے کہ "میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں"۔

وہ مے جس میں ہے سوز وسازِ ازل | وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل
اٹھا ساقیا پردہ اُس راز سے | لڑا دے ممولے کو شہباز سے
(ب ج: ۴۱۵)

شاہین کا اُصول ہے جفاکشی اور مشکل طلبی

مسلمانوں سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ جفاکشی اور مشکل طلبی کے متمنی رہیں۔ اس موضوع پر ایک اچھا خاصا مضمون ہماری تصنیف "حسنِ نماز" میں 'اسلام کا فلسفۂ سخت کوشی اور خطر پسندی' کے عنوان سے صفحہ ۲۴۶ پر شامل کیا گیا ہے۔ شائقین حضرات اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ مشکل کشی اور جفا طلبی پر علامہ اقبالؒ کا کچھ کلام نیچے دیا جا رہا ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر علامہؒ کا بہت سا کلام ملتا ہے مگر یہاں اختصار سے کام لیا جا رہا ہے۔

حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز | سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی
(ب د: ۲۲۳)

ملے گا منزلِ مقصود کا اسی کو سراغ | اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
(ض ک: ۵۴۷)

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں | نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر | تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں
(ب ج: ۴۱۲)

چیتے کا جگر چاہیے شاہیں کا تجسس | جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانش و فرہنگ
(ب ج: ۵۸۶)

مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبول وہ آگ | کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بے باک
(ض ک: ۵۷۶)

Marfat.com

کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شاہین کو زاہدانہ زندگی کا حامل کیسے کہا جا سکتا ہے جبکہ وہ جانوروں کا خون بہاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں لکھا کہ دُنیا کی ہر چیز یا تو آکل (کھانے والی) ہے یا ماکول (کھائے جانے والی) ہے۔ آپ نے بہت سی مثالیں پیش کی ہیں جن میں سے ایک مثال یہ ہے کہ سبزہ یا گھاس جو کھیتوں میں پیدا ہوتا ہے، اسے گائے، بیل یا بکری کھا جاتی ہے اور پھر ان جانوروں کو انسان بھی کھا لیتا ہے اور وہ اس کے جسم کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس بات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کم درجے کی چیز جب انسان کے جسم کا حصہ بن جاتی ہے تو یہ اس کی معراج ہے اور معراج خوش قسمت کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اس جانور کو تو یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ایک عابد اور زاہد انسان کے جسم کا حصہ بن گیا۔

راقم الحروف کو اپنی زندگی کے اوائل میں یہ احساس ہوتا تھا کہ قربانی کے جانوروں کو کس قدر محبت سے پالا جاتا ہے اور پھر ان کے گلے پر چھری رکھ دی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ حرکت اللہ کے نام سے ہی ہوتی ہے مگر دل میں رحم کا جذبہ ضرور موجزن رہتا تھا۔ جوں جوں علم دین حاصل کرتے گئے توں توں یہ مسئلہ حل ہوتا گیا کہ جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرنا تو ایسے ہی ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر اللہ کے نام پر چھری رکھ دی تھی۔ اس چھری کے چلانے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا درجہ دیا (کیونکہ تکمیل درجات قربانی کے بعد ہی ہوئی) اور اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ کا لقب عطا ہوا۔ یہ درجات کی بلندی اسی چھری چلانے کے عمل سے وجود میں آئی۔ عام بکرے جو ذبح کیے جاتے ہیں، ان کا اجر ذبح کرنے والوں اور ذبح ہونے والوں کو بھی ضرور ملتا ہے۔ ذبح کرنے والے کی نیت درست ہو۔ اسی طرح اگر ڈاکٹر کسی مریض کا آپریشن کرتا ہے تو اس کے جسم پر نشتر چلایا جاتا ہے۔ جس کا مقصد بیماری کا ازالہ کرنا ہوتا ہے۔ شکار کرنے کے عمل کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے تو شاہین (جو پرندوں کی دنیا کا درویش ہے) کا کسی پرندے کا شکار کرنا ظلم نہیں کہلا سکتا۔

Marfat.com

باب ۴

مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

علامہ اقبالؒ ''بال جبریل'' میں ''حال و مقام'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انسان کا حال اس کے مقام کے ساتھ بہت زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ آپ نے ''زبورِ عجم'' میں لکھا ہے کہ جبریل امینؑ کا بلند نام ان کے بلند مقام کی وجہ سے ہے۔

باَوجِ مشتِ غبارے کجا رسد جبریل بلند نامیٔ اُو از بلندیٔ بام است
(ز ع: ۴۵۸)

(جبریل امین اس مشت غبار کی عظمت کو کہاں پا سکتے ہیں۔ ان کی بلند نامی تو بلندیٔ بام کے سبب ہے)

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ہر ایک کا حال اس کے مقام کے مطابق رکھا اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کیلئے مقام متعین ہے۔ (الصّٰفّٰت: ۱۶۴)
حال اور مقام کی حقیقی تفصیل میں غور کیا جائے تو یہ مضمون بہت طوالت اختیار کر لے گا۔ بہتر ہے کہ علامہ اقبالؒ نے حال و مقام کے متعلق جو دو مثالیں دی ہیں، اس مضمون

Marfat.com

میں محض ان کی کچھ تشریح کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا:

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگراں اور!
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور، مکاں اور!
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور!
پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور!
(ب ج: ۴۴۸)

حال و مقام کی اس نظم میں علامہ اقبالؒ کا فرمان ہے کہ انسان کے درجات اور مقام کی بلندی اس کے دل کی بیداری پر منحصر ہے۔ اگر دل بیدار ہے تو انسان کا زاویہ نگاہ (Angel of Approach) قطعاً بدل جاتا ہے اور اگر نگاہ بدل گئی تو جہان ہی بدل جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے دلوں کو ہی بیدار کیا۔ اسی لیے آپؒ نے اس بات کا ذکر کیا ہے، ''دلِ بیدارِ فاروقی، دلِ بیدارِ کرّاری'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''مَسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک، نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری'' یعنی کوئی کسی کی مدد نہیں کرسکتا جب تک کہ دلِ بیدار پیدا نہ ہو جائے۔ یہی حقیقت احادیث میں بھی وارد ہوئی ہے کہ ''جب تک انسان اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے تو اس کا دل زندہ رہتا ہے۔ ورنہ دوسری حالت میں شیطان اپنی چونچ اس کے دل میں رکھ دیتا ہے اور بندے کو طرح طرح کے وسوسوں میں گرفتار کر لیتا ہے۔'' (مسند ابی یعلی الموصلی، رقم الحدیث: ۴۲۸۵) دل کی حالت پر بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جن کو راقم الحروف نے اپنی تصنیف ''حضورِ قلب'' میں بیان کیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا (یعنی دل) ہے اور جب اس کی اصلاح ہو جائے تو پورا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور جب یہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ غالباً اسی حدیث کی ترجمانی علامہ اقبالؒ نے مذکور بالا اشعار میں کی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر ایک بیدار دل انسان بُت کی پوجا میں مصروف ہے تو وہ اس مسلمان سے بہتر ہے کہ جو حرم میں ہوتے ہوئے خوابیدہ ہے۔ حضور

Marfat.com

ﷺ نے ایک بار حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ "اے بلالؓ اگر یہ (یمن والے) مجھ سے محبت کرتے ہیں تو مجھ سے دُور رہ کر بھی میرے قریب ہیں اور اگر یہ مکہ میں رہنے والے مجھ سے محبت نہیں کرتے تو یہ قریب رہ کر بھی مجھ سے بہت دُور ہیں۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کے دلوں کو بیدار فرمایا تو وہ ہر وقت اسلام کے نام پر اپنی جان نثار کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ اس بات میں بھی یہی حقیقت کارفرما ہے کہ آپ نے مسلمانوں کے زاویۂ نگاہ کو بدل ڈالا اور جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے وہ ایک دوسرے پر جان نثار کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے بھی یہی عمل کیا اور اپنے چچا کے قاتل کو معاف فرما دیا۔ غرضیکہ ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں تو انسانوں کی کائنات ہی بدل دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی فرمایا ہے کہ "اسی (اللہ) نے اُلفت پیدا کر دی اُن کے دِلوں میں اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو نہ اُلفت پیدا کر سکتے اُن کے دِلوں میں۔" (الانفال: ۶۳)

راہِ تصوف وہ ہے کہ، جس سے لاکھوں صوفیائے کرام منسلک ہیں، جنہوں نے رہتی دنیا تک ایسے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، اور جن پر عمل پیرا ہو کر ہر لحظہ سالکانِ راہِ طریقت کے زمان و مکان بدلتے رہتے ہیں۔ جب انہوں نے اپنا رہن سہن، لین دین اور راہِ سلوک کے راستوں کو استوار کیا تو ان کے مقامات حیرت انگیز طریقے سے بدلنے لگے۔ مشائخ عظام کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو یہ بات فوراً کھل کے نظر آ جائے گی کہ وہ کہاں سے کہاں تک ایک مختصر عرصے میں پہنچ گئے اور آنے والی نسلوں کے لیے روحانیت کے بلند مینار تعمیر کر دیئے۔ ہمارے اسلاف نے بڑی جانفشانی اور محنت سے مجاہدات کیے، اور اپنے انمٹ نشانات چھوڑے جو ہمیں آج بھی ملتے ہیں، مگر آج کا مسلمان اپنی ذاتی اغراض کے تحت سیاسی زندگی میں اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ وہ ذرا سی بات پر خون بہانے کو تیار ہو جاتا ہے لیکن پسینہ بہانے کے لیے تیار نہیں۔ طریقت میں اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لیے محنت اور مجاہدات کی ضرورت رہتی ہے۔

علامہ اقبالؒ اذاں سے کیا مراد لیتے ہیں؟

اذاں کے لفظی معنی پکار کر بلانا ہے۔ اس شعر میں علامہؒ کا مطلب یہ ہے کہ جب مُلّا لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلاتا ہے تو اس کی آواز میں وہ اثر نہیں ہوتا جو لوگوں کو متاثر

Marfat.com

کر سکے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک مردِ مسلمان کی اذاں زندگی کی تاریک راتوں کے لیے ایک صبح صادق کا پیغامبر ہے اور اس کی آواز عالم کے اس سکوت کو توڑتی ہے جو اپنے اندر رات کی سی خوفناک خاموشی اور موت کے سے بھیانک سکوت کا سامان رکھتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسی اذاں تھکی ہاری نیند کی ماری دُنیا کو ایک نشاط اور زندگی بخشتی ہے۔ اسی اذاں نے آج سے چودہ سو سال پہلے فاران کی چوٹیوں سے بلند ہو کر پوری کائنات کو گہری نیند سے بیدار کیا۔ آج بھی دنیا کو ایسی ہی اذاں کی ضرورت ہے مگر اس اذاں کے لیے اس مردِ مومن کی ضرورت ہے جس کے اندر روحِ بلالی کا جذبہ موجود ہو۔

دُنیا کی عشا ہو جس سے اشراق مومن کی اذاں ندائے آفاق
(ض ک: ۴۸۰)

آپؒ نے خود مولانا رومیؒ اور اپنی دعوتِ اسلام کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

شرارے جستۂ گیر از درونم کہ من مانندِ رومیؒ گرم خونم
(میرے اندر سے اٹھتے ہوئے شرارے کو لے لے کہ میں رومیؒ کی طرح گرم خون ہوں)
(ز ع: ۵٦٧)

چو رومی در حرم دادم اذاں من از و آموختم اسرارِ جاں من
(رومیؒ کی طرح میں حرم مین اذان دیتا ہوں، میں نے اس سے اسرارِ جان سیکھے ہیں)
بہ دَور فتنۂ عصر کہن، اُو بہ دَور فتنۂ عصرِ رواں، من
(پرانے زمانے کے فتنے سے (وہ بچاتے ہیں) اس دور کے فتنے سے (میں بچاتا ہوں)
(ا ح: ۹۳۸)

مذکورہ بالا اشعار میں علامہؒ نے مولانا رومیؒ کی دعوتِ اسلام کا طریقہ بتایا اور اپنا بھی طریقہ بیان کیا ہے۔ ذیل کے اشعار میں حضرت حکیم سنائی سے اپنا موازنہ کیا ہے۔ یہ طریقۂ تبلیغ ان کی اذان کی حیثیت رکھتا ہے مگر مُلّا کی اذاں اس نہج سے بہت ہٹ کر ہے۔ اس لیے آپ نے فرمایا "مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور"۔

آں حکیمِ غیب، آں صاحبِ مقام ترک جوشِ رومی از ذکرش تمام

Marfat.com

(وہ حکیم غیب، وہ صاحبِ مقام جس کے افکار نے رومیؔ کے نیم پختہ جذبہ کی تکمیل کی)

من ز پیدا، اُو ز پنہاں، دَر سُرور ہر دو را سرمایہ از ذوقِ حضور

(میں ظاہر کی بات کرتا ہوں اور وہ پنہاں کی، ہم دونوں کا سرمایہ ذوقِ حضوری ہے)

اُو نقاب از چہرۂ ایماں کشود فکرِ من تقدیرِ مومن وا نمود

(اس نے ایمان کے چہرے سے نقاب اٹھایا، میری فکر نے مسلمان کے مستقبل کی تقدیر سے پردہ اٹھایا)

ہر دو را از حکمتِ قرآں سبق اُو زحق گوید من از مردانِ حق

(پ چ: ۸۶۲)

(ہم دونوں نے قرآن پاک کی حکمت سے فائدہ اٹھایا، وہ اللہ تعالیٰ کی بات کرتا تھا، میں اللہ کے ولیوں کی)

سحر ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

''ضربِ کلیم'' کے ایک شعر میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ وہ لرزہ جس سے تمام کائنات اور خود انسان کا وجود کانپ جاتا ہے وہ بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ اذاں جو دل کی گہرائیوں اور بیداریٔ قلب سے ادا کی جاتی ہے اس کا تعلق اس جہاں سے نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ عام انسانوں کے شب و روز سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لیے سراپا عمل، جستجو، تحقیقانہ کاوشوں اور حضورِ قلب کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ نے اس کے متعلق مزاحیہ انداز میں فرمایا ہے کہ اس سے وجود کا ظاہری طور پر لرز جانا مراد نہیں بلکہ دل کے اثرات کے ساتھ لرزنا ہوتا ہے۔ مُلّا کے لیے فرمایا:

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں لرز جاتا ہے آوازِ اذاں سے

(ب د: ۹۹)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ اس لرزہ کا طاری ہونا اس جہاں سے تعلق نہیں رکھتا۔ ایسے لوگ جو لرزہ براندام ہوتے ہیں ان کے شب و روز آسمان کی گردش سے پیدا نہیں ہوتے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ تم اپنی نماز کے قیام کا وقت خود تلاش کرو۔ نمازِ عشق و مستی کی کوئی اذاں نہیں ہوتی۔ ''ارمغانِ حجاز'' میں آپؒ نے فرمایا کہ جس طرح دوسری اسلامی علامات روحانی

Marfat.com

درجہ رکھتی ہیں، اذاں کو بھی آپؒ نے اسی طرح روحانی کام شمار کیا ہے۔

دلِ بیگانہ خوزیں خاکداں نیست شب وروزش زدَورِ آسماں نیست
(دلِ بے نیاز کا تعلق اس دنیا سے نہیں، اس کے شب وروز آسمان کی گردش سے پیدا نہیں ہوتے)
تو خود وقتِ قیامِ خویش دریاب نمازِ عشق ومستی را اذاں نیست
(تو اپنی نماز کے قیام کا وقت دریافت کر، نمازِ عشق ومستی کی کوئی اذاں نہیں ہوتی)
(ا ح:۱۰۲۵)

اذاں کا درج ذیل دو ابیات کے ساتھ موازنہ کریں جو اس زمانے میں کہے گئے ہیں۔

چہ پُرسی از نمازِ عاشقانہ رکوعش چوں سجودش محرمانہ
(ز ع:۵۵۶)
(عاشقوں کی نماز کا کیا پوچھتے ہو، اس کی نماز کا رکوع بھی اس کے سجدے کی طرح مقام قرب ہے)

تب وتاب یکے اللہ اکبر نہ گنجد در نمازِ پنجگانہ!
(اس کی ایک تکبیر اللہ اکبر، پانچوں نمازوں سے بڑھ کر ہے)
(ا ح:۱۰۲۷)

مُلاّ کے معیارِ اذاں میں خامی

تقریباً دو ادوار کے علماء، شعراء اور مصنفین نے مُلاّ کے متعلق ایک ہی نظریہ پیش کیا ہے کہ ان کی دینی خدمات میں، جس پر وہ مامور ہیں، کافی خامیاں نظر آتی ہیں۔ پچھلے دور میں لوگوں نے ان سے متعلق جو نظریات قائم کیے تھے، آج بھی ان کے متعلق ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ انگریز کے دور میں ان لوگوں کو عمداً زیادہ ہی نچلی سطح پر لے جایا گیا اور ان کی اس کوشش میں اسلام سے نفرت پھیلانے کا نظریہ بھی شامل تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ بلند پایۂ مشائخ اور علماء حق پر انگریز کی گرفت اس قدر سخت نہ ہو سکی جتنی کہ مُلاّؤں کے گروہ پر دیکھنے میں آئی۔ ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' میں ایک مضمون مُلاّ کے نام پر بھی لکھا گیا ہے، جس میں مُلاّ کی مشہور خامیوں کی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ اس تحریر میں

Marfat.com

مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ گروہ مالی حالت میں پیچھے رہنے کی وجہ سے اس قدر باعزت نہ سمجھا جانے لگا جتنا کہ عام ملازم پیشہ لوگوں کو سمجھا جاتا تھا۔ معاشی تنگی کی وجہ سے ان پر آوازے کسے جانے لگے جو ان کی بے قدری کا باعث بنا۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو لوگ کسی اچھے مقام پر نہ پہنچ سکے انہوں نے مُلاّ کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اس گروہ کا منصب ایسا تھا کہ ان کو ایک پیشہ ور مذہبی راہنما کا درجہ دیا جاتا تھا جس میں وہ معیار پر پورے نہ اتر سکے۔ کچھ حقائق بھی ایسے سامنے آتے رہے جن میں مُلاّ کا مخلصانہ اسلامی خدمات انجام دینا متوقع معیار سے بہت کم ہونا پایا گیا اور اس کے علاوہ اس گروہ کے لوگوں میں کسی حد تک لالچ کی آمیزش محسوس کی جاتی رہی۔ یہ کمزوریاں ان کو نیک نامی کے معیار تک پہنچانے کے لیے رکاوٹ رہیں۔

سب سے بڑی بات جو مُلاّ کی بدنامی کا باعث بنی وہ ان کے تعلیمی معیار کی کمزوری ہے۔ جن لوگوں نے بلند پایہ درس گاہوں اور یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کی ان کا مقام معاشرے میں کم علم والے مُلاّؤں سے یقیناً اعلیٰ و ارفع رہا ہے اور ان کے ناموں میں مُلاّئیت کا دخل کم پایا جاتا ہے۔ دوسری طرف ایسے مُلاّ بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو کسی درس گاہ سے تعلیم حاصل نہیں کرتے بلکہ آج بھی بہت سے ایسے کورے اَن پڑھ مُلاّ جن کے پاس دینی تو کیا عام تعلیم بھی صحیح نہیں ہے۔ ایسے مُلاّ لوگوں کی روٹیوں پر پلتے ہیں اور نہایت قلیل تنخواہ پر بھی راضی ہو جاتے ہیں۔ ایسے نچلے درجے کے مُلاّؤں کی تعداد بہت اچھی خاصی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی خامیوں کے باعث لوگوں میں اپنی عزت اور وقار کھو چکے ہیں۔

علامہ اقبالؒ اور دیگر علمائے اسلام نے مذکور بالا نچلے طبقے کے مُلاّؤں کے خلاف ان کی خامیوں کا اظہار کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے تو آج کے رسمی صوفیوں کو بھی اس گروہ کے ساتھ شامل کیا ہے۔ آپ کا ایسا کلام اس جگہ پیش نہیں کیا جا سکتا البتہ چند اشعار قارئین کی نظروں میں سموئے جا رہے ہیں جس سے علامہؒ کے نظریات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مُلاّ کی کارکردگی پر علامہؒ کی فکر

آپؒ فرماتے ہیں کہ مُلاّ دینِ اسلام کو اس قدر تنگ نظری سے دیکھتا ہے کہ ہر

Marfat.com

ایک پر کفر اور فسق کے فتوے لگاتا ہے۔قوم کی ضروریات پر اس کی نظر نہیں البتہ اپنی بات پر ڈٹا رہتا ہے۔ ذرا ذرا سی باتوں پر قرآن کے معنوں کو بدل کر پیچ کھاتا ہے اور اس کی باتوں پر اللہ جل جلالہٗ رسول اکرم ﷺ اور جبریلؑ کو میں نے خشمگیں دیکھا ہے۔ حکمت دین سے بے خبر مُلاّ کا جہاں امید کے ستاروں کے نہ ہونے سے تاریک ہے۔ ان کی باتوں سے ملت فرد فرد ہوگئی ہے کیونکہ یہ کم نظر، کور ذوق اور فضول گو واقع ہوا ہے۔ ان کے مکتب میں قرآن کے فہم کا درس نہیں دیا جاتا۔ سب سے بڑی بات جو آخری شعر میں آپ نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ کافر کا دین تو تفکر، تدبر اور جہاد کی تدبیر کرنا ہے، مگر مُلاّ کا دین تو خدا کے واسطے خواہ مخواہ فساد پیدا کرنا ہے۔ ایک اور مقام پر علامہؒ نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مُلاّ کو بہشت میں جانے کا حکم دیا تو میں بھی وہیں پر موجود تھا اور ضبط سخن نہ کر سکا۔ آپ نے عرض کی کہ اگر اس مُلاّ کو جنت میں جانے کا حکم دے دیا تو یہ وہاں کی فضا بھی خراب کرے گا، کیونکہ اس کی عادت ہی فساد پیدا کرنا ہے۔

دینِ حق از کافری رُسواتر است   زانکہ مُلاّ مومنِ کافر گر است

(دین حق کافری سے بھی رسوا تر ہے کیونکہ ہمارا مُلاّ کافر گر مومن ہے)

شبنمِ ما در نگاہِ ما یم است   از نگاہِ اُو یمِ ما شبنم است

(ہماری نگاہ میں ہماری شبنم سمندر ہے اور اس کی نگاہ میں ہمارا سمندر شبنم ہے)

از شگرفیہائے آں قرآں فروش   دیدہ ام روح الامیں را در خروش

(اس قرآن فروش کی طرفہ باتوں سے میں نے جبریل امین کو خشمگیں پایا ہے)

بے نصیب از حکمتِ دینِ نبی   آسمانش تیرہ از بے کوکبی

(وہ دینِ نبی کی حکمت سے محروم ہے، اس کا آسمان ستاروں کے نہ ہونے کی وجہ سے تاریک ہے)

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد   ملت از قال و اقولش فرد فرد

(وہ کم نگاہ کور ذوق اور فضول گو ہے، اس کی باتوں سے ملت ٹکڑے ہوگئی ہے)

مکتب و مُلاّ و اسرارِ کتاب   کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب

(مکتب، مُلاّ اور قرآن پاک کے اسرار و رموز کی مثال یوں ہے، جیسے مادر زاد اندھا اور سورج کی روشنی)

دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد دینِ مُلاّ فی سبیل اللہ فساد
(کافر کا دین جہاد کی فکر وتدبیر ہے اور مُلاّ کا دین فی سبیل اللہ فساد ہے)
(ج ن: ٦٦٤)

نیچے دیئے گئے اشعار کا مطلب بالکل واضح ہے، البتہ تیسرے اور چوتھے اشعار میں مُلاّ کو حکمِ بہشت ملنے کے متعلق لکھا کہ مُلاّ اگر بہشت میں چلا گیا تو وہ لڑائی جھگڑے کا مقام نہیں ہے اور نہ ہی وہاں کوئی مندر وکلیسا یا مسجد ہوگی جس میں اس مُلاّ کو فساد کرنے کا موقع مل سکے۔

مجھ کو تو سکھا دی ہے، افرنگ نے زندیقی اس دور کے مُلاّ ہیں کیوں ننگِ مسلمانی
(ب ج: ۳۱۱)
میں جانتا ہوں انجام اس کا جس معرکے میں مُلاّ ہوں غازی
(ب ج: ۳۶۳)
نہیں فردوس مقامِ جدل و قال و اقول بحث وتکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بد آموزئ اقوام وملل کام اس کا اور جنت میں نہ مسجد، نہ کلیسا، نہ کنشت
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن مُلاّ کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
(ب ج: ۳۱۱، ۳۶۳، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۴۸)

مُلاّ کے دل میں قوم کا غم نہیں

مذکورہ بالا باب سے اگلے باب میں ''دلِ مُلاّ گرفتارِ غمے نیست'' کے عنوان سے ایک باب شامل کر دیا گیا ہے اور درج ذیل اشعار کے معنی بھی وہاں بیان کر دیے گئے ہیں۔ مضمون کی یکجائیت کے اعتبار سے یہ اشعار یہاں بھی شامل کر دیے گئے ہیں:

دلِ مُلاّ گرفتارِ غمے نیست نگاہے ہست در چشمش نمے نیست
ازاں بگریختم از مکتبِ اُو کہ در ریگِ حجازش زمزمے نیست

Marfat.com

گرفتم حضرتِ مُلّا ترش رُوست
نگاہش مغز را نشناسد از پوست
اگر بااین مسلمانی کہ دارم
مرا از کعبہ می راند حق اوست
زمن بر صوفی و مُلّا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
ولے تاویلِ شان در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را
(ا ح: ۹۳۰، ۹۵۴، ۹۵۶)

صوفی و مُلّا

نیچے وہ اشعار درج کیے گئے ہیں جو صوفی اور مُلّا دونوں کو شامل کرتے ہیں۔ چونکہ یہ اشعار سیدھے سادے اور اردو میں ہیں، اس لیے تشریح کے محتاج نہیں۔

مُلّا کی نظر نورِ فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے میخانۂ صوفی کی مئے ناب!
بیدار ہوں دل جس کی فغانِ سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب!
(ا ح: ٦٧٧)

حلقۂ صوفی میں ذکرِ بے نم و بے سوز و ساز
میں بھی رہا تشنہ کام، تُو بھی رہا تشنہ کام
رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی!
کرے گی داورِ محشر کو شرمسار اِک روز
کتاب صوفی و مُلّا کی سادہ اوراقی
تھا جہاں مدرسۂ شیری و شاہنشاہی
آج ان خانقہوں میں ہے فقط رُوباہی!
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
محبت میں یکتا، حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا
(بالِ جبریل: ۳۵۴، ۳۵۷، ۳٦۷، ۴۱٦)

مُلّائیت کے برعکس قلندرانہ ادائیں

علامہ اقبالؒ کا جوش و خروش سے لبریز جذبۂ قلندرانہ ان کے کلام میں اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔ نیچے دیئے گئے اشعار نہایت واضح ہیں اور ان کی تشریح کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے، شاعری کیا ہے!
(ب ج: ۳۴۰)

Marfat.com

سبب کچھ اور ہے تُو جس کو خود سمجھتا ہے　　زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں!
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا　　قلندری سے ہوا ہے، تونگری سے نہیں
(ض ک: ۴۸۲)

بیا بمجلسِ اقبال و یک دو ساغر کش　　اگرچہ سر نہ تراشد، قلندری داند
(ر پ چ: ۳۴۶)
(اقبال کی مجلس میں آؤ اور ایک دو ساغر پیو اگرچہ سر نہیں تراشتا، قلندری تو جانتا ہے)

قلندر جز دو حرفِ لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا　　فقیہہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا
ہزار خوف ہو، لیکن زباں ہو دل کی رفیق　　یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے　　جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے!
(ب ج: ۳۲۴،۳۲۶،۳۶۰)
مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر!　　ایّام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر!
(ض ک: ۵۰۳)

قلندراں کہ بہ تسخیرِ آب و گل کوشند　　زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
(قلندر کہ جو دنیا کی تسخیر کے لیے کوشاں رہتے ہیں بظاہر خرقہ پہنتے ہیں لیکن بادشاہوں سے خراج وصول کرتے ہیں)
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و ماہ پیچند　　بخلوت اندو زماں و مکاں در آغوشند
(جب وہ جلوت میں ہوں تو مہر و ماہ پر کمند ڈالتے ہیں، جب وہ خلوت میں ہوں تو زمان و مکان ان کی آغوش میں ہوتے ہیں)
بروز بزم سراپا چو پرنیان و حریر　　بروزِ رزم خود آگاہ و تن فراموشند
(اپنی مجلس میں وہ ریشم اور کمخواب کی طرح نرم ہوتے ہیں مگر جنگ میں اپنے بدن سے بے پروا اور جہاد میں مست ہوتے ہیں) (ز ع: ۵۱۳)
نظامِ تازہ بچرخ دو رنگ می بخشند　　ستارہ ہائے کہن را جنازہ بر دوشند
(وہ بوڑھے آسمان کو نیا نظام عطا کرتے ہیں اور اس کے پرانے ستاروں کا جنازہ نکال دیتے ہیں) (ز ع: ۵۱۳)

Marfat.com

دبدبۂ قلندری، طنطنۂ سکندری آں ہمہ جذبۂ کلیم، ایں ہمہ سحرِ سامری
(دبدبۂ قلندری جذبۂ کلیم ہے، طنطنۂ سامری محض سحرِ سامری ہے)
آں بہ نگاہ می کشد، ایں بہ سپاہ می کشد آں ہمہ صلح و آشتی، ایں ہمہ جنگ وداوری
(قلندر نگاہ سے فتح کرتا ہے، بادشاہ کشت وخون کرتا ہے۔ قلندری صلح و آشتی سے اور بادشاہت کشت وخون سے) (ج ن:٦١٦)

علامہ اقبالؒ صوفی کو مخاطب کر کے چند اشعار ''ضرب کلیم'' میں ارشاد فرماتے ہیں جوحسب ذیل ہیں:

تری نگاہ میں ہے معجزات کی دُنیا مری نگاہ میں ہے حادثات کی دُنیا
تخیلات کی دُنیا غریب ہے لیکن غریب تر ہے حیات وممات کی دُنیا!
عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری بُلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا!
(ض۔ک ۴۹۵)

تصوف اور دینِ مُلاّ

اگر چہ صوفی اور مُلاّ کے الفاظ ہم معنی نہیں لیکن علامہ اقبالؒ نے صوفی کو بھی مُلاّ کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے۔ اس لیے کہ وہ صوفی جو رسمی تصوف کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، مُلاّ کے زمرہ میں شامل ہیں۔ تصوف اپنے صحیح رنگ میں جنیدؒ، بایزیدؒ، معین الدین چشتیؒ اور نظام الدین چشتیؒ وغیرہم جیسی ہستیوں کی زندگیوں میں تھا اور ایسا تصوف بناوٹی صوفی اور مُلاّ کے گروہ سے خارج ہے۔ علامہ اقبالؒ کے تصوف کے متعلق لکھنے والوں کے چند اقتباسات نیچے دیئے جا رہے ہیں۔ لکھنے والوں میں تصوف کے بارے میں اختلاف رہا ہے۔ شاید وہ اس لیے کہ تصوف پر جو حقائق حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کی نظروں سے گزرے، ان حضرات کی آنکھوں سے پوشیدہ رہے۔

اسلام کو دینِ فطرت کے طور پر محسوس کرنے کا نام تصوف ہے اور ایک اخلاص مند مسلمان کا فرض یہ ہے کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے، اس کیفیت کو میں نے لفظ ''آزادی'' سے تعبیر کیا ہے۔ (انوارِ اقبال)

Marfat.com

کئی صدیوں سے علماء اور صوفیاء میں طاقت کے لیے جنگ رہی جس میں آخرکار صوفیاء غالب آئے، یہاں تک کہ اب برائے نام علماء جو باقی ہیں وہ بھی جب تک کسی نہ کسی خانوادے میں بیعت نہ کر لیتے ہوں، ہر دلعزیز نہیں ہو سکتے۔ یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے، مجدد الف ثانیؒ، عالمگیر اور بہت سے علماء نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی مگر صوفیوں کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ (اقبال نامہ: دوم ۴۸)

راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائرِ اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو، عین اسلام جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مترادف سمجھتا ہے۔ (انوار اقبال: ۲۶۸)

راقم الحروف نے ''اسلام اور روحانیت'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جو لوگ خلوصِ دل سے عبادت، ریاضت اور مجاہدات میں اللہ کی طرف راستہ تلاش کرتے ہیں وہ یقیناً واصل باللہ اور صاحب کرامت بزرگ بن سکتے ہیں۔ اس کتاب میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیاں تصوف کا نمونہ تھیں اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔ اس راہ پر چلنے والے بے شمار اولیائے کرام ہو گزرے ہیں جو نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرام کی زندگیوں کے نمونہ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا اور آج اولیائے کرام نے حضور ﷺ کا روحانی ساتھ پایا ہے۔ (عبداللطیف خان نقشبندی)

صوفیانہ مشاہدات کی دنیا ایسی ہی حقیقی اور معتبر ہے جیسے ہمارے مشاہدات کا کوئی اور عالم (خطبات ۴۴)

اگر دنیا کے الہامی اور صوفیانہ ادب کا مطالعہ کیا جائے تو اس امر کی کافی شہادت مل جائے گی کہ تاریخ عالم میں مذہبی مشاہدات کو بے حد غلبہ اور پائداری حاصل رہی ہے۔ (خطبات ۸۴)

تصوف

علامہ اقبالؒ نے اولیائے برحق کی پہچان درج ذیل اشعار میں بیان کر دی ہے۔ جس سے معلوم ہو گا کہ علامہ اقبالؒ تصوف کے حقائق سے اچھی طرح آگاہ تھے اور جانتے

Marfat.com

تھے کہ اولیائے کرام جس تصوف پر کاربند تھے وہ طریقہ رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ تھا۔

یہ حکمتِ ملکوتی، یہ علمِ لاہوتی — حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبے، یہ سُرور — تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار — شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل — دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری — فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
(ض ک:۴۹۶)

نوا پیرا ہوا اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے — کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
(ب د:۲۶۹)

فلسفی اور مُلّا

کشادگیٔ دل ایک دینی ضرورت ہے۔ دل اگر کشادہ ہو تو ترقی کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ فلسفہ میں انہیں خامی کی بُو آتی ہے اور ان کے دلائل ناتمام ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام جو اپنے اشعار میں رموز و اسرار کی باتیں کہہ جاتے ہیں وہ الہامی درجہ رکھنے کی وجہ سے کئی سربستہ رازوں کو کھول دیتی ہیں اور فلسفی بات کو اور بھی زیادہ الجھا دیتے ہیں۔

بلند بال تھا، لیکن نہ تھا جسور و غیور — حکیم سرِّ محبت سے بے نصیب رہا
پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار — شکارِ زندہ کی لذّت سے بے نصیب رہا
(ب ج:۴۵۶)

مرا از منطق آید بوئے خامی — دلیلِ او دلیلِ ناتمامی
(مجھے فلسفہ سے خامی کی بو آتی ہے کیونکہ اس کی دلیل نامکمل ہوتی ہے)
برویم بستہ درہا را کشاید — دو بیت از پیرِ رومی یا ز جامی
(میرے لیے کئی بند دروازوں کو کھول دیتے ہین مولانا رومیؒ اور جامیؒ کے دو بیت) (ا ح:۱۰۱۴)

علامہ اقبالؒ نے صوفی، مُلّا اور فلسفی کے خلاف قلم اٹھایا ہے۔ مگر ان کا مقصد محض

Marfat.com

تنقید نہیں بلکہ وہ ان کی اصلاح چاہتے ہیں اور مُلّا و فلسفی کی نظروں سے فساد کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ان کا علاج قلندرانہ فکر سے کرنا چاہا ہے۔ یہ بات بھی ضروری ہے کہ حضرت موسیٰ کی طرح مُلّا کے ہاتھ میں قوتِ افکار اور قوتِ تحقیق کا عصا نہ ہو گا تو اس کو دینی میدان میں کامیابی نصیب نہیں ہو سکے گی۔

نہ فلسفی سے نہ مُلّا سے ہے غرض مجھ کو | یہ دل کی موت! وہ اندیشہ و نظر کا فساد!
فقیہِ شہر کی تحقیر! کیا مجال میری | مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد!
کیے ہیں فاش رموزِ قلندری میں نے | کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد!
رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم | عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد!

(ب ج: ۳۶۲)

علامہ اقبالؒ نے ''ضرب کلیم'' میں 'مُلّائے حرم' کے نام سے جو چند اشعار لکھے ہیں کہ مُلّا کو انسان کے مقام کی خبر نہیں ہے تو اس کی نظر کی رسائی خدا تک کیسے ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی نماز میں جلال یا جمال کا رنگ پایا جاتا ہے چہ جائے کہ اس کی اذاں میں علامہؒ کی سحر کا پیام پایا جاتا ہو۔

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو | تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی جلال ہے، نہ جمال | تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

(ض ک: ۴۸۶)

محراب گل افغان کے افکار ''ضرب کلیم'' میں لکھے گئے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ کوے اور چمگادڑیں شاہین کے مقام کو کیا جانیں کہ شاہین کا کیا مقام ہے۔ اس کی نظر دمِ پرواز بھی بہت تیز ہوتی ہے۔ تیتر کی پرواز بھی شاہینی شان و شوکت کی حامل ہوتی ہے جس سے صیاد بھی اسے تیتر ہی سمجھ بیٹھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ شکاری لوگ شاہین جیسے صحیح الحال پرندوں کو پہچان نہیں پاتے۔ اسی طرح بہت سے لوگ صوفی کو بغیر کرامت اور مُلّا کو بغیر علم کے مانتے ہیں، اکثر لوگ ان سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

Marfat.com

ان کو کیا معلوم اس طائر کے احوال و مقام روح ہے جس کی دمِ پرواز سرتاپا نظر
(ض ک: ۱۳۲)

درّاج کی پرواز میں ہے شوکتِ شاہیں حیرت میں ہے صیاد یہ شاہیں ہے کہ درّاج
رِندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات ہر چند کہ مشہور نہیں ان کے کرامات
نصیبِ خطہّ ہو یارب وہ بندۂ درویش کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلیمانہ
(ا ح: ۶۷۹، ۶۸۳)

تمام حکماء کا شاہین کو یہ سبق ہے کہ آسماں پر اُڑو

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ہے لیکن مفتیٔ اعظم نے یہ کہا تھا کہ فطرت ازلی ہے یعنی مقدر لکھا جا چکا ہے۔ اور یہ ان کا عجیب کافرانہ انداز ہے کہ وہ زمانے کے ساتھ چلتے ہیں اور اپنا ساتھ نہیں دیتے۔ آج کل حرم کے مدرسوں میں جنید بغدادیؒ کے دل والا کوئی شخص ہے اور نہ نگاہِ غزالیؒ و رازیؒ لوگوں کو میسر ہے۔ ہمیشہ سے مشائخ اور علماء عظام نے باز کے نر کو یہی حکم دیا ہے کہ آسمان پر اُڑو اور زمین پر نہ اُڑو کیونکہ شاہین کے واسطے یہی شایانِ شان ہے۔ جو لوگ شاہین کو مولے کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ممولہ (دھاری دار چڑیا) کے دین میں شاہبازی کا کام تو حرام ہے۔ مسلمان کو شاہین کی طرح پرواز کرنا چاہیے گو بعض پست ہمت مُلاّ اور صوفی مقام کی پستی پر راضی ہو جاتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے ''بال جبریل'' میں فرمایا ہے کہ اے مسلمان! تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا ؎

تُو شاہین ہے، پرواز ہے کام تیرا ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
(ب ج: ۳۵۳)

چہ کافرانہ قمارِ حیات می سازی کہ با زمانہ بسازی بخود نمی سازی
(یہ کیا کافرانہ جوا سازی ہے کہ زمانے کے ساتھ بناتے ہو اور اپنے ساتھ نہیں دیتے)
دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم دلِ جنیدؒ و نگاہِ غزالیؒ و رازیؒ
(مدرسۂ حرم میں آج کل کوئی دوسرا شخص جنید کے دل والا اور غزالی و رازی والا نہیں ملتا)

Marfat.com

بحکم مفتیٔ اعظم کہ فطرت ازلیست بدین صعوہ حرام است کارِ شہبازی

(مفتی اعظم کا حکم ہے فطرتِ ازلی ہے، مَمولے کے دین میں شاہبازی حرام ہے)

ہماں فقیہِ ازل گفت جرّہ شاہیں را بآسماں گردی با زمیں نہ پروازی

(شروع سے ہی فقیہوں نے شاہینِ نر کو سبق دیا ہے کہ آسمان پر اڑو اور زمین پر پرواز نہ کرو)

(اح، اردو:۸۶، ۶۸۵)

کہ موافقِ تدرواں نہیں دینِ شاہبازی

علامہؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اپنی مرضی اور خواہش پر دین کی بنیادیں رکھی ہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ یہ بھی 'مُلّائے کافر گر' کا کارنامہ ہے۔ آپ نے مشورہ دیا ہے کہ دینِ الٰہی شاہبازی کا دین ہے اور یہ دین چڑیوں کے دین کے مطابق نہیں۔ بہتر ہے کہ یہ لوگ اپنی من گھڑت شریعت کو بدل دیں۔ فرماتے ہیں:

تو میری نظر میں کافر میں تیری نظر میں کافر ترا دیں نفس شماری، مرا دیں نفس گدازی

(ض ک:۵۳۵)

تو بدل گیا تو بہتر کہ بدل گئی شریعت کہ موافقِ تدرواں نہیں دینِ شاہبازی

(ض ک:۵۳۶)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ کوؤں اور چیلوں کے پروں کو شکاری قید و بند کے لائق نہیں سمجھتے کیونکہ ان میں کوئی خوبی نہیں ہوتی البتہ یہ تو باز اور شاہین کا اعزاز ہے کہ اس کے پروں کو لوگ اپنی ٹوپیوں میں سجا دیتے ہیں۔ دین مُلّا زیبائش، آرائش اور سکون کے لائق کب ہے۔ اس سے سوائے لڑائی جھگڑے کے اور کچھ نہ ملے گا۔

حافظ شیرازی نے بھی یہی بات فرمائی جسے اقبالؒ نے بھی نقل کیا ہے:

شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند

(کوے اور چیل کا پر قید و بند کے لائق نہیں، انہوں نے یہ اعزاز تو شاہین اور باز کے لیے کیا ہے) (ب د:۲۵۳)

Marfat.com

باب ۵

دلِ مُلاّ گرفتارِ غمے نیست

مُلاّ کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور' کے پس منظر میں علامہ اقبالؒ کو مُلاّ اور صوفی سے بہت سی شکایات ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ان کو ملک و ملت کا غم نہیں۔ مُلاّ کے خلاف اقبالؒ کے کئی معنی خیز اشعار موجود ہیں۔ ان اشعار میں سے کچھ نیچے دیے جا رہے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر این میری شمل نے ''شہپرِ جبریل'' میں لکھا ہے کہ'' یہ بات قابل ذکر ہے کہ سید احمد خاں نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھتے وقت ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ'' کی توضیح میں یہودیوں کی طرف اشارہ نہیں کیا بلکہ اس کے مصداق مسلمان مُلاّ بتائے ہیں۔''

''ارمغانِ حجاز'' میں فرمایا کہ مُلاّ غصے میں آ کر ترش روئی کرتا ہے اور اس کی نگاہ صحیح اور غلط میں فیصلہ نہیں کر سکتی۔ مُلاّ کسی سے ناراض ہو جائیں یا کسی کو اپنی مرضی کے مطابق نہ پائیں تو اسے کعبہ سے اور اسلام سے خارج کر دیتے ہیں:

گرفتم حضرتِ مُلاّ ترش رُوست نگاہش مغز را نشناسد از پوست

(مانا کہ مولانا صاحب بدمزاج ہیں، مانا کہ ان کی نگاہ چھلکے کے اندر مغز کو نہیں پہچانتی)

Marfat.com

اگر با ایں مسلمانی کہ دارم مرا اَز کعبہ می راند حقِ اُوست
(لیکن اگر وہ مجھ جیسے مسلمان کو کعبہ سے باہر نکال دیں تو اس میں وہ حق بجانب ہیں)
(ا ح: ۹۵۴)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ فرنگی نے کعبہ و دَیر (دونوں جگہ) سے (لوگ) شکار کر لیے ہیں۔ خانقاہوں سے صدا اٹھی کہ وہ غیر نہیں۔ جب اس کی شکایت ایک مولانا صاحب کی خدمت میں کی گئی تو انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ''الٰہی! اس کی عاقبت بخیر ہو،'' اس سے معلوم ہوا کہ ایسے واقعات اور حقائق کا مُلّا پر کوئی غم نہیں ہوتا۔

فرنگی صَید بست از کعبہ و دَیر صدا از خانقاہاں رفت لا غیر
(فرنگی نے کعبہ اور دَیر سے لوگ شکار کر لیے ہیں، خانقاہوں سے صدا اٹھی کہ وہ غیر نہیں)
حکایت پیشِ مُلّا باز گفتم دعا فرمود یارب عاقبت خیر
(مولانا صاحب کے سامنے شکایت کی تو انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے ''الٰہی! اس کی عاقبت بخیر ہو'') (ا ح: ۹۵۵)

بہت سے واقعات پر مُلّا کا ردِعمل دیکھ کر علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مُلّا کو قوم کا غم نہیں اور ان کی آنکھوں میں قومی معاملات کو دیکھ کر بھی کوئی نمی (آنسو) نمودار نہیں ہوتی۔ یہ بھی غم نہ ہونے کا ثبوت ہے۔ ایسے مُلّاؤں کے مکتب میں عشق رسول اللہ ﷺ نہیں ہوتا۔ ان کی نمازیں رسم کے سوا کچھ نہیں اور نہ ہی ان کی اذان میں کسی قومی راہنمائی کا پیام ملتا تھا۔ کفر کا یہ لوگ فتویٰ لگاتے ہیں اور قرآن کی تاویل ایسی کرتے ہیں کہ خدا، اس کا رسول ﷺ اور روح الامین بھی حیرت کرتے ہیں اس بات پر جو وہ فتوؤں میں کہہ دیتے ہیں۔

دلِ مُلّا گرفتارِ غمے نیست نگاہے ہست، در چشمش نمے نیست
(مُلّا کا دل کسی غم میں گرفتار نہیں ہے، اس کی نگاہ تو ہے مگر اس کی آنکھ میں نم نہیں)
ازاں بگریختم از مکتبِ اُو کہ دَر ریگِ حجازش زمزمے نیست
(میں اس کے مکتب سے اس لیے چلا آیا، کیونکہ اس کی ریگِ حجاز (مذہبی علوم) میں (روحانیت کا چشمہ) زمزم نہیں)

Marfat.com

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال تری اذاں میں نہیں مری سحر کا پیام
(ض ک:۴۸۶)

زمن بر صوفی و مُلّا سلامے کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
(میری طرف سے صوفی اور مُلّا کو سلام پہنچے، کیونکہ انہوں نے خدا کا پیغام ہم سے کہا ہے)
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت خدا و جبریلؑ و مصطفیٰؐ را
(لیکن ان کی تاویل نے حیرت میں ڈال دیا خدا اور جبرئیل اور مصطفیٰ ﷺ کو)
(ا ح:۹۵۶)

علامہ اقبالؒ کو شکایت ہے کہ ہمارے مُلّا معمولی باتوں پر کفر اور شرک کے فتوے لگا کر پوری قوم کو کافر اور مشرک بنا دیتے ہیں۔ ان کے مطابق اگر کوئی کسی بزرگ کے پاس دعا کروانے چلا جائے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ ان کے فتوؤں سے قوم کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے۔ حالانکہ عقائد میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا لیکن ذرا ذرا سی باتوں پر یہ مرنے مارنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مُلّا کا دیں ہی خواہ مخواہ فساد کرنا ہے جبکہ کافروں میں ایسی مار دھاڑ نہیں۔ ''جاوید نامہ'' میں 'حلیم پاشا' کی نظم میں آپ نے اس موضوع پر بہت سے اشعار لکھے ہیں۔ ان کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

اقبالؒ اسلام کے آداب و رسوم کے قائل ہی نہیں پابند بھی تھے مگر ان کی توجہ ان آداب و رسوم کی روح پر تھی۔ مگر مُلّا کو یہ بصیرت کہاں؟ اس لیے وہ مُلّا پر نئے نئے طریقے سے انتقاد (تنقید) کرتے ہیں:

دینِ حق از کافری رُسوا تر است زانکہ مُلّا مومنِ کافر گر است
(دین حق کافری سے بھی رُسوا تر ہے کیونکہ ہمارا مُلّا کافر گر مومن ہے)
بے نصیب از حکمتِ دینِ نبی آسمانش تیرہ از بے کوکبی
(وہ نبی ﷺ کے دین کی حکمت سے بے خبر ہے، اس کا آسمان ستاروں کے نہ ہونے سے تاریک ہے)

Marfat.com

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد ملت از قال و اقولش فرد فرد
(وہ کم نظر، کور ذوق اور فضول گو ہے، اس کی باتوں سے ملت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی)
دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد
(کافر کا دین جہاد کی فکر و تدبیر ہے، مُلّا کا دین فی سبیل اللہ فساد ہے)

(ج ن: ۲۶۴)

اقبالؒ کو یقین تھا کہ مُلّا انہیں کافر کہنے سے نہ چُوکیں گے۔ گا تیری کے اردو ترجمے پر ان کی تکفیر ہوئی بھی تھی۔

موحد ابراہیمؑ کی اولاد دوبارہ آزر سرشت (بت پرست) ہو رہی تھی بلکہ غیر مسلم کہیں کہیں مسلمانوں سے زیادہ پختہ کردار ثابت ہو رہے تھے۔ اقبالؒ نے برہمنوں کی بھی مثال دی ہے، جیسے:

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بت کدے میں برہمن کی پختہ زُنّاری بھی دیکھ
کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر
اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ
کیا کہا؟ بہرِ مسلماں ہے فقط وعدۂ حور
شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئین ہوا کافر تو ملے حور و قصور!

(ب د: ۱۸۲، ۲۰۱، ۲۰۲)

''شہپرِ جبریل'' میں ہے کہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ سوزِ حیات اور فعالیت سے عاری مذہب بے شک افیون ہے۔ مُلّائیت اور سکون آموز تصوف نے اسلام کو تپشِ حیات سے محروم کر دیا۔ اب دین اسلام کے حقیقی چہرے کو دیکھنے کی خاطر ضروری تھا کہ اس کے ناروا نقاب ہٹا دیئے جاتے۔ جوانی میں اقبالؒ نے ایک موقع پر اپنی یادداشتوں میں یوں لکھا تھا:

''مسلمان قوم کی تاریخ پر آپ جس قدر غور کریں گے وہ آپ کو تعجب انگیز نظر آئے گی۔ ابتدا سے سولہویں صدی کے آغاز تک کوئی ہزار سال تک یہ قوی نسل (میں نسل اس خاطر کہتا ہوں کہ اسلام نے ایک [illegible] ساز قوت کا رُوپ اختیار کیا ہے) سیاسی قوت طلبی کے ہمہ گیر شغل میں مسلسل مصروف رہی ہے۔ تاہم مسلمانوں نے علومِ قدیمہ کے دفینوں کو

Marfat.com

نمایاں اور محفوظ کیا ہے جنہیں مسلمان فقہاء اور قانون دانوں نے ہمارے لیے میراث کے طور پر چھوڑا ہے۔''

سرسید احمد کے مطابق انگریز حکومت کے ہندوستان میں رہنے کے باعث بہت سے کام ہوئے مگر مسلمانوں کی آنکھیں مغربی چمک سے چندھیا رہی تھیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس کو یوں اپنے شعر میں بیان کیا ہے:

مجھ کو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے یورپ کی غلامی پر رضا مند ہوا تو
(ض ک: ۶۱۳)

صوفی کی طریقت

علامہ اقبالؒ کے کلام میں مُلّا کے علاوہ صوفیوں (متصوفین) کو بھی ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے کیونکہ جو تصوف آج کل نظر آتا ہے یہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہ تھا۔ علامہ اقبالؒ تصوف کے خلاف نہ تھے بلکہ بھنگ، چرس اور بے کار حرکتوں میں وقت ضائع کرنے والے صوفیوں (متصوفین) کے خلاف تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی بیماریوں کا علاج نہیں کر سکتے، لہٰذا ان کا تصور حجرہ نشینی کے علاوہ نہ تھا۔ تصوف کی صحیح روح کو چلانے والے صوفیوں کی علامہ اقبالؒ نے بہت مدح فرمائی ہے۔

''شہپر جبرئیل'' میں ہے کہ مُلّا کے خلاف اوپر لکھے گئے اشعار اور بیانات لکیر کے فقیر حامیانِ مذاہب اور روشن خیال دانشوروں اور پیغمبرانہ بصیرت سے بہرہ مند شاعروں کی ازلی چپقلش کے آئینہ دار ہیں، البتہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مُلّاؤں کے خلاف اقبالؒ کا احتجاج اسلامی شاعری کی کوئی نادر بات نہیں۔ صدیوں سے شاعر ایسا کرتے رہے ہیں، مثلاً فارسی شاعری میں خواجہ حافظ نے مُلّاؤں کی بے بصیرتی اور روایت پرستی پر خوب انتقادات (تنقیدی بیان) لکھے ہیں۔ فارسی کی طرح اردو اور ترکی کے اعلیٰ ادب میں بھی یہ انتقادات ملتے ہیں۔ شعراء کی طرح بابصیرت صوفی بھی مُلّا کے ناقد رہے ہیں۔ مثلاً پنجابی میں بلھے شاہ اور سندھی میں سچل سرمست کے انتقادات قابل توجہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مُلّاؤں کی تنگ ظرفی سے مردانِ حق حوالۂ دار ہوتے رہے۔ (حسین ابن منصور حلاّج

Marfat.com

کے مصلوب ہونے کی طرف اشارہ ہے) اقبالؒ البتہ کہیں کہیں مُلاّ کے ساتھ ساتھ صوفی کو بھی ہدفِ تنقید بناتے ہیں، جیسے:

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال ۔۔۔ مُلاّ کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق ۔۔۔ افکار میں سرمست، نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ۔۔۔ ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

(ض ک:۵۰۱،۵۰۲،۵۰۳)

صوفیاء کے مختلف سلاسل اور ان کی خانقاہوں کے ذریعے ابتدا میں مسلمانوں کی قوتِ ایمان سرگرمِ عمل رہی، مگر اقبالؒ کے معاصر صوفیا کے ہاں بالعموم جوشِ عمل اور مستیٔ کردار مفقود تھے۔ اسی لیے وہ اس بداحوالی کے خلاف بار بار لکھتے رہے۔ مثلاً:

''افسوس ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں جن بزرگوں نے علم اسلام بلند کیا، ان کی اولادیں دینی جاہ و منصب کے پیچھے پڑ کر تباہ ہوگئیں اور آج ان سے زیادہ جاہل مسلمان مشکل سے ملے گا۔''

آج کے تصوف کی ایک جھلک

راقم الحروف کا تجربہ اور آج کے تصوف سے نکلنے والی صدا یہ کہتی ہے کہ آج کے اکثر پیر اور مرید کسی نہ کسی مطلب پرستی کے زیرِ اثر طریقت کو چلا رہے ہیں۔ عموماً جو لوگ مرید ہونے کے لیے آتے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ شاید لاکھوں میں ایک مرید خالصتاً للہ بیعت کرتا ہے اور یہی حال بعض نام نہاد مشائخ کا ہے۔ ان دونوں کے متعلق علامہ اقبالؒ نے بہت کلام لکھا ہے۔ (جس کا تفصیلاً ذکر کرنا اس جگہ مناسب نہیں)

مریدے فاقہ مستے گفت با شیخ ۔۔۔ کہ یزداں رازِ حالِ ما خبر نیست

(ایک فاقہ مست مرید نے شیخ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے حال کی بالکل خبر نہیں ہے)

بہ ما نزدیک تر از شہ رگِ ماست ۔۔۔ ولیکن از شکم نزدیک تر نیست

(وہ ہماری شہ رگ کے تو نزدیک تر ہے لیکن ہمارے پیٹ کے نزدیک تر نہیں)

(ا ح:۸۹۹)

Marfat.com

خدائے تعالیٰ کا شاہ رگ سے نزدیک ہونا قرآن مجید میں مذکور ہے، (سورۃ ق آیت ۱۶) البتہ اقبالؒ وحدت الوجودی فلسفے کے برے اثرات پر روشنی ڈال رہے ہیں:

پیرہا پیر از بیاضِ مُو شدند سخرہ بہر کودکان کو شدند

(اب بزرگ صرف اپنے سفید بالوں کی وجہ سے بزرگ ہیں ورنہ ان کے کام ایسے ہیں کہ گلی کے بچے بھی ان پر ہنستے ہیں)

دل ز نقشِ لا الہ بیگانۂ از صنم ہائے ہوس بتخانۂ

(دل لا الہ کے نقش سے خالی ہے اور ہوس کے بتوں کے باعث بت خانہ بنا ہوا ہے)

می شود ہر مُو درازے خرقہ پوش آہ ازیں سوداگرانِ دیں فروش

(ہر مُو دراز خرقہ پوش روحانی بزرگ بنا ہوا ہے، افسوس ہے ان دین فروش سوداگروں پر)

با مریداں روز و شب اندر سفر از ضرورتہائے ملت بے خبر

(آج کل کے پیر دن اور رات مریدوں کے ساتھ سفر میں رہتے ہیں، ملت کے حالات اور ضروریات سے بالکل بے خبر ہیں)

دیدہ ہا بے نور مثلِ نرگس اند سینہ ہا از دولتِ دل مفلس اند

(ان کی آنکھیں نرگس کی مانند بے نور ہیں ان کے سینے دولتِ دل نہ ہونے کی وجہ سے خالی ہیں) (اسرار و رموز: ۷۰)

''شہپرِ جبریل'' میں ہے کہ علامہ اقبالؒ کے خیال میں ایسے ہی شیوخ و صوفیہ نے برصغیر میں فرنگی استعمار کا زینہ ہموار کیا تھا اور یہی لوگ عالم اسلام میں مسلمانوں کے روحانی زوال کا بڑا موجب ہیں۔ جس طرح یورپ میں اصل مسیحیت کی طرف رجوع کرنے کی صدا بلند ہوئی ہے، اقبالؒ بھی اُسی طرح نام نہاد اسلامیت ترک کر کے اصل اسلام کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتے رہے ہیں، لیکن بدقسمتی سے انہیں حقیقی دینی جذبہ مسلمانوں میں نظر آیا نہ غیر مسلموں میں۔

خود را کنم سجودے دَیر و حرم نماندہ ایں در عرب نماندہ، آں در عجم نماندہ

(میں اپنے آپ کو سجدہ کرتا ہوں کیونکہ دَیر و حرم نہ رہے، یہ عرب میں نہیں وہ عجم میں نہیں)

(زبورِ عجم: ۵۳۳)

Marfat.com

مسیحی ہوں کہ مسلمان دونوں اپنے اپنے مذہب کی غلط تعبیرات کر رہے ہیں۔ حقیقی دین بہت کم نظر آ رہا ہے بلکہ کہیں کہیں غیر مسلم مسلمانوں سے زیادہ پختہ کردار ثابت ہو رہے ہیں۔

واعظِ قوم کی مشکل بیانی عوام کی جہالت کا بڑا سبب ہے

یہ حقیقت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ ہمارے مصنفین کا اندازِ بیان اس قدر مشکل ہے کہ اس سے صرف علماء ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ عوام کے پلے کوئی بات نہیں پڑتی۔ آج مشکل زبان کو کون سمجھتا ہے، لہٰذا اگر بات آسان طریقے سے کہی جائے تو معمولی پڑھا لکھا بھی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں صرف علماء کی ہی غلطی نہیں بلکہ عوام بھی برابر کے شریک ہیں کہ انہوں نے دنیا کے علوم تو کافی حد تک سیکھ لیے ہیں مگر دین کی معمولی بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ راقم الحروف نے نئی بھرتی کے ایک انٹرویو میں ایک امیدوار سے پوچھا کہ فرض اور واجب میں کیا فرق ہے؟ وہ لڑکا تو نہ بتا سکا مگر بعد میں ہمارے ڈائریکٹر جنرل کہنے لگے کہ خان صاحب اتنے مشکل سوال نہ پوچھیں، اس سوال کا جواب تو میں بھی نہیں جانتا۔ حالانکہ یہ اس قدر آسان سوال تھا کہ چوتھی جماعت کا بچہ بھی اس کو بیان کر سکتا تھا اگر اس کی کچھ معمولی تربیت ہو چکی ہوتی۔ بہر حال اس میں علماء کا کوئی قصور نہیں، کیونکہ عوام ان سے پوچھنا گوارا ہی نہیں کرتے، اگر کوئی عالم بتائے تو پھر بھی توجہ نہیں کرتے۔

علم وعظ بھی اس قدر دلچسپ ہے کہ سننے والے بہت محظوظ ہوتے ہیں، مگر ان کی علمی سطح بہت نیچی رہتی ہے۔ وعظ تو بہت رنگین ہوتا ہے مگر اس سے قوم کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ فقط وعظ میں اتار چڑھاؤ اور الفاظ کی ملمع سازی ہوتی ہے کہ سننے والے خوش ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کے علم میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ علامہؒ نے فرمایا ہے:

تمدن، تصوف، شریعت، کلام ۔۔۔ بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی ۔۔۔ یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب ۔۔۔ مگر لذتِ شوق سے بے نصیب
بیان اس کا منطق سے سلجھا ہوا ۔۔۔ لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمت میں مرد ۔۔۔ محبت میں یکتا حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا ۔۔۔ یہ سالک مقامات میں کھو گیا

Marfat.com

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

(ب ج: ۴۱۶)

''شہپرِ جبریل'' میں ہے کہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ مسلمان واعظین سامعین کو وحی الٰہی کے سادہ معانی سمجھانے کی بجائے ایسے مطنطن، مشکل اور مغلظ الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسناد اور روایات نقل کرتے ہیں اور اس کی وضاحت میں لگے رہتے ہیں کہ فلاں حدیث ضعیف یا غیر متواتر ہے۔ ایسی خشک باتوں کے ذریعے عصر حاضر کے مسائل حل کرنے میں کیسے مدد لی جاسکتی ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے رازی نہ صاحبِ کشاف

(ب ج: ۳۷۰)

اقبالؒ ایسے معاصر مفسرین پر انتقاد کرتے ہیں جو اتنی عربی بھی نہیں جانتے کہ کسی لفظ یا آیت قرآن کا صحیح مفہوم بتا سکیں (اقبال نامہ ج۱: ص ۴۱، مکتوب مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء بنام سراج الدین پال، جس میں صیام، قناعت، توکل، یوم اور تنزلات ستہ کا ذکر ہے) اس طرح کے لوگ قرآن کے پیغامِ حیات کو پیغامِ موت کے سیاق میں دیکھتے ہیں۔

بہ بندِ صوفی و مُلّا اسیری حیات از حکمتِ قرآں نگیری
(تو صوفی اور مُلّا کی قید میں گرفتار ہے، قرآن پاک سے زندگی حاصل نہیں کرتا)
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست کہ از یاسینِ اُو آساں بمیری
(اس کی آیات سے تجھے صرف اتنا سروکار ہے کہ مرتے وقت یٰسین پڑھ لے تاکہ جان آسانی سے نکل جائے)

(ا ح: ۹۵۵)

سورۃ یٰسین (آیت نمبر ۳۶) مسلمانوں میں بہت معروف ہے کیونکہ یہ بالعموم نزع کے وقت اور قبر پر پڑھی جاتی ہے۔ اقبالؒ کو مسلمانوں کی قرآن کے حقیقی مفاہیم سے بے اعتنائی شاق گزرتی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن مومن کو بے خوف و ترس مقام تک لے جاتا ہے، اور اس کتاب کے متحرک مردانِ حر بن جاتے ہیں۔

Marfat.com

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات

(اگر تو ثبات چاہتا ہے تو قرآن سے حاصل کر، میں نے اس کے باطن میں آبِ حیات دیکھا ہے)

می دہد مارا پیامِ لاتخف می رساند بر مقامِ لاتخف

(پ چ:۸۸۱)

(وہ ہمیں لاتخف (نہ ڈر) کا پیام ہی نہیں دیتا بلکہ اس مقام تک پہنچا بھی دیتا ہے)

(مسافر)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ''ہمیں چاہیے کہ اپنے بدلتے ہوئے رویے کا جواز قرآن مجید میں تلاش کریں خواہ قرآن مجید کے صاف صاف اور واضح الفاظ اس کے خلاف کیوں نہ ہوں لہٰذا...'' (تشکیل ... ص۱۶۸)

قرآن فہمی کے آداب کے سلسلے میں جو بات اقبالؒ کے والد کے حوالے سے علامہؒ کے مکتوبات یا اشعار میں مذکور ہے اسے انہوں نے خطبات میں بھی لکھا ہے:

''جب تک مومن کے دل پر بھی کتاب (قرآن مجید) کا نزول ویسے نہ ہو جائے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا تھا اس کا سمجھنا محال ہے۔'' (تشکیل ... ص۲۷۹)

اس کا یہ مطلب ہوا کہ حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ مومن قرآن سے نئے معانی لے لیتا ہے اور اس کو غالباً اقبالؒ ''قرآن کا متحرک نقطہ نظر'' کہتے ہیں۔ (تشکیل ... ص۲۵۷)

اقبالؒ قرآن مجید کو قدیم، متوسط اور حتیٰ کہ عصر حاضر کے علماء و متکلمین کی طرح قوانین اور اوامر و نواہی کا ایک مجموعہ ہی نہیں جانتے تھے۔ ان کے نزدیک:

''قرآن کریم کا حقیقی منشا یہ ہے کہ ذہن انسانی میں اس کا تعلق ہو جو اسے کائنات اور خالق کائنات سے ہے۔ اعلیٰ اور بہتر شعور پیدا کرے۔ (تشکیل ... ص ۲۵۵،۲۵۶)

جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس ذات کا پیغام اور وحی ملی جو شہ رگ سے قریب تر ہے، (ق:۱۶) اور اس کے ساتھ خالق و داور بھی، اسی طرح مومن کو یہ احساس بیدار کرنا ہوگا کہ وہ ایک کتابِ زندہ سے براہِ راست استفادہ کر رہا ہے اور کسی کہنہ اور روایتی قسم کی قدیم کتاب کو نہیں پڑھ رہا ہے جو اسے بالواسطہ معلومات بہم پہنچا رہی ہے۔

Marfat.com

واعظِ دستاں زنِ افسانہ بند　　معنیٔ اُو پست و حرفِ اُو بلند

(واعظ ہاتھ ہلا ہلا کر کہانیاں بیان کرتے ہیں، ان کی تقریروں میں معنی کم ہوتے ہیں مگر لفاظی بہت ہوتی ہے)

از خطیب و دیلمی گفتارِ او　　با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ اُو

(وہ اپنے وعظ میں خطیب اور دیلمی جیسے محدثین کے حوالے دیتے ہیں اور (احادیث کی مختلف قسمیں ضعیف، شاذ اور مرسل نامی) بیان کرتے ہیں)　　(اسرار و رموز: ۱۲۳)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ واعظین وحیٔ الٰہی کے سادہ معانی سمجھانے کی بجائے ایسے بھنبھناہٹ والے (مشکل) الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے اور پھر احادیث کی اسناد اور روایات نقل کرتے ہیں جس سے عام لوگوں کو کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اسرار و رموز (صفحہ ۱۲۱ سے ۱۲۳ تک) میں مُلّاؤں اور صوفیوں کے متعلق بہت اشعار دیے گئے ہیں، جن کا اس جگہ شامل کرنا مشکل ہے۔

Marfat.com

باب ۶

علامہؒ نے جوانوں میں عقابی روح کو بیدار کیا

(تیری تقدیر میرے نالۂ بیباک میں ہے)

علامہ اقبالؒ کے افکار

علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں مسلمانوں کو درپیش تقریباً ہر مسئلے پر کلام کیا ہے اور اپنے افکار سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے۔ موجودہ حالات سے نکلنے کی تجاویز کے ساتھ ساتھ آنے والے زمانے کے حالات کی بھی پیش گوئیاں کی ہیں۔ آپ نے فرمایا:

محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آ سکتا نہیں

آنے والے دَور کی دُھندلی سی اِک تصویر دیکھ
کھول کر آنکھیں میرے آئینۂ گفتار میں

(ب د: ۱۹۵، ۳۶۴)

حضرت علامہؒ نے اپنی نظم ''مسجد قرطبہ'' میں یورپ کے مستقبل اور اہل اسلام کی آئندہ جلوہ گر ہونے والی نصرت اور عظمت کی یوں ترجمانی کی ہے:

Marfat.com

پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب
(ب ج: ۱۰۰)

اہلِ مغرب کی چال بازیوں کو دیکھ کر آپ نے انگلستان میں ہی فرمایا ہے:

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دُکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ میری، نفس میرا شعلہ بار ہو گا
(ب د: ۱۴۱، ۱۴۲)

انتہائی بُرے وقتوں میں جب پوری دنیا میں ایک بھی آزاد اسلامی مملکت باقی نہ رہی، اُس وقت بھی علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو حوصلہ دیتے رہے۔ آپؒ نے فرمایا:

اے مسلماں آج تُو اس خواب کی تعبیر دیکھ
عام حرّیت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
(ب د: ۲۶۶، ۲۵۴)

تیری تقدیر میرے نالۂ بیباک میں ہے

مسلمانوں میں تقدیر کا مسئلہ بہت زور پکڑے ہوئے ہے۔ پوری قوم اسی لیے اپاہج ہوگئی ہے کہ انہوں نے اپنی بدقسمتی کو اپنے زوال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ مسلمان یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم تقدیر کے مارے ہوئے ہیں حالانکہ تقدیر تو خود حالات کے سامنے بے بس ہے۔ مسلمان بے عملی اور کم کوشی کے شکار ہیں۔ علامہؒ نے خود فرمایا ہے کہ:

سبب کچھ اور ہے تُو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں میرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں
(ض ک: ۴۸۲)

Marfat.com

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند
(ض ک:۵۲۶)

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں، بنا کے تقدیر کا بہانہ
(ا ح:۶۸۷)

اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف
فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف
وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے
(ض ک:۵۴۸، ۶۰۴)

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رُباب آخر
کیا دبدبۂ نادر، کیا شوکتِ تیموری ہو جاتے ہیں سب دفتر غرقِ مئے ناب آخر
(ب ج: ۳۴۴)

علامہ اقبالؒ نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی ناداری اور دنیا میں خواری محض اس لیے ہے کہ وہ عمل سے عاری ہیں اور تن آسانی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے ''بال جبریل'' کی درج ذیل منظومات (نمبر ۴۴) میں واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ اپنی کمزوریوں کو دور کرو اور میرے افکار کا مطالعہ کرو تو مسلمانوں کی زبوں حالی دُور ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کی ذلت کا علاج ان کے نالۂ بیباک میں ہے۔ جو نصائح اپنے کلام میں بیان فرماتے ہیں ان پر عمل کرنے سے مسلمانوں کے رنج اور تکالیف کا ازالہ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا:

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے عکس اس کا میرے آئینۂ ادراک میں ہے
نہ ستارے میں ہے، نے گردشِ افلاک میں ہے تری تقدیر مرے نالۂ بیباک میں ہے
یا مری آہ میں کوئی شرر زندہ نہیں یا ذرا نم ابھی تیرے خس و خاشاک میں ہے
کیا عجب! مری نواہائے سحر گاہی سے زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے

Marfat.com

توڑ ڈالے گی یہی خاک طلسمِ شب و روز گرچہ الجھی ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے
(ب ج:۳۵۶،۳۵۷)

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
(ب د:۱۹۴)

جوانوں میں عقابی روح کیسے بیدار ہوتی ہے

انسان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے بہت طاقت عطا فرمائی ہے۔ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو اس قدر طاقت عطا کی ہے کہ وہ تمام کائنات کو ایک لقمہ میں ہڑپ کر سکتی ہے۔ مگر لوگوں نے اپنی روح کی کیفیت کو خراب کر لیا ہے اور وہ اپنا مقام کھو چکی ہے۔ اگر آپ قلب انسانی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت، ذکر و فکر کی آگ سلگتی رہتی ہے وہ دل نفس کے لیے مقام خطر ثابت ہوتا ہے اور نفس کی جرأت نہیں کہ اس قلب کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ اس کے برعکس وہ دل جو دنیا کی محبت اور لالچ میں گرفتار رہے تو وہ اس قدر کمزور اور نحیف ہو جاتا ہے کہ شیطان ہر وقت اپنی چونچ اس میں ڈال کر بیٹھا رہتا ہے۔ اور ایسا دل اپنے اصلی مقام سے بہت نیچے گر جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

سمجھا لہو کی بوند اگر تُو اسے تو خیر دل آدمی کا ہے فقط اِک جذبۂ بلند
گردش مہ و ستارہ کی ہے ناگوار اسے دل آپ اپنے شام و سحر کا ہے نقشبند
جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند
(ب ج:۶۸۱)

اس کتاب میں روح کے متعلق ایک اچھا خاصا باب لکھ دیا گیا ہے تا کہ روح کے مندرجات کا کچھ علم ہو سکے۔ اس کے علاوہ احادیث نبوی ﷺ میں روح کی شان کو بیان کرنے والی بہت سی روایات درج کی گئی ہیں جن کا ذکر اس جگہ کرنا ضروری نہیں کیونکہ یہ مضمون کتاب کے احاطہ سے باہر ہے۔ یہاں پر ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے جس کا اشارہ علامہ اقبالؒ نے درج ذیل شعر میں کیا ہے کہ جب نوجوانوں میں عقابی روح بیدار ہو

Marfat.com

جائے تو ان کو اپنی منزل آسمانوں میں نظر آتی ہے:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں
(ب ج: ۴۱۲)

ایک نوجوان کی روح کس طرح بیدار ہوتی ہے؟ اس سوال کا جواب دینا اس شعر کے مضمون کی تکمیل کے لیے بہت ضروری ہے۔ یعنی یہ کہ روح کو بیدار کرنے کے وہ کون سے طریقے ہیں جن سے ایک عام انسان بھی اپنی روح کی بیداری کا سامان پیدا کر لے۔ اہمیت کے اعتبار سے یہ مضمون اس قدر وسیع ہے کہ اس پر جتنی جانفشانی سے بیان کیا جائے تو وہ بھی کم ہوگا مگر اشارات کے طور پر محض چند نکات پر اکتفا کیا جائے گا۔

(i) بیداریٔ روح کا سب سے اعلیٰ طریقہ حضور نبی کریم ﷺ کی اس سنت کا مطالعہ کرنا ہے جو آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سکھائی ہے کہ جس کی آج تک مثال قائم نہیں ہو سکی۔ اس طریقہ زندگی کو سیکھنے کے لیے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور تربیتی اقدام کا مطالعہ کرنا ہوگا جو ایک اچھا خاصا مسئلہ ہے اور ہر شخص اس کو خود اپنانے کی حد تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس میں کافی مطالعہ اور سخت محنت کی ضرورت ہے چنانچہ اس کو کسی شیخ کی مدد سے سیکھا جائے۔

(ii) بیداریٔ قلب کا دوسرا طریقہ اولیائے کرام کے تربیتی نظام کا مطالعہ کرنا ہے۔ یہ طریقہ قدرے آسان ہے لیکن اس میں خاص نکات حاصل کرنے کے لیے کافی وقت صرف کرنا ہوگا۔ کیونکہ ولیوں کی رفاقت میں گزرنے والے اوقات پر کافی دقیق مطالعہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ طریقہ کتابوں کی وساطت سے اور اولیائے کرام کے اشغال کا علم حاصل کرنے سے متعلق ہے۔ کتابوں کا مطالعہ اس لیے بہت سودمند ہوتا ہے کیونکہ وہ اولیائے کرام جن کی کتب کا مطالعہ کیا جائے قارئین کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور قارئین کی عقیدت کے مطابق باقاعدہ فیض عطا فرماتے ہیں۔

(iii) بیداریٔ قلب کا تیسرا طریقہ اولیائے کرام سے بیعت حاصل کرنے کے بعد ان سے فیض اخذ کرنا ہے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کی تقریباً تمام کتب میں بالخصوص ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبالؒ'' میں کافی ہدایات مل سکتی ہیں۔

Marfat.com

مولانا رومیؒ، علامہ اقبالؒ اور دیگر شعراء نے یہ لکھا ہے کہ دین کی دولت محض نظر سے مل سکتی ہے اور مولانا رومیؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کتابوں کو آگ لگا دو اور اپنے دل کو اپنے دلدار کی طرف کرلو۔

صد کتاب وصد ورق دَر نار کُن روئے دل را جانبِ دلدار کُن

(سینکڑوں کتابوں اور سینکڑوں اوراق کو آگ میں پھینک دو اور اپنے دل کا چہرہ اپنے دلدار کی طرف کرلو)

ایک اور شاعر کا قول ہے:

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدارا در صفحۂ دل بیں کہ کتاب بہ عظیم است

(تو کنز و ہدایہ میں خدا کو نہیں پا سکے گا، صفحۂ دل میں دیکھو کہ یہ بہت عظیم کتاب ہے)

(iv) بیداریٔ دل کا چوتھا طریقہ کسی صاحبِ دل کی نظر اور گفتگو سے علم طریقت کے بنیادی اصولوں کو حاصل کرنا ہے۔ صاحبِ نظر لوگوں کے مطالعہ میں ایسی باتوں کا بہت ذخیرہ موجود ہوتا ہے جس کو جب وہ بیان کریں تو لوگوں کے دلوں پر ایسے اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ ان کی کائنات مکمل طور پر بدل جاتی ہے اور وہ کچھ اور ہی قسم کے انسان بن جاتے ہیں۔ راقم الحروف نے خود ایسے لیکچر دیئے ہیں کہ جن کو سننے والے حیرت انگیز انداز سے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں تبدیلی محسوس کرتے ہیں۔ اس طریقے میں اس قسم کی گفتگو کی جاتی ہے جو دلوں پر تیر بہ ہدف ثابت ہوتی ہے اور گولی کی طرح اثر کرتی ہے۔ اس میں زمانے کے حالات کے متعلق اور لوگوں کی روزمرہ کے ماحولیاتی زندگی کو اجاگر کرنے والے واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ جن کو تسلیم کیے بغیر سامعین کو چارہ نہیں ہوتا اور وہ لازمی طور پر متغیر ہو جاتے ہیں۔ اس گفتگو میں علامہ اقبالؒ کے ایسے اشعار بہت پُر اثر ثابت ہوتے ہیں جن میں اسلامی فلسفہ کے مطابق علامہؒ نے بے شمار مضامین پر روشنی ڈالی ہے۔

جب لوگوں کے دل و دماغ مذکورہ اثر سے متاثر ہو جائیں تو علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے کہ ایسے لوگ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دینے پر قادر ہو جاتے ہیں اور ان کو اپنی منزل آسمانوں پر نظر آتی ہے۔ جیسا کہ "بال جبریل" کے مذکور بالا شعر میں بیان ہوا ہے۔

Marfat.com

علامہؒ نے مزید فرمایا ہے:

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفان ہے
اُمیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں
(ب ج: ۱۲م)

شاعرِ زیست پیغامِ زندگی دیتا ہے

شعر کی حقیقت اور اسلامی ادب کے مضمون میں علامہ اقبالؒ ''اسرار و رموز'' میں فرماتے ہیں کہ انسانِ خاکی کے اندر آرزو کے داغ سے جوش پیدا ہوتا ہے اور انسان کی آگ لحہ آرزو سے ہی روشن ہے۔ تمنا کا ہونا انسان کی زندگی کی شراب ہے اور اس سے زندگی میں سرگرمی اور مستعدی پیدا ہوتی ہے۔ اس آرزو سے کائنات کی قوتوں کی تسخیر کی جاتی ہے۔ زندگی شکار کھیلتی ہے اور اس کا جال آرزو ہے۔ ہر لحہ تمنا ابھرتی ہے اور اس سے ہی زندگی میں زیر و بم پیدا ہوتا ہے۔ جو چیز جمیل اور زیبا ہے وہی طلب کے بیابان میں ہماری راہنما بنتی ہے۔ شاعر کا سینہ جلوہ گاہِ حسن ہے اور اس سینے سے طُور کے انوار پھوٹتے ہیں۔ شاعر کے اشعار اور نگاہوں سے دنیا کی خوبصورتی میں اور بھی حسن پیدا ہوتا ہے۔ اس کے جادو سے زندگی کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور زندگی آگے بڑھتی ہے۔

علامہؒ فرماتے ہیں کہ ایک قوم ایسی ہے کہ جو اپنی زندگی کو موت کا پیغام دیتی ہے اور ذوقِ حیات سے روگرداں ہے۔ ان کا آئینہ برائی کو ابھارتا ہے، ان کا شعر جگر میں سینکڑوں نشتر چھوڑ دیتا ہے۔ وہ قوم جب پھول کو بوسہ دیتی ہے تو پھول مرجھا جاتا ہے جو بلبل کے دل سے ذوقِ پرواز چھین لیتا ہے۔ ان کی افیون افرادِ قوم کے اعصاب کو شل کر دیتی ہے جس کا مضمون قوم سے زندگی چھین لیتا ہے، جو سرو سے بانکپن کا ذوق چھین لیتا ہے۔ ان کی آہِ سرد شاہیں کو چڑیا بنا دیتی ہے۔ ایسا شاعر اپنے نغموں سے ملاحوں کو سحر زدہ کر دیتا ہے اور ملاح کی کشتی کو سمندر میں ڈبو دیتا ہے۔ اس کے جادو سے لوگ زندگی کو موت سمجھنے لگتے ہیں۔ ایسے شاعروں سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔

بوسۂ اُو تازگی از گل برد
ذوقِ پرواز از دلِ بلبل برد
(جو پھول کو بوسے دے، تو وہ پژمردہ ہو جاتا ہے جو بلبل کے دل سے ذوقِ پرواز چھین لیتا ہے)

Marfat.com

می رباید ذوقِ رعنائی ز سرو جرہ شاہیں از دمِ سردش تدرو

(جو سرو سے بانکپن کا ذوق چھین لیتا ہے، جس کی آہِ سرد شاہین کو چڑیا بنا دیتی ہے)

(اسرار و رموز، ۳۶)

خدا نے علامہ اقبالؒ کے شاہین کو چیتوں کے شکار پر چھوڑا ہے

''زبورِ عجم'' کی ابتداء میں علامہ اقبالؒ اللہ تعالیٰ سے اپنے دل میں ایک بیدار دل، بادہ میں نشہ کو دیکھنے والی نظر، نغمہ داؤد، مستعار زندگی کی جگہ حقائق آشنا زندگی، پہاڑوں وادیوں اور میدانوں کو اپنی آغوش میں لینے کی وسعت عطا کرنے کی تمنا کرتے ہیں۔ بارگاہِ رب العزت میں عرض کرتے ہیں کہ الٰہی تو نے مجھ جیسے شاہین کو چیتوں کے شکار پر چھوڑا ہے تو مجھے پہلے سے زیادہ مضبوط پنجے عطا فرما دے۔

شاہینِ من بصیدِ پلنگاں گزاشتی! ہمتِ بلند و چنگل ازیں تیز تر بدہ

(تو نے میرے شاہین کو چیتوں کے شکار پر چھوڑا ہے تو اسے بلند ہمت دیجئے اور اس کے پنجہ کو اور تیز کر دیجئے) (ز ع: ۳۹۶)

پرواز کے لیے چشمِ عقاب اور دلِ شہباز ضروری ہے

ترقی کے راز بیان کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ ''زبورِ عجم'' حصہ دوم کی رباعیات میں لکھتے ہیں کہ مسلمان کو صبا کی مانند چلنا سیکھنا چاہیے اور غنچہ کے اندر اتر نا سیکھنا چاہیے۔ گدڑی پہن کر بے ذوق تڑپنا بے سود ہے۔ غیروں سے نظر بند کر اور اپنے آپ کو دیکھ۔ تیرے اندر حسن ازل کا جلوہ ہے جو تو نے نہیں دیکھا۔

فرماتے ہیں کہ مسلمان عقاب کی سی نظر اور شہباز جیسا دل نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ دارا و جمشید کا تخت ایسے ہی نہیں دے دیتا۔ کوہِ گراں کو تنکے کے عوض خریدا نہیں جا سکتا۔ تم نے جو فغاں کی ہے اس سے تیری منزل نہیں بدلی۔ اب دوبارہ حالات کے حلقۂ زنجیر کو توڑ دے۔ اپنے دل سے ایک شرر اور لے اور اس طرح پورے نیستاں (باغ) پر شعلہ بن کر چھا جا کہ پھر خاشاک کو جلا دے یعنی فضول اشیاء کی طرف توجہ نہ دے بلکہ دلجمعی سے پھر

Marfat.com

حملہ کر، کامیابی قدم چومے گی۔

ما چشم عقاب و دل شہباز نداریم چوں مرغِ سرا لذت پرواز نداریم

(ہم چشم عقاب اور دلِ شہباز نہیں رکھتے۔ ہم مرغ سرا کی مانند لذتِ پرواز سے نا آشنا ہیں اے مرغ سرا! اُٹھ اور پھر سے اُڑنا سیکھ)

چوں عقاب افتد بصیدِ ماہ و مہر گرم رو اندر طواف نہ سپہر

(یہ مہر و ماہ کے شکار کے لیے عقاب کی طرح جھپٹتا ہے اور نو آسمانوں کے طواف میں سرگرم رہتا ہے)

تو عقابی طائفِ افلاک شو بال و پر بکشا و پاک از خاک شو

(تو عقاب ہے افلاک کی سیر کر، اپنے بال و پر کھول اور خاک سے آزاد ہو)

(ج ن: ۲۷۴، ۶۲۳، ۶۶۱)

تُو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا

علامہ اقبالؒ نے فلسفہ زماں ولامکان پر بہت کلام کیا ہے اور قرآن مجید میں سے ایسی آیات کا حوالہ دیا ہے جس سے زمان و مکاں کا فلسفہ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ (اس کے متعلق ایک نہایت مختصر بیان ہماری تصنیف ''نشانِ منزل'' میں ایک خدا ہونے کے دلائل میں صفحہ ۴۰ سے ۹۰ تک دیا گیا ہے) لیکن اس سے بھی زیادہ تفصیل قرآن و سائنس کی کتب میں مل سکتی ہے۔

باز (یعنی مسلمان) کو علامہؒ کی یہ نصیحت ہے کہ تمہارا کام مصروف شغل اور محو پرواز رہنا ہے کیونکہ ایک آسمان کے بعد اور بھی بہت سے آسمان ہیں اور مسلمان کو پیہم ترقی کی راہ پر چلتے ہی رہنا چاہیے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ جتنا بھی وہ دنیا کے رازوں کو کھولتے چلے جاتے ہیں وہ اپنے دل میں اور بھی زیادہ جاننے کا احساس پیدا کرتے جاتے ہیں۔ علامہؒ نے فرمایا ہے:

خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے اس آب جُو سے کیے بحرِ بیکراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا

(ض ک: ۵۶۳)

Marfat.com

علامہؒ نے شاہین (مسلمان نوجوانوں) کو بھی ہمہ وقت محوِ جستجو رہنے کا حکم دیا ہے۔

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا — تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
(ب ج: ۳۵۳)

کہ شاہیں کے لیے ذِلت ہے کارِ آشیاں بندی

اس دنیا میں لوگ مال و منال اور سامانِ زیب و زینت پر فخر کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں (آخرت میں) جو لوگ دنیا میں مال و دولت کے باعث سربلند تھے ان کی یہ سربلندی باعثِ ندامت اور شرمندگی ہو گی۔ امیر لوگ قیامت کے دن اپنا منہ چھپاتے پھریں گے کہ وہ دنیا میں امیر لوگوں میں شامل تھے۔ اسی طرح شاہین اپنا حشر اس دنیا میں ہی دیکھ لیتا ہے اور اس دنیا میں کارِ آشیاں بندی اس کے لیے باعث ذلت ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جو مزہ بندگی میں ملتا ہے وہ اسے دے کر اس کے عوض شانِ خداوندی قبول نہیں کرنا چاہتے۔ اس دنیا کی بڑائی بزرگوں کے فیضانِ نظر سے ملتی ہے جیسے اسماعیلؑ کو حضرت ابراہیم علیہما السلام کی آنکھوں سے ملی۔ آپ ایسا فیضان ڈھیروں مال خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے کلام کی تربیت اور فیضان سے مشتِ خاک کو ہمدوشِ ثریا بنا دیا ہے، چنانچہ ان کی قبر پر اہل عزم و ہمت کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ راقم الحروف بھی ان کے عقیدت مندوں میں سے ایک ہے۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی — مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی
گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں — کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی
یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی — سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی
زیارت گاہِ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری — کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی
(ب ج: ۳۰۶)

Marfat.com

عقاب کی نظر میں ہر شے سراب ہے

علامہؒ فرماتے ہیں کہ پانی تلاش کرنے والے پرندے کو عقاب نے کہا کہ میری نظر میں پانی اور سراب ایک ہی شے ہیں۔ اس پرندے نے کہا کہ تم تو دیکھتے ہو کہ دیکھنے میں پانی اور صحرا ایک جیسے لگتے ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ یہ پانی ہے۔ دریا کے نیچے مچھلی نے آواز دی کہ ہاں کوئی چیز ہے جو پیچ و تاب کھا رہی ہے۔

مذکورہ بالا اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کی حقیقت واضح نہیں۔ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق ہر کوئی کسی چیز کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ اس لیے خود نبی کریم ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ ''الٰہی مجھ پر ہر شے کی اصل صورت واضح فرما دیجئے جس طرح کہ وہ ہے۔''

عقابِ دُوربیں جوئینہ را گفت نگاہم آنچہ می بیند سراب است
(پ م:۲۷۸)

(عقاب تیز نظر نے جوئینہ متلاشی سے کہا میری نظر جو کچھ دیکھتی ہے وہ سراب ہے)

روزِ ازل سے ہے تُو منزلِ شاہین و چرغ

''محراب گل افغان'' کی نظم جو ''ضربِ کلیم'' میں علامہؒ نے بیان کی ہے اس میں یہ فرمایا ہے کہ یہ کوہستان ایسے خشک ہیں کہ ان کی چٹانوں میں ازل سے ہی شاہین اور شکاری باز رہتے ہیں اور ان میں نہ تو لالہ و گل کا ظہور ہے اور نہ ہی نغمۂ بلبل ہے۔ محراب گل ان پہاڑیوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔

روزِ ازل سے ہے تُو منزلِ شاہین و چرغ لالہ و گل سے تہی، نغمۂ بلبل سے پاک!
(ض ک:۶۲۶)

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی

مسلمانوں میں دینی روح کچھ اس طرح خوابیدہ ہو گئی ہے جس کو دیکھ کر یہ گماں

Marfat.com

ہوتا ہے کہ ان میں مسلمانوں والی کوئی بات باقی نہیں رہی۔ لے دے کے تھوڑا بہت دین غرباء میں باقی ہے۔ عرب کے دیگر ممالک میں بھی یہ نظر آتا ہے کہ امراء نشہ دولت میں چُور ہیں اور غرباء میں دین کی کچھ رمق باقی رہ گئی ہے۔

مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی میں یہی ایک نقشہ نظر آتا ہے کہ جیسے یہ مسلمان صرف نام کے مسلمان ہیں۔ وہ ذوق وشوق جو کبھی مسلمانوں میں تھا اب اس کے چند نشانات ہی باقی رہ گئے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

رحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب　　جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آراء تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب　　نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
امیر نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی　　برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے

(ب د: ۲۰۲۔۳)

کچھ لوگ کبھی بڑے جوش وخروش کا اظہار کرتے ہیں اور اس گرما گرمی وعقابی شان سے جھپٹتے ہیں، مگر جلد ہی اپنی بے بضاعتی اور کم ہمتی کا مظاہرہ کر دیتے ہیں اور اپنے مشن کو مکمل نہیں کر سکتے۔ یہ ایسے لوگوں کے لیے فرمایا گیا ہے جو بڑے بڑے دعوے تو کرتے ہیں مگر ان میں قابل ذکر اہلیت نہیں۔

عقابی شان سے جھپٹتے تھے جو بے بال وپر نکلے　　ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے
(ب د: ۲۷۲)

شاہبازی کے لیے طاقت کی ضرورت ہے

کچھ لوگ اپنی اوقات اور بساط سے بڑھ کر دعوے کرتے ہیں تو گویا وہ چڑیا اور

Marfat.com

کبوتر کی حیثیت میں بلند بانگ باز کے دعوے کرتے ہیں اور یہی دعوے ان کی موت کا سامان بنتے ہیں۔ اس کی مثال ان مسلمانوں کی طرح ہے جو کہ سامانِ جہاد سے لیس ہوئے بغیر بڑے ملکوں کو جنگ کے لیے للکارتے ہیں اور آخر رسوا ہوتے ہیں۔ ہمارے ایک اسلامی ملک نے امریکہ کو للکارا اور اس کے پاس اپنی مدافعت کے لیے ایک جہاز بھی نہیں تھا۔ حالانکہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے: ''عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد''۔ علامہؒ نے بے سروسامان اور بے ہمت چڑیا اور کبوتر کے لیے فرمایا ہے کہ وہ اپنی موت کو دعوت نہ دیں۔ پہلے حالات کے لیے خود کو تیار کریں۔

کنجشک و حمام کے لیے موت ہے اس کا مقام شاہبازی!

(ض ک:۸۹)

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

جو لوگ بڑے مقامات کے لائق نہیں، ان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اس مقام پر آنے سے پہلے خود کو اس قابل بنائیں جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی انتھک کوششوں کا یہ ثمر ہے کہ آج پیری مریدی کا شغل ایک پیشہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیائے کرام کے بعد بہترین طبقہ اولیائے کرام کا طبقہ ہوتا ہے۔ اس گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو مکمل طور پر شریعت کے ساتھ ساتھ خلوصِ نیت سے مجاہداتِ نفس اختیار کرتے ہیں اور ایسے شان دار کارنامے انجام دیتے ہیں کہ ان کے نام آج ہمارے سامنے جنیدؒ، بایزیدؒ، معین الدین چشتیؒ، فرید الدینؒ گنج شکر، نظام الدین اولیاءؒ، مہر علی شاہؒ، مجدد الف ثانیؒ، میاں شیر محمد شرق پوریؒ، مولانا محمد قاسم موہڑویؒ وغیرہم کی شکل میں آئے اور رہتی دنیا تک یہ، اور دیگر نام روشن رہیں گے۔ اگر ان بزرگوں کی زندگیوں کے احوال کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان لوگوں نے کس طرز سے زہد و تقویٰ کی زندگیاں گزاریں جس کے بعد ان کے نام روشن ہوئے۔

تنگیٔ قرطاس کی وجہ سے صرف ایک واقعہ حضرت بابا فرید الدینؒ گنج شکر کا پیش کیا جا رہا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے زہد و تقویٰ کا کیا معیار تھا۔ اس

Marfat.com

واقعہ سے آج کے معیار کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے لنگر کا ایک مخصوص طریقہ تھا کہ باورچی خانے کا کام چند مریدوں کے ذمے لگا دیا گیا تھا، لیکن حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ لنگر خانے میں کوئی روپیہ پیسہ موجود نہ تھا چنانچہ نمک ادھار خرید لیا گیا۔ جب حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے تناول فرمانے کے لیے لقمہ اٹھایا تو حضرت نظام الدینؒ سے پوچھا! نظام الدینؒ کیا بات ہے؟ لقمہ گراں ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ جناب لنگر کا ہر کام آپ کے حکم کے مطابق مکمل کیا گیا ہے۔ فرمایا نمک کہاں سے آیا؟ عرض کیا کہ لنگر کے لیے پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے نمک ادھار لیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا نظام الدینؒ! اولیاء اللہ اگرچہ بہ فاقہ میرند از برائے نفس قرض نگیرند'' یعنی اولیا اللہ اگرچہ فاقے سے بھی مر جائیں مگر لذت نفس کے لیے قرض نہیں لیتے۔ آپ نے کھانا تناول نہ فرمایا۔ آج کا رنگ اگر دیکھ لیا جائے تو علامہ اقبالؒ کے درج ذیل اشعار کا صدق ظاہر ہو جاتا ہے گو آج بھی حق پرست پیروں کی مثالیں موجود ہیں۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

شہری ہو، دیہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
مانندِ بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن

نذرانہ نہیں! سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

(ب ج: ۴۵۸)

Marfat.com

باب ۷

شاہین کے حوالے سے مسلمانوں کی کردار سازی

علامہ اقبالؒ کا پورا کلام ہی مسلمانوں کے لیے اصلاحی انداز کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ "جاوید نامہ" میں 'خطاب بہ جاوید' کے عنوان سے نئی نسل کو پیغامات دیئے گئے ہیں۔ اس میں آپ نے نوجوانوں کی حالت کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے نصیحت آمیز کلام سے نوازا ہے۔ ان کے تمام کلام کو اس جگہ قارئین کے لیے لکھنا تو کافی طوالت طلب امر ہے۔ شائقین حضرات سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ "جاوید نامہ" کے حصے کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ لا الٰہ کا ذکر قائم کریں اور مستی و ذوق و سرور کو دوبارہ حاصل کریں۔ مسلمان عصرِ حاضر کی صحبت اور جعلی پیروں کی صحبت سے بچیں۔ مسلمانوں نے خودی کو ترک کر دیا۔ اب ان کی نماز بھی وہ نماز نہ رہی جو کسی زمانے میں تھی۔

Marfat.com

سجدۂ کز وے زمیں لرزیدہ است — بر مرادش مہر و مہ گردیدہ است

(وہ سجدہ جس سے زمین کانپ جاتی تھی اور آسمان اس کے مطابق گردش کرنے لگتا تھا)

سنگ اگر گیرد نشانِ آں سجود — در ہوا آشفتہ گردد ہمچو دُود

(اگر پتھر پہ سجدے کا نشان پڑتا تو وہ دھوئیں کی طرح ہوا میں تحلیل ہو جاتا)

آں شکوہ ربی الاعلیٰ کجاست — ایں گناہِ اوست یا تقصیرِ ماست؟

(ربی الاعلیٰ کا وہ شکوہ اب کہاں ہے، یہ اس کا گناہ ہے یا ہماری تقصیر؟) (ج ن: ۷۸۹)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عقل، دین و دانش اور ناموس و ننگ فرنگیوں کے شکار بن چکے ہیں۔ میں نے افکارِ مشرق کو واضح کیا ہے۔ مغربیت کا پردہ پھاڑ دیا ہے۔ اپنا دل خون کر کے ان کے جہان کو بدلا ہے۔ میں نے مغرب کے انداز کے مطابق شان دار الفاظ استعمال کیے ہیں اور نعرۂ مستانہ شعروں کی صورت میں بلند کیا ہے۔ ہمارے نوجوان پیاسے ہیں مگر ان کے جام خالی ہیں، چہرے چمکدار اور دماغ روشن مگر اندروں تاریک ہے۔ یہ حالات اس لیے نمودار ہوئے ہیں کہ ان کو دین کے پانی سے سیرابی نہ ملی۔

خشت را معمارِ ما کج می نہد

''جاوید نامہ'' میں ''سُخنے بہ نژادِ نو'' میں علامہؒ فرماتے ہیں:

''ہمارے معمار یعنی اساتذہ پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھتے ہیں۔ وہ شاہین بچوں کو بطخ کے بچے کی خُو سکھاتے ہیں۔ اہل مکتب کو جذب اندروں تک رسائی حاصل نہیں۔ ان اساتذہ نے نوجوانوں کی جانوں سے نورِ فطرت کو نکال دیا ہے۔'' علامہؒ نے مدرسوں اور درس گاہوں کے مُلاؤں کے متعلق بہت کلام کیا ہے۔ ''دینِ مُلاّ فی سبیل اللہ فساد'' جہاں آپ نے لکھا ہے وہاں اور بھی بہت سی باتیں لکھی ہیں۔

منکرِ حق نزد مُلاّ کافر است — منکرِ خود نزد من کافر تر است

(مُلاّ کے نزدیک منکر حق کافر ہے، میرے نزدیک اپنا منکر کافر تر ہے)

خشت را معمارِ ما کج می نہد — خُوئے بط با بچۂ شاہیں دہد

(ہمارے معمار پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھتے ہیں۔ وہ شاہیں بچے کو بطخ کے بچے کی خُو سکھاتے ہیں) (ج ن: ۷۹۰)

Marfat.com

اے مرغ سرا اُٹھا اور پھر سے اُڑنا سیکھ

علامہؒ (رباعیات ''زبورِ عجم'' حصہ دوم میں) فرماتے ہیں کہ مُرغ اٹھ اور دوبارہ صبا کی مانند اڑنا سیکھ۔ تو نے گدڑی پہن لی اور بے ذوق تڑپنا شروع کر دیا اور کہیں نہ پہنچ سکا۔ انجمنِ شوق میں حقیقی تڑپنا سیکھ۔ مسلمان کی سانس میں پیامِ دوست ہے۔ تری خاک میں حسنِ ازل کا جلوہ عام ہے مگر تو نے اسے دیکھا ہی نہیں (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں اپنی روح پھونکی ہے اور پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کو سجدہ کرو۔ الحجر: ۲۹)

مسلمانوں کو علامہؒ فرماتے ہیں کہ ہم چشمِ عقاب اور دلِ شہباز نہیں رکھتے۔ ہم مرغ سرا کی مانند لذتِ پرواز سے نا آشنا ہیں۔ اے مرغ اٹھ اور پھر سے اڑنا سیکھ۔ تو زمانے کی زنجیر کو توڑ نہ سکا۔ داغِ جگر سے ایک شرر اور لے اور سارے نیستاں پر چھا جا۔ شعلہ بن کر ایک بار پھر خاشاک کو جلا دے۔

ما چشمِ عقاب و دلِ شہباز نداریم - چوں مرغ سرا لذتِ پرواز نداریم

(ہم چشمِ عقاب اور دلِ شہباز نہیں رکھتے، ہم مرغ سرا کی مانند لذتِ پرواز سے نا آشنا ہیں)

علامہؒ رباعیات میں ہی فرماتے ہیں کہ اگر ترے اندر ایک قطرۂ خون ہے اور اگر تو مٹھی بھر پر رکھتا ہے تو آ! میں تجھے شاہینی کا طریقہ سمجھاؤں اور اگر تو اس کارِ نَے نوازی کو صرف پھونک کی کارفرمائی سمجھتا ہے تو بہت نادان ہے، نَے نوازی کے لیے تو سینے کے اندر دمِ شمشیر کی ضرورت ہے۔

گریک قطرۂ خوں داری، گر مشت پرے داری بیا من با تو آموزم طریقِ شاہبازی را

(اگر تیرے اندر ایک قطرۂ خون ہے اور اگر تو مٹھی بھر پر رکھتا ہے تو آ میں تجھے شاہبازی کا طریقہ سکھا دوں)

اگر ایں کار را کارِ نفس دانی، چہ نادانی دمِ شمشیر اندر سینہ باید نَے نوازی را!

اگر تو اس کارِ (نَے نوازی) کو صرف پھونک کی کارفرمائی سمجھتا ہے تو بہت نادان ہے، نَے نوازی کے لیے سینے کے اندر دمِ شمشیر کی ضرورت ہے۔

(ز ع: ۲:۷۲، ۴۹۶)

Marfat.com

تم شاہین کی اولاد ہو، کرگسی نہ کرو

''خطاب بہ جاوید'' میں، جس میں نئی نسل کے لیے چند باتیں لکھی ہیں، علامہ اقبالؒ نے قوم کی بے بسی اور پستی کی حالت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں تمام احوال کا ذکر کرنا بہت مشکل اور طوالت طلب امر ہے۔ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ذوق وشوق طلب نہ کرو۔ ہمارے علماء قرآن سے بے نیاز اور اکثر صوفی لوگ خونخوار بھیڑیئے کی طرح ہیں۔ خانقاہوں سے ''اللہ'' کی آواز تو آتی ہے مگر ان میں کوئی جواں مرد نہیں جس کے پیالے میں معرفت کی شراب ہو۔ تمام لوگ دین کے راز سے بے خبر ہیں۔ یہ اہلِ دین نہیں بلکہ اہلِ کین (کینہ رکھنے والے) ہیں، خیر وخوبی کچھ عوام میں تو نظر آتی ہے مگر خواص اخلاص اور خیر وخوبی سے خالی ہیں۔ ان لوگوں میں شاہین کی پرواز نہیں بلکہ کرگسوں کی صفات پائی جاتی ہیں۔ مردِ حق تو آسمان سے بجلی کی طرح گرتا ہے۔ مشرق اور مغرب کے شہروں کو ایندھن کی طرح جلا دیتا ہے۔ آپ اس بات کی تلقین فرماتے ہیں کہ شاہین کی سی زندگی گزارو۔

بے خبر از سرِّ دین اند ایں ہمہ اہلِ کین اند، اہلِ کین اند ایں ہمہ!

(یہ تمام لوگ دین کے راز سے بے خبر ہیں، یہ تمام اہل کینہ ہیں)

خیر وخوبی بر خواص آمد حرام دیدہ ام صدق وصفا را دَرعوام!

(خواص میں خیر وخوبی کا آنا حرام ہو چکا ہے، میں عوام میں صدق وصفا دیکھتا ہوں)

مردِ حق از آسماں افتد چوُ برق ہیزم اُو شہر و دشتِ غرب و شرق

(مرد حق آسماں سے بجلی کی طرح گرتا ہے، مشرق ومغرب کے شہر وصحرا کو ایندھن کی طرح جلا دیتا ہے)

کرگساں را رسم و آئیں دیگر است سطوتِ پروازِ شاہیں دیگر است

(کرگسوں کا رسم وآئین اور ہے، شاہین کی پرواز کی شان اور ہے)

(ز ع: ۷۹۵)

'حکمتِ کلیمی' (''پس چہ باید کرد'') میں علامہؒ نے رسول اللہ ﷺ کے چند

Marfat.com

اسباق کو درج کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ کے فرمودات پر عمل کرنے سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ نوجوانوں کو اخلاص، صدق، نیاز مندی اور سوزِ درد حاصل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں اور سونا و چاندی کی کشش سے بچنے کا حکم فرماتے ہیں۔ آپ بادشاہوں کے دروازوں کا طواف کرنے کی بجائے اپنے گرد طواف کرنے کو فرماتے ہیں۔ قوم کے بچوں کو مزید درس دیتے ہیں کہ تم اپنے مقام سے دُور جا پڑے ہو۔ تم شاہینوں کی اولاد ہو۔ کرگسوں جیسے کام نہ کرو۔ تری سوچ کی پرواز آسمانوں تک ہے، تو اپنے آپ کو پرندے (شاہین) سے کم تر نہ سمجھ۔ جب بندہ اپنے آپ کو رضائے الٰہی میں گم کر دیتا ہے تو وہ قضائے الٰہی بن جاتا ہے۔

علامہ اقبالؒ ''پس چہ باید کرد'' کی نظم 'فقر' میں اہلِ فقر کے بہت سے اوصاف کا ذکر کرتے ہین۔ فرماتے ہیں کہ فقر یہ ہے کہ انسان میں وہ راہ پیدا ہو جائے جو صحیح راستہ دکھائے اور ایک دل، کہ جو خدا کی محبت سے زندہ ہو۔ فقر بے پَر کو ذوقِ پرواز اور مچھر کو تمکینِ شہباز عطا کرتا ہے۔

از مقامِ خویش دُور افتادۂ • کرگسی کم کُن کہ شاہیں زادۂ
(تو اپنے مقام سے دور جا پڑا ہے، تو شاہینوں کی اولاد ہے کرگسوں جیسے کام نہ کر)
می نگیرد جز بآں صحرا مقام　　کاندروں شاہیں گریزد از حمام
(مردِ فقیر صرف اس صحرا میں مقام کرتا ہے جہاں شاہین کبوتر کا مقابلہ کرنے سے گریز کرتا ہے)
بے پراں را ذوقِ پروازے دہد　　پشّہ را تمکین شہبازے دہد
(فقر بے پروں کو ذوقِ پرواز اور مچھر کو تمکینِ شہباز عطا کرتا ہے)

(پ چ: ۸۰۹، ۸۱۷، ۸۱۶)

شاہین کا وجود جذبِ خاک سے آزاد ہے

علامہؒ فرماتے ہیں کہ جو پرندہ جذبِ خاک سے آزاد نہ ہو سکے تو اسے پرواز کا حق نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہین نے اس خاکدان سے کنارہ کر لیا جس کا نام آب و دانہ ہے۔

جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اُس کا　　وجود جس کا نہیں جذبِ خاک سے آزاد
(ب ج: ۴۵۵)

Marfat.com

لیبیا کے شہر درنہ میں جب جنگ ہوئی تو امیر جیش کے حکم سے کھانے پینے کا تمام ذخیرہ ایک جگہ جمع ہو گیا کیونکہ اشیائے خوردنی کی قلت ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ شاہین کو بھی چڑیا جتنی خوراک نہ مل سکی لیکن شاہین کی پرواز میں فرق نہیں آتا کیونکہ وہ جذبِ خاک سے آزاد ہے۔

ہر شئے ہوئی ذخیرۂ لشکر میں منتقل شاہیں گدائے دانۂ عصفور ہو گیا
(ب د: ۲۱۷)

(خوراک کا سارا سامان لشکر میں جمع کر لیا گیا، یہاں تک کہ شاہین بھی چڑیا کے دانہ کا گدا ہو گیا)

روح ہے جس کی دمِ پرواز سرتا پا نظر

شاہین کو دوسرے جانور بُرا بھلا کہتے ہیں لیکن ان کو شہباز کے احوال و مقامات کا علم نہیں۔ یہ وہ پرندہ ہے کہ جو پرواز کے دوران اپنے سرتا پا پر نظر رکھتا ہے۔ دوسرے جانور آسمانِ نیلگوں کے پیچ وخم کو کیا جانیں۔

زاغ کہتا ہے نہایت بدنما ہیں تیرے پَر شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے ہُنر
لیکن اے شہباز یہ مرغانِ صحرا کے اچھوت ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے بے خبر
ان کو کیا معلوم اس طائر کے احوال و مقام روح ہے جس کی دمِ پرواز سر تا پا نظر
(ض ک: ۶۳۲)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ شہباز کو حسنِ لطافت اور قوتِ پرواز کیوں ملی ہے۔ اس حقیقت کو دوسرے جانور کیوں کر جان سکتے ہیں۔

یہ حسن و لطافت کیوں وہ قوت و شوکت کیوں؟ بلبلِ چمنستانی، شہبازِ بیابانی
(ض ک: ۶۴۰)

زاغ دشتی ہو رہا ہے ہمسرِ شاہین و چرغ کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار
(ا ح: ۶۵۲)

Marfat.com

جب شاہین کا بچہ قفس میں دانہ کھانے پر رضامند ہو گیا تو وہ چڑیا کے پَر کے سائے سے بھی ڈرتا ہے

انسان کی عادات اس کو اچھا یا بُرا بنانے کا سبب بنتی ہیں۔ جن لوگوں کے بچے غلط روش میں پڑ جائیں تو وہ بڑے ہو کر اچھے کام نہیں کر سکتے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اگر شاہین کا بچہ قفس میں دانہ کھانے پر مطمئن ہو جائے تو وہ چڑیا کے پَر کے سائے سے بھی ڈرنے لگے گا۔

چوں شاہیں زادۂ اندر قفس با دانہ می سازد تنش از سایۂ بالِ تَدَورے لرزہ می گیرد
(پ م: ۳۲۳)

(جب شاہین بچہ قفس کے اندر دانہ کھانے پر مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کا بدن چڑیا کے سائے سے بھی لرزنے لگتا ہے)

وہ طوطے جن کے بال و پر باندھ دیئے جاتے ہیں تو وہ اپنے پنجرے میں خوش رہتے ہیں۔ ان کو اگر پنجرے سے باہر نکالا جائے تو خود بخود پنجرے میں چلے جائیں گے کیونکہ قفس کی غلامی انہوں نے قبول کر لی ہے۔ علامہؒ نے فرمایا کہ ہماری قوم کے لوگ بھی غلامی پر رضامند ہو چکے ہیں۔ ان کو آزادی کی طرف آمادہ کرنا ایک نہایت مشکل امر ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند
تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزاں میں مرغانِ سحر خواں میری صحبت میں ہیں خورسند
لیکن مجھے پیدا کیا اُس دیس میں تُو نے جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضامند
(ض ک: ۴۸۵)

شاہین و ماہی (مچھلی)

''پیامِ مشرق'' میں علامہ اقبالؒ نے 'شاہین و ماہی' میں جو اشعار تحریر فرمائے ہیں،

Marfat.com

اس میں ایک مچھلی کے بچے کی شاہین کے بچے سے گفتگو رقم فرمائی ہے۔ مچھلی کا بچہ شاہین کے بچے کو کہتا ہے کہ یہ پانی جو تم دیکھتے ہو تمام کا تمام بہت وسیع و عریض دریا ہے۔ اس میں مگرمچھوں کی گرج، قیامت خیز سیلاب اور مختلف قسم کی بلائیں نظر آتی ہیں جو مچھلیوں کو برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ دریا کی مشکلات اور پریشانیوں کا پُرجوش ذکر کرتے ہوئے مچھلی کے بچے کا منہ سرخ ہو گیا۔ اس کی باتوں کو سن کر شاہین کے بچے نے ہوا میں اڑان بھر لی اور کہا کہ میں شاہین ہوں میرا زمین سے کیا کام۔ صحرا ہو یا دریا، سب ہمارے پر کے نیچے ہوتے ہیں۔ تم بھی پانی سے نکل کر ہوا میں آؤ۔ اس نکتے کو وہی آنکھ دیکھ سکتی ہے جو بینا ہو۔

علامہ اقبالؒ کے اس کلام سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ لوگ مصائب میں گرفتار ہوں یا پریشانیوں میں مبتلا ہوں، بہادر لوگوں کو ان مصائب کی پروا نہیں ہوتی۔

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر — ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

(ض ک: ۵۰۳)

ماہی بچۂ شوخ بہ شاہیں بچۂ گفت — ایں سلسلۂ موج کہ بینی ہمہ دریاست

(ایک شوخ بچۂ ماہی نے شاہین بچہ سے کہا کہ تو یہ جو سلسلۂ موج دیکھتا ہے یہ سارا دریا ہے)

دارائے نہنگانِ خروشندہ تر از میغ — در سینۂ اُو دیدہ و نادیدہ بلاہاست

(ایسے مگرمچھ ہوتے ہیں جو بادل سے بڑھ کر گرج رکھتے ہیں، علاوہ ازیں اس کے سینے میں کئی دیکھی اَن دیکھی بلائیں ہوتی ہیں)

بیروں نتواں رفت ز سیلِ ہمہ گیرش — بالائے سرماست، تہِ پاست، ہمہ جاست

(اس ہمہ گیر محیط سے باہر نکلا نہیں جاتا، یہ ہمارے اوپر نیچے ہر طرف پھیلا ہوا ہے)

ماہی بچہ را سوزِ سخن چہرہ برافروخت — شاہیں بچہ خندید و زساحل بہ ہوا خاست

(ماہی کے بچے نے اتنے جوش سے بات کی کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ شاہیں بچہ مسکرایا اور اس نے ہوا میں اڑان لی)

زد بانگ کہ شاہینم و کارم بہ زمیں چیست — صحراست کہ دریاست تہِ بال و پرِ ماست

(پھر فضا سے) آواز دی کہ میں شاہین ہوں، زمین سے میرا کیا کام؟ صحرا ہو کہ دریا سب میرے بال و پر کے نیچے ہیں)

Marfat.com

بگذر ز سرِ آب و بہ پہنائے ہوا ساز ایں نکتہ نہ بیند مگر آں دیدہ کہ بیناست
(پانی سے نکل کر ہوا کی وسعت میں آ، اس نکتے کو وہی آنکھ دیکھ سکتی ہے جو بینا ہو یعنی دنیا میں پھنسے ہوئے لوگ یہ بات نہیں سمجھ سکتے) (پ م: ۷۔۲۸۶)

انسان نے شاہین کی پرواز کی طرح جہاز بنایا

''پیامِ مشرق'' میں 'طیارہ' کے عنوان سے لکھے گئے اشعار میں علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے کہ درخت پر بیٹھا ایک پرندہ دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ آدم کی اولاد کو بال و پر عطا نہیں کیے۔ اس سادہ منش انسان کو زمین پر چلنے والا ہی بنایا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کہا کہ اگر تو برا نہ مانے تو انسان کو اللہ تعالیٰ نے جہاز (طیارہ) کی شکل میں ایسے بال و پر عطا کیے ہیں جن میں شاہین کی پرواز اور عقاب کی قوت ہے اور تمام راہوں پر نگاہ رکھتا ہے۔ انسان نے مٹی اور پانی سے گویا ایسا جبرئیل بنا لیا ہے کہ جو اسے بلندیوں تک لے جاتا ہے۔ یہ بات سن کر پرندے نے کہا کہ تم لوگ دلائل کی کمی بیشی میں، بلندی و پستی میں الجھے رہتے ہو۔ کیا تم نے زمین کے معاملات درست کر لیے ہیں جو اب آسمان پر اڑنا شروع کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا کلام میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان بلندی کی طرف اس وقت جانے کی اہلیت رکھتا ہے جب وہ زمین کے معاملات کو سیدھا کر لے۔ اگر ایک شخص نماز و روزہ کا پابند نہیں تو اس کو طریقت کی بلند و بالا باتیں کرنے کا حق نہیں۔

نداد ند بال آدمی زادہ را زمیں گیر کردند ایں سادہ را
(آدم کی اولاد کو بال و پر نہیں دیئے گئے، اس سادہ منش کو زمین پر چلنے والا ہی بنایا گیا ہے)

ز طیارۂ ما بال و پر ساختیم سوئے آسماں رہگذر ساختیم
(ہم نے ہوائی جہاز کو اپنے بال و پر بنالیا ہے اور اس طرح آسمان کی طرف اپنا راستہ نکال لیا ہے)

بہ پروازِ شاہیں، بہ نیرو عقاب بجنبش ز لاہور تا فاریاب
(اس میں شاہین کی پرواز اور عقاب کی طاقت ہے، لاہور سے فاریاب تک کا راستہ ان کی

Marfat.com

آنکھ میں رہتا ہے)

مگر اے نگاہ ہے تو بر چون و چند اسیرِ طلسمِ تو پست و بلند

(مگر اے انسان تیری نگاہیں تو دلائل پر لگی رہتی ہیں اور تو پستی اور بلندی کے جادو کا غلام ہے)

تو کارِ زمیں را نکو ساختی؟ کہ بآسماں نیز پرداختی؟

(کیا تو نے زمین کے معاملے درست کر لیے ہیں جواب آسمان پر اڑنا شروع کر دیا ہے)

(پ م:۳۰۹)

خاک سے اٹھو اور شاہینی سیکھو

علامہ اقبالؒ نے مشاہدہ کیا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کو اپنے احوال بدلنے کا خیال تک نہیں آتا اور وہ تمام عمر سستی اور غفلت کی نذر کر دیتے ہیں۔ اس بے کار زندگی سے ابھارنے کے لیے وعظ و نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں اس اہلیت کے حامل بہت کم لوگ دیکھے جاتے ہیں۔ حکومت اگر مدرسوں اور رفاہِ عامہ کے اداروں میں اس قسم کے مواعظ کا خیال رکھے تو ان کو بیدار کرنے میں کچھ مشکل نہیں رہتی۔

علامہؒ نے لوگوں کو یہ سبق دیا ہے کہ تم کب تک اپنی زندگی کی قبا کو چاک رکھو گے اور کب تک چیونٹیوں کی طرح زیر خاک رہو گے۔ شاہین ایک بلند ہمت پرندہ ہے اس کی زندگی سے سبق سیکھو اور شاہینی کے انداز سیکھو۔ بلند پرواز پرندوں کے رزق میں کمی نہیں رہتی۔

قبائے زندگانی چاک تا کے؟ چو موراں آشیاں در خاک تا کے؟

(کب تک تم اپنی زندگی کی چادر کو چاک رکھو گے۔ چیونٹیوں کی طرح خاک میں آشیاں کب تک رکھو گے)

بہ پرواز آ و شاہینی بیاموز تلاشِ دانہ در خاشاک تا کے؟

پرواز میں آ، شاہینی سیکھ، (چیونٹی کی طرح) کب تک مٹی میں اپنا رزق تلاش کرتا رہے گا)

(پ م:۲۴۵)

Marfat.com

تسخیرِ فطرت سے آمادگی پیدا کرو

''پیامِ مشرق'' میں 'آدم کے افکار' کے متعلق علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے کہ جب انسان کو پیدا کیا گیا تو کائنات والوں نے شور بلند کیا کہ ایسا انسان پیدا ہو گیا ہے جو اپنے آپ کا شعور رکھتا ہے اور اپنے آپ کو توڑ کر از سرِ نو بنا سکتا ہے۔ یہ انسان پردوں کو چاک کر دینے والا، اپنی آرزوؤں سے ایک نیا جہان پیدا کرنے والا آ گیا ہے۔

ابلیس نے کہا کہ آدم کو سجدہ نہ کروں گا وہ خاکی ہے اور میں آتشی ہوں۔ میرے اندر طوفانوں کی کڑک ہے اور میری وجہ سے کائنات کی رگوں میں خون جوش مارتا ہے۔ میں قوموں کے بنائے قوانین میں سوز و ساز ڈالتا ہوں۔ میں ان کے دریاؤں کے جوہر کو تب و تاب عطا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے آدم کو عطا کردہ سکون کو تپش دے کر اس کو گمراہ کرتا ہوں۔ میں فرشتوں کی خوئے سجدہ کی پرواہ نہیں کرتا۔ خاکی انسان جو پست نظر اور کم حوصلہ ہے، پیدا تو آغوشِ فطرت میں ہوا لیکن یہ میرے سائے میں پلے گا۔

ابلیس نے انسان کو جنت سے نکالا۔ اس کا خیال ہے کہ جنت کی فضا سے بہتر ہے کہ انسان دنیا میں آ جائے اور آرام سے سوز و ساز کی زندگی گزارے کیونکہ یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ جال کے اندر تڑپ کر فاختہ بھی شاہین بن جاتی ہے۔ جنت میں تو سوائے نیاز مندانہ سجدوں کے انسان کو کیا ملتا ہے۔ انسان کو جو کہ سست عمل ہے سرو کی طرح اٹھ جانا چاہیے۔ جنت کی پُر لطف فضا نے انسان کے سرگرم ہونے کا لطف ختم کر دیا ہے۔ دنیا میں آ کر انگور کی شراب پی، دنیا کو دیکھنے والی آنکھ کھول اور دنیا کے نظارے کے لیے جنت سے باہر نکل۔ دنیا کے دریا میں آ کر موتی بن جا۔ تو چمک دار تلوار کے میان سے باہر آ۔ شاہین کی طرح مضبوط بازو کھول۔ دنیا میں آ کر چڑیوں کا خون بہا۔ دوامی وصال کیا کرے گا، محبت میں جینا سیکھ۔

زندگی سوز و ساز، بہ زسکونِ دوام فاختہ شاہیں شود از تپشِ زیرِ دام
(سکونِ دوام سے سوز و ساز کی زندگی بہتر ہے، جال کے اندر تڑپ کر فاختہ شاہین بن جاتی ہے)

قطرۂ بے مایہ، گوہرِ تابندہ شو از سرِ گردوں بیفت، گیر بدریا مقام
(تو بے قسمت قطرہ ہے، چمکدار موتی بن، آسمان یعنی بہشت سے نیچے آ، دریا میں مقام اختیار کر)

Marfat.com

بازوئے شاہیں کشا، خونِ تدرواں بریز — مرگ بود باز را زیستن اندر کنام

(شاہین کے سے مضبوط بازو کھول، چڑیوں کا خون بہا، باز کے لیے گھونسلے میں بیٹھے رہنا زندگی نہیں موت ہے) (پ م: ۲۵۶، ۲۵۷)

آدم جب جنت سے نکلا تو کہتا ہے یہاں آ کر زندگی کو سوز و ساز بنا لینا کیا خوب بات ہے۔ کوہ و دشت و صحرا کے دل کو ایک لحظہ میں نرم کر دینا کیا خوب ہے۔ جنت سے نکل کر آسمانوں کا راستہ طے کرنا، ستاروں سے راز و نیاز کی باتیں کرنا کیا مزے کی بات ہے۔ دل کے پنہاں سوز اور بدن کی نیاز مندی یعنی سجود سے اللہ کی شانِ کبریا سے آشنا ہونا بہت لطف آمیز بات ہے۔ کبھی دنیا میں پھول اور کانٹے میں امتیاز کرنا عجیب مشغلہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں پر آ کر معلوم ہوا کہ میں سرتاپا سوزِ ناتمام ہوں اور یہاں دردِ آرزو کے سوا کچھ نہیں۔ چونکہ میں جستجو پر جان دیتا ہوں اس لیے یقین کو چھوڑ کر گمان مول لے لیتا ہوں۔ یہاں پر ہر لحظہ نیا شوق، نئی آس، نئی ایجادات اور نئی دنیا کا شوق رہتا ہے۔

شاہین میں بہت سی خوبیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے شاہین کو ایک ضرب المثل کے طور پر استعمال کیا ہے اور ان میں جو خوبیاں آپ نے محسوس کی ہیں ان کا ذکر درج ذیل بیان میں جمع کر دیا ہے۔ شاہین نے اپنے بچے کو جو نصیحتیں کی ہیں ان کا ذکر علامہ اقبالؒ نے "پیامِ مشرق" میں شاہینوں کی شناخت کے طور پر لوگوں کی آمادگی کے لیے لکھ دیا ہے۔ شاہین نے اپنے بچے کو کہا کہ اگرچہ باز ایک مٹھی بھر پروں پر مشتمل ہے لیکن اس کا دل شیر کی طرح مضبوط تر ہے۔ ان سب کا تعلق ایک جوہر (خوبی والی نسل) سے ہے اور اپنی خوبیوں اور اچھی عادات کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اس قبیلے کے افراد پختہ تدبیر کے حامل، جسور و غیور، بڑے غیرت مند اور بڑا شکار کھیلنے والے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو درج ذیل باتوں کا خیال رکھنے کا کہتا ہے:

تو دانی کہ بازاں ز یک جوہر اند — دلِ شیر دارند و مشتِ پر اند

(تو جانتا ہے کہ سارے باز ایک جوہر سے ہیں، ان کا دل شیر کا ہے، ویسے مشتِ پر نظر آتے ہیں)

نکو شیوہ و پختہ تدبیر باش — جسور و غیور و کلاں گیر باش

Marfat.com

(تجھے چاہیے کہ اچھی عادات اور پختہ تدبیر اختیار کرے۔ جرأت مند، غیرت مند اور بڑا شکار کرنے والا بن) (پ م: ۲۷۲)

اچھی صحبت میں رہو

شاہین کی نصیحتوں میں اس بات کا خاص ذکر کیا ہے کہ جانور اور انسان بھی ایک خاص ماحول اور سوسائٹی میں رہ کر ایک دوسرے کی صحبت سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ اگر صحبت اچھے لوگوں کے ساتھ ہو گی، ان کی نسل کے بچے بھی اچھی صحبت سے درجۂ کمال کو پہنچ سکتے ہیں۔ اس لیے شاہین اپنے بچوں کو نصیحت کرتا ہے کہ گھٹیا اور پست ہمت پرندوں مثلاً چکور، تلیر، صحرائی مرغ اور سارس سے میل جول نہ رکھو، ورنہ تم بھی ایسے ہی بن جاؤ گے۔ ہاں اگر ان کا شکار مقصود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، ان کا شکار کیا جا سکتا ہے۔ اگر تم ان کی صحبت اختیار کرو گے تو خود ہی ان کمتر جانوروں کا شکار بن جاؤ گے۔

میامیز با کبک و تورنگ و سار • مگر ایں کہ داری ہوائے شکار

(تیتر، تلیر، تورنگ، سارس سے میل جول نہ رکھ سوائے اس کے کہ انہیں شکار کرنا مقصود ہو)

چہ قومے فرومایہ ترسناک! کند پاک منقارِ خود را بخاک

(یہ کیسے کمینے اور ڈرپوک پرندے ہیں جو اپنی چونچ سے مٹی کھود کر خوراک تلاش کرتے ہیں)

شد آں باشہ نخچیر نخچیر خویش کہ گیرد ز صید خود آئین و کیش

(وہ باشہ (شکاری پرندہ) خود اپنے شکار کا شکار ہو جاتا ہے جو اس کے سے طور طریقے اختیار کر لیتا ہے) (پ م: ۲۷۲)

گھٹیا پرندوں سے نفرت کرو، ان کی بد عادات کی وجہ سے

جن پرندوں کا اوپر نام لیا گیا ہے وہ ڈرپوک اور کمینے پرندے ہیں جو اپنی چونچ سے مٹی کھود کر خوراک حاصل کرتے ہیں۔ باشہ جیسا شکاری پرندہ خود اپنا شکار ہو جاتا ہے۔ بہت سے پرندے جو زمین پر چلتے ہیں وہ چڑیوں کی صحبت میں رہ کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اپنی عادات پر نگاہ رکھو اور خودداری اختیار کرو۔ خوشی سے وقت گزارو۔ تن

Marfat.com

آسانی اور نرم و نازک بدن (تیہو، تیتر، بٹیر، کوا) جیسے چھوٹے پرندوں کے لیے چھوڑ دو اور اپنی رگِ بدن ہرن کے سینگ کی طرح مضبوط رکھو۔

بسا شکرہ افتادہ بر روئے خاک　　شد از صحبتِ دانہ چیناں ہلاک

(بہت سے شکرے جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں، وہ چڑیوں کی صحبت سے ہلاک ہو جاتے ہیں)

نگہ دار خود را و خورسند زی　　دلیر و درشت و تنومند زی

(تم اپنے پر نگاہ رکھو اور خوددار بن اور خوش رہ، دلیری، درشتی اور تنومندی اختیار کر)

تنِ نرم و نازک بہ تیہو گزار　　رگِ سخت چوں شاخِ آہو بیار

(نرم و نازک بدن تیہو کے لیے رہنے دو۔ تو اپنی رگ (بدن) کو ہرن کے سینگ کی مانند مضبوط رکھ)

(پ م: ۲۷۲)

شاہین اپنے بچے کو یہ بات سکھاتا ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں خوشی اور شادمانی نظر آتی ہے وہ سخت کوشی، محنت اور بلند ہمتی کی برکت سے ہے۔ علامہ اقبالؒ خود اپنے لیے بھی فرماتے ہیں:

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے　　زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں میرا جوہر آشکار ہوا　　قلندری سے ہوا ہے، تونگری سے نہیں

(ض ک: ۴۸۲)

عقاب اپنے بچوں کو کہتا ہے کہ شکار کے خون کا ایک قطرہ ہمارے قیمتی لعل سے بہتر ہے۔ عقاب یہ نصیحت کرتا ہے کہ ہرنوں اور بھیڑوں کی طرح گروہ نہ بنا۔ اپنے بڑوں کی طرح خلوت اختیار کر۔ عقاب کو اپنے بزرگوں کی نصیحت یاد ہے کہ اس سے کہا گیا تھا کہ درختوں پر اپنا نشیمن نہ بنا، باغ یا پھلواڑی میں اپنا گھر نہ بنانا۔ ہمارے لیے کوہ و صحرا ہی بہشت ہے۔

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں　　کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

(ب ج: ۴۵۷)

Marfat.com

نصیب جہاں آنچہ از خرمی است　　زسنگینی و محنت و پُردمی است

(دنیا میں جتنی مسرت موجود ہے وہ سخت کوشی، محنت اور بلند ہمتی (کی برکت) سے ہے)

چہ خوش گفت فرزندِ خود را عقاب　　کہ یک قطرہ خوں بہتر از لعل ناب

(عقاب نے اپنے بیٹے سے کیا خوب کہا، خون کا ایک قطرہ قیمتی لعل سے بہتر ہے)

مجو انجمن مثل آہو و میش　　بخلوت گر، چوں نیاگانِ خویش

(ہرنوں اور بھیڑوں کی طرح گروہ نہ بنا، اپنے بڑوں کی مانند خلوت اختیار کر)

چنیں یاد دارم ز بازانِ پیر　　نشیمن بشاخِ درختے مگیر

(مجھے بوڑھے بازوں کی ہر بات یاد ہے کہ درخت کی شاخ پر اپنا نشیمن نہ بنا)

کنامے نگیریم در باغ و کشت　　کہ داریم درکوہ وصحرا بہشت

(ہم باغ یا پھلواری میں گھر نہیں بناتے۔ ہمارے لیے کوہ وصحرا ہی بہشت ہیں)

(پ م: ۲۷۲)

دنیا میں جو بڑے آدمی گزر چکے ہیں وہ بڑے بڑے اصولوں کو اپنا کر بڑے بنے ہیں اور شاہین بھی ان ہی اصولوں پر عمل پیرا ہے۔ اسی لیے وہ پرندوں کی دنیا کا درویش کہلاتا ہے۔

Marfat.com

باب ۸

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام

(میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب)

شوق اور ذوق کے ساتھ وصفِ مشاہدہ میں جو نماز ادا کی جائے وہ نماز بقول علامہ اقبال ؒ "اور" ہی کچھ ہو جاتی ہے۔ جس کی نمازی کو تلاش کرتے رہنا ضروری ہے۔ خدا کو سامنے دیکھ کر سجدہ کرنا اور بات ہے اور اندھا دھند سجدے کرنا، ماتھا رگڑنے کے مترادف۔ مجاہدے اور مشاہدے پر ہماری تصنیفات ("جنیدؒ و بایزیدؒ" اور "اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبال) میں کافی ذکر آ چکا ہے۔ غالبؔ کا شعر ہے:

واکر دیئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا
(غالبؔ)

(دیوانِ غالبؔ، ص ۳۴، بہ تصحیح متن و ترتیب حامد علی خان، مطبوعہ ۱۹۹۵ء)

اللہ تعالیٰ کی محبت میں ذکر و فکر اور مراقبہ کرنے کے بعد مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے۔ جہاں ذکر و فکر وغیرہ کی انتہا اور تکمیل ہو جائے تو وہاں عموماً مشاہدہ کی ابتداء ہو جاتی

Marfat.com

ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص کسی حسین و جمیل شخص کی آنکھوں، کانوں، ناک، بالوں اور لباس کی وضع قطع کا وافر ذکر کرتا ہے اور اس کے ذکر میں کہیں کوئی کمی نہیں رہتی تو اسی دوران اگر وہ شخص اس مجلس میں آ جائے جہاں اس کا ذکر ہو رہا ہے تو پھر ذکر ختم ہو جائے گا اور اس شخص کے حسن و جمال کا مشاہدہ ہونا شروع ہو جائے گا۔ اب یہ دیکھنے والوں کے ذوق کا تقاضا ہے کہ اس مشاہدے کے بعد ان کا کیا ردعمل ہوتا ہے۔ کئی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے بعد سیب کاٹنے والی چھری سے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ عورتوں کے اس عمل سے زلیخا خوش ہوگئی کہ وہ عورتیں یوسف علیہ السلام (ماہِ کنعاں) کو دیکھ کر اس قدر محو ہو گئیں کہ ان کو اپنے وجود کا بھی ہوش نہ رہا اور کاٹنے کا درد بھی نہ ہوا۔

نماز ایسی صورت میں گزاری جائے (جس کی کیفیات اس تحریر کے احاطے سے باہر ہیں) تو نمازی کہتا ہے: ؎

تو سامنے ہو تو میں سجدہ کروں، پھر لطف ہے سجدہ کرنے کا
تو اور کہیں میں اور کہیں تیرے نام کو سجدہ کون کرے

ہماری تصنیف ''جنیدؒ و بایزیدؒ'' کے محیر العقول واقعات میں یہ بات بھی درج کی گئی ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس یہ شکایت لے کر آئی کہ اس کا خاوند ایک اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا ''بی بی ہم اس کو منع نہیں کر سکتے کیونکہ شریعت نے چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس عورت نے کہا کہ یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن اگر شریعت اجازت دیتی اور میں اپنا حسن آپ کے سامنے بے نقاب کر دیتی تو آپ خود اس بات کی تصدیق کرتے کہ جس کی بیوی میرے جیسی حسین ہو، اس کے لیے یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ وہ دوسری شادی کی بات بھی کرے۔ یہ بات سن کر آپ بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش میں آئے تو فرمایا: ''یہی بات خدا نے انسانوں کے لیے کہی ہے، وہ یہ کہ اگر میں لوگوں کو اپنا حسن و جمال دکھا دوں تو کوئی شخص دنیا اور اس کی دل فریبی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے۔''

نماز میں دوسری بات جو قابل توجہ ہے وہ نماز کے قیام و سجود کا حجاب میں نہ ہونا ضروری ہے۔ اس حجاب کی گہرائی میں جانا مقصود ہو تو ''کشف المحجوب'' میں حجابات کے

Marfat.com

کشف کرنے کے متعلق گفتگو کی گئی ہے، اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ راقم الحروف کی کتاب ''سرمایۂ ملت'' (جو کچھ عرصے کے بعد انشا اللہ طباعت کے زیور سے آراستہ ہوگی) میں کافی اختصار سے آفاتِ علم کے باب میں شامل کی گئی ہے۔

حجابات کی اقسام

ہر وہ چیز جو بندے کو حق تعالیٰ سے سر دلبران (حجاب میں چھپا ہوا) کر دے، حجاب ہے۔ حجابِ علم اور حجابِ خودی بہت بڑے حجابات ہیں۔ حافظ نے فرمایا ہے کہ انسان خود بھی ایک حجاب ہے اور اس کے بدن کو 'لباسِ غیر' کہتے ہیں۔

حجاب چہرۂ جاں می شود غبار تنت تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز

(تیری جان کے چہرے کا حجاب تیرے تن کا غبار بن چکا ہے، اے حافظ تو خود اپنے لیے ایک پردہ ہے، درمیان سے اٹھ جا)

حجاب کئی قسم کا ہوتا ہے: حجاباتِ (۱) رین، (۲) غین، (۳) طلسماتی، (۴) ناسوتی، (۵) نورانی، (۶) ملکوتی، (۷) کیفی کے علاوہ حجابِ عظمت اور حجابِ خودی وغیرہ ہیں۔

حجابِ رین

یہ کفار کے دل پر مہر، منافقوں کے دل پر زنگ یا قساوت اور مومنوں کے دل پر میل اور زنگ کی صورت میں ہوتے ہیں۔ قلبی حجاب ذاتی حجاب ہوتا ہے اور اس میں حق و باطل ایک ہو جاتا ہے۔ یہ دل پر داغ کی مانند ہوتا ہے جس کا صاف ہونا مشکل ہے لیکن ذکر سے دل چمک جاتا ہے۔

حجابِ غین

یہ دل پر تیرگی کے بادل ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ دن میں ۷۰ بار استغفار

Marfat.com

فرماتے کیونکہ دن میں آپ ﷺ کے ۷۰ درجے بلند ہوتے تھے اور ہر بار آپ ﷺ نچلے درجے کو دیکھ کر استغفار فرماتے۔ حجاب غینی کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ یہ نماز روزے اور ذکر الٰہی سے صاف ہو جاتا ہے۔

عوام کے حجاب

نفسانی آفات کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

خواص کے حجاب

عقلی حجابات عقلی لذات اور عالم ملکوت کی مرغوبات سے اور کرامات میں مستغرق رہنے اور روح کے مشاہدے میں لگے رہنے سے ہوتے ہیں۔

اہل محبت کے حجابات

جن درجات میں قلب مشاہدہ کرتا ہے اس مقام تک عروج کرنا۔ جن مرغوبات اور مخصوص رحمتوں کو دیکھتا ہے ان کو نہ چھوڑنا اور اس سے بلند تر مقام پر ترقی نہ کرنا ہے، جیسا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ ایک مقام پر کئی سالوں تک رکے رہے جبکہ حضور ﷺ کے ایک دن میں ستر (۷۰) درجات بلند ہوتے تھے۔

شرک فی الوجود

ہستی حقیقی کی نسبت اپنے اوپر کرنا ظلم ہے۔ اپنی ہستی کو صفر جان کر ہم اپنی ہستی کا عدم (نہ ہونا) تصور کرتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے تھے کہ لوگوں کی توبہ گناہوں سے ہے اور میری توبہ کلمہ لا الہ الا اللہ سے ہے۔ یعنی اپنی ہستی کو خدا کی ہستی سے الگ تصور نہ کرنا۔ کافر لا الہ کہے تو مسلمان ہو جاتا ہے مگر یہ کلمہ ادا کرنا خود ایمان پیدا نہیں کرتا جب تک شرک فی الوجود کی نفی نہ کرے۔ اس شرک کے ہوتے ہوئے نماز، روزہ وغیرہ کی عبادت مجازی کہلاتی ہے، نور پیدا نہیں کرتی۔ اپنی تصنیف ''جنید و بایزیدؒ'' کے ابتدائی

Marfat.com

اوراق میں ہم نے حضرت بایزید بسطامیؒ کے حج کی کیفیات کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے جب آپ نے پہلی بار حج کیا تو خدا کا گھر نظر آیا لیکن گھر والا نظر نہیں آیا۔ فرماتے ہیں میں نے سوچا کہ حج مقبول نہیں ہوا کیونکہ پتھر، میں نے پہلے بھی دیکھے ہیں، دوسرے حج میں خانہ کعبہ بھی نظر آیا اور خانہ کعبہ والا (خدا) بھی نظر آیا تو میں سمجھ گیا کہ حقیقت توحید ابھی منکشف نہیں ہوئی کیونکہ قدیم (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ حادث (خانہ کعبہ) بھی نظر آ رہا ہے۔ تیسری بار تمام کا تمام جلوۂ خداوندی نظر آیا۔ نہ بیت اللہ تھا نہ کچھ اور۔ اس پر مجھے ندا آئی کہ اے بایزید! اگر تو خود کو بھی نہ دیکھتا تو یہ شرک نہ ہوتا۔ فرمایا اس ندا کے بعد میں نے توبہ کی اور پھر توبہ سے بھی توبہ کی کیونکہ توبہ کرنے والا اپنے وجود کو مان کر توبہ کرتا ہے اور اپنا وجود ثابت کرنا شرک ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ جب تک نمازی اپنے وجود سے الگ نہ ہو جائے تو اس وقت تک شرک کا خطرہ نہیں ٹلتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ الٰہی! تجھ تک کس طرح پہنچوں؟ فرمایا اپنے آپ سے الگ ہو کر آ جاؤ۔ خلاصہ یہ کہ نماز میں خیالات (نیک و بد) کی نفی کرے۔ اپنے بدن اور در و دیوار اور ہر غیر اللہ کی نفی کرے تو انسان سجدے کے لائق ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ رسول اللہ ﷺ اور مشائخ کبار کو خارج از نماز کر دے۔ ان بزرگوں سے تو کرنٹ نصیب ہوتا ہے ورنہ یہ مقام تو ہرگز نہیں مل سکتا۔ بزرگوں کا یہی قاعدہ رہا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ میرا قدم ہر ولی اللہ پر ہے۔ اگر مقصود خدا ہے تو سلسلۂ محبت میں منسلک رہنا بھی مقصود میں سے ہے۔

یہاں مقصودیت کا مطلب سمجھنا ضروری ہے کیونکہ لوگ ان بزرگوں کو ماسویٰ اللہ میں شمار کرتے ہیں۔ ماسوی اللہ میں سونا چاندی اور خواہشات کے بت اور کفار کے بت شامل ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا وہ قصہ یہاں دہرانا ضروری ہے جب کہ ایک دن آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ابا جان! آپ کو مجھ سے محبت ہے؟ فرمایا ہاں ہے۔ پوچھا کیا آپ کو بھائی حسنؓ سے بھی محبت ہے؟ تو فرمایا ہاں ہے۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ کیا آپ کو ہماری اماں سے بھی محبت ہے؟ تو فرمایا ہاں ہے۔ پھر پوچھا کہ کیا آپ کو نانا جان سے محبت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ہے۔ عرض کی کہ ابا جان یہ

Marfat.com

محبت ہے یا کباڑ خانہ ہے؟ آپ نے ان کو اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا یہ تمام محبتیں الگ الگ تو ہیں مگر یہ سب ایک ہی کی محبت کہلائے گی۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ ان سب کی محبت اللہ کی ہی محبت کہلائے گی۔ محبت الٰہی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اور محبت اولیائے کرام کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایک قدم نہیں چلا جا سکتا۔ ان کے قدموں کے صدقے تو ہم مسلمان ہیں اور جو کچھ بھی ہمیں ملتا ہے انہی کے لطف و کرم اور وسیلے سے ملتا ہے۔ اس بات کا علم آخرت میں سب کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ کل قیامت کو مان جانا تو اظہر من الشّمس ہے۔ بہتر ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کو اس دنیا میں ہی مان لیا جائے۔ اس عقیدے کے لوگوں نے اپنی نعتوں میں تو رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لیے پکارا ہے اور اشعار میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعے مدد مانگی ہے۔ جو نماز بے حضور ہو تو اس سے کنارا کیا جائے اور حضور قلب والی نماز ادا کرنے کی کوششیں تیز تر کر دی جائیں اور ایسے امام سے بھی اجتناب کیا جائے جن کی اقتدا میں نماز ذوق و شوق والی نماز نہیں ہو سکتی۔

حضرت عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام پہلے خود بھی اولیاء کے منکر تھے۔ جب ابوالحسن شاذلیؒ کی بیعت کی تو خود بھی صاحبِ کرامت ہوئے اور فرمایا کہ گروہِ صوفیا دین کی بڑی بنیاد پر قائم ہے اور اس کی دلیل ان کی وہ کرامات ہیں جو ان کے ہاتھوں پر صادر ہوتی ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ ان بزرگوں کو نہیں مانتے ان کے چہروں پر راندۂ درگاہ ہونے اور غضب الٰہی کی علامات پائی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں اور یہ حقیقت اہل مشاہدہ سے پوشیدہ نہیں۔ علامہ اقبالؒ کے زیر عنوان درج شدہ شعر میں اسی بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر امام درست نہیں تو مقتدیوں کی نماز بھی درست نہیں ہو سکتی۔ اگر امام کا عقیدہ ہی اپنے من گھڑت فتووں پر مبنی ہو تو وہ اولیاء اللہ جیسی نمازیں کس طرح پڑھ سکتے ہیں اور کس طرح پڑھائیں گے۔ علامہ اقبالؒ نے ایسے علماء اور مُلّاؤں کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے اور فرمایا ہے ہمارے مولوی تو کافر گر اور مشرک گر ہیں۔ تنگیٔ قرطاس کی وجہ سے اس موضوع پر زیادہ تفصیل مہیا کرنا زیرِ غور مضمون کی افادیت سے باہر ہے۔

علامہؒ کے کلام میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو شخص مسافر ہو تو اسے جلدی سے کوئی

Marfat.com

منزل قبول نہیں کرنی چاہیے۔ فرماتے ہیں:

اگر نماز خالصتاً لوجہ اللہ پڑھی جائے تو اس کی جزا عام نمازوں سے بہت بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی دنیاوی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے نماز ادا کرنے میں للّٰہیت نہیں رہتی۔ فرمایا کہ نمازی کو دنیاوی حسن اور ملمع سازیوں سے آزاد رہنا چاہیے تا کہ توجہ ایک مرکز (اللہ) پر جمی رہے۔ اس کے علاوہ آپ نے مسلمانوں کا شعار بیان کیا ہے کہ وہ ہمیشہ مشکل طلبی اور جفاکشی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ذہنوں پر عیش پرستی اور آرام طلبی کا بھوت سوار نہیں ہوا۔ یہ غفلت اور آرام طلبی نماز کو مطلوبہ معیار تک لے جانے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ تلوار وہی کام کرسکتی ہے جو تند و چالاک سپاہی کے ہاتھ میں نیام کی آرام گستری سے نکل کر دشمنوں کے عزائم سے ٹکرائے۔

نماز کی حالت کو درست کرنے کے بے بہا موتی کلامِ اقبال میں موجود ہیں۔ جن کی وضاحت اوپر چند اشارات میں کر دی گئی ہے۔ اب ہمت کر کے کام شروع کرنا ہر قاری کا فرض ہے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق

علامہ اقبالؒ کی نظر میں عقل و دل اور نگاہ سے جن کا تعلق رہتا ہے ان کی راہنمائی کرنے والا عشق ہوتا ہے۔ بالِ جبریل" میں 'مسجد قرطبہ' کی نظم میں لکھا گیا ہے کہ عشق کی مضراب سے نغمہ تارِ حیات، عشق سے نورِ حیات، عشق سراپا دوام، عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام، عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ ﷺ اور عشق کے ہزاروں مقام۔ کارگاہِ حیات میں دل اور نگاہ کو بھی بہت بلند مقامات حاصل ہیں۔ آپ نے "مسجد قرطبہ" کی نظم میں یہ شعر لکھا ہے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولین ہے عشق　　　عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

(ب ج: ۴۰۴)

عقل کو دینِ مصطفیٰ ﷺ میں جو مقام حاصل ہے اس کا ذکر اس کتاب کے ایک الگ باب میں کر دیا گیا ہے اور احادیث سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نماز کی ادائیگی

Marfat.com

میں جو مقام عقل کو حاصل ہے وہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔عقل ایک حد سے گزر جائے تو وہ عشق کا مدعا حاصل کر لیتا ہے (اس باب کو ہماری اسی کتاب کی ایک تحریر میں 'وجدان' کے نام سے شامل کر دیا گیا ہے) عقل اور دل اگر یکسوئی حاصل کر لیں تو نگاہ کو بھی ایک خاص مقام حاصل ہو جاتا ہے جس کی تشریح علامہ اقبالؒ نے براہِ راست نگاہ سے کی ہے۔ چنانچہ نماز کی ادائیگی میں اگر عقل و دل و نگاہ کو ایک مرکزیت پر جمع کر لیا جائے تو نماز کا ادا ہونا عام لوگوں کی نماز سے جداگانہ ہو جاتا ہے۔

وہ حرفِ راز جو جنوں کے بغیر ہاتھ نہیں آتا

نماز کی صحت ادائیگی کے لیے جنوں آمیز ولولوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جب تک محبت جنوں کی حد تک پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک اعمال میں شدت کا لگاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ میں سے کوئی شخص آج کے مسلمانوں کو دیکھ لے تو یہی سمجھے گا کہ یہ لوگ مسلمان ہی نہیں ہیں اور اس کے برعکس اگر کوئی آج کا مسلمان صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو دیکھ لے تو وہ سمجھے گا کہ یہ مجنون ہیں کیونکہ ان کے جذبہ میں جنون کی سی شدت نظر آئے گی۔ علامہؒ نے فرمایا ہے:

زمانہ عقل کو سمجھے ہوئے ہے مشعلِ راہ　　کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک
(ب ج:۳۵۹)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ میرے جنوں نے مجھے حیات اور کائنات کے حسین رازوں سے آگاہ کیا ہے۔ انہیں میں اپنی اس مختصر زندگی میں لوگوں تک پہنچا نہیں سکتا۔ جنوں یا عشق یا محبت یا نظر، اقبال کے ہاں تقریباً ہم معنی اصطلاحات ہیں جن کا مطلب ہے انتہائی توجہ، لگن اور گہرا جذبہ۔ آپ نے فرمایا ہے کہ عشق و محبت اور جنوں نے جو راز مجھ پر فاش کیے ہیں وہ اس قدر طویل اور عریض ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے جبرئیل علیہ السلام جیسی طویل عمر دے تو کہوں:

وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں　　خدا مجھے نفسِ جبرئیل دے تو کہوں
(ب ج:۳۱۹)

Marfat.com

اگر نمازی ان جذبات کو اپنے اوپر طاری کر سکے تو نماز کا صحیح مفہوم حاصل ہو سکتا ہے۔

افسانۂ طُور پرانا نہیں ہوا

(نمازی خدا سے باتیں کرتا ہے)

اگرچہ موسیٰ علیہ السلام جیسے عاشق تو نہیں رہے لیکن ان کے اللہ کے ساتھ عشق کا قصہ کسی نہ کسی رنگ میں زندہ رہتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

خرد گفت او بچشم اندر نگنجد نگاہِ شوق در امید و بیم است

(عقل کہتی کہ خدا کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی، مگر نگاہِ شوق ابھی بھی خوف و رجا میں ہے)

نمی گردد کہن افسانۂ طور کہ در ہر دل تمنائے کلیم است

(طُور کا واقعہ اب بھی دہرایا جا رہا ہے کیونکہ ہر دل میں وہی ہے جس کا اظہار موسیٰ علیہ السلام نے کیا) (پ م: ۲۰۸)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طلب ہر ایک کے دل میں ہے، خواہ درخت ہو یا بیج یا پروانہ یا کوئی شاعر یا انسان ہی کیوں نہ ہو۔ غالب نے فرمایا:

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب آ ؤ نہ، ہم بھی سیر کریں کوہِ طُور کی

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہر گل و شجر اور حجر یا کوئی بھی شے ہو خدا کی زیارت کی تمنا رکھتی ہے۔ شمع اور پروانہ بھی اسی قصے کی یاد میں سرگرداں ہیں۔ ہماری تصنیف ''سوز و سازِ رومی'' میں 'عشق' کے باب میں پروانے کے عشق کا معاملہ کافی تفصیل سے دیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ ایک جگہ اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

گرنا تیرے حضور میں اس کی نماز ہے ننھے سے دل میں لذتِ سوز و گداز ہے
کچھ اس میں جوشِ عاشقِ حسنِ قدیم ہے چھوٹا سا طور تو، یہ ذرا سا کلیم ہے
پروانہ اور ذوقِ تماشائے روشنی کیڑا ذرا سا اور تمنائے روشنی
(ب د: ۴۱)

Marfat.com

علماء کا خیال ہے کہ دنیا کی ہر شے اللہ کا مشاہدہ کرنا چاہتی ہے اور تمام شجر و حجر بھی اللہ سے گفتگو کرتے ہیں بلکہ قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل میں تو یہ بھی ہے کہ ''کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔'' (بنی اسرائیل: ۴۴) علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری　　　شجر و حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

(ب د: ۱۳۹)

حدیث شریف میں ہے کہ نماز میں بھی نمازی اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرتا ہے اور اگر انسان سمجھ لے کہ وہ کس کو کہہ رہا ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں) (فاتحہ: ۴) تو نمازی قیامت تک نماز سے منہ نہ موڑے، حتیٰ کہ نماز میں ہی مر جائے۔

نماز پڑھنے کا مزہ تو تب ہی ہے کہ بندہ ایسے نماز پڑھے جیسے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔

'شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام' کا مطلب

علامہ اقبالؒ کی نظم ''ذوق و شوق'' کے نام سے ''بالِ جبریل'' میں موجود ہے۔ اس نظم میں ذوق کا مفہوم، لطف، مزہ، لذت، نشاط وغیرہ جبکہ شوق کا مطلب ہے آرزو، خواہش اور عشق کے جذبات سے لبریز ہونا۔ یہ نظم حضور ﷺ کے لیے اقبال کا ہدیہ اور نعتیہ کلام کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ نظم علامہ اقبالؒ نے لندن میں منعقدہ گول میز کانفرنس ۲۱ نومبر ۱۹۳۱ کے بعد لکھی۔ اس کانفرنس کے بعد آپ اٹلی، مصر اور فلسطین بھی گئے اور بیت المقدس میں مؤتمر عالم اسلامی میں شریک ہوئے۔ اس نظم کا آغاز فلسطین میں ہی ہو گیا تھا۔ اس دورے میں آپ بہت مصروف رہے۔

جب مدینہ منورہ کے قریب سے وہ راہ دیکھی جہاں سے قافلے مدینہ منورہ کی طرف پہنچتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام نے آواز دی کہ تمہیں یہیں رک جانا چاہیے کیونکہ فراق میں عشق اور بڑھ جاتا ہے، اس لیے فراق ہی میں تڑپنا بہتر ہے۔

Marfat.com

اس نظم کے آخر میں آپ نے فرمایا ہے کہ عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کر ہے فراق۔ اس نظم کے چوتھے بند میں درج ذیل اشعار لکھے گئے ہیں جن میں نماز کی صحیح ادائیگی کے لیے آپ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وجود لوح و قلم کا مالک ہے۔ (یعنی تقدیر آپ ﷺ کے عشق اور تقلید سے ہی بنتی ہے) آسمان اپنی تمام وسعتوں کے باوجود آپ ﷺ کے سمندر میں ایک بلبلے کی مانند ہے۔ آپ ﷺ کے تشریف لانے سے دنیا چمک اٹھی اور آپ ﷺ کی وجہ سے عرب کی سرزمین جو ایک ریت کے ذرے کے برابر حقیر تھی، چمک اٹھی۔

حضور ﷺ کی ذات میں شہنشاہی اور درویشی کا کامل امتزاج تھا۔ چنانچہ آپ کے جلال کی جھلک سنجر (سلجوقی سلطنت کا بانی) اور سلیم (عثمانی سلطان جس نے عراق، شام، فلسطین اور مصر کو سلطنت عثمانیہ میں شامل کیا) میں نظر آتی ہے اور آپ ﷺ کا جمال اور قناعت کا جذبہ جنیدؒ اور بایزیدؒ جیسے کامل صوفیاء میں دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں آپ کی محبت کا شوق موجود نہ ہوتو اسکی نماز کا قیام اور سجود دونوں ظاہر داری اور دکھاوا بن جاتے ہیں۔

آپ کی مراد یہ ہے کہ جس کے دل میں عشق مصطفےٰ ﷺ سے خشوع و خضوع قائم نہ ہوتو اس بندے اور خدا کے درمیان پردے اٹھ نہیں سکتے۔ لہٰذا آپ کا تصور نماز کی صحت کو درست کرنے کے لیے از بس ضروری ہے۔

جب حضور ﷺ تشریف لائے تو آپ کی نگاہوں سے عقل اور عشق دونوں اپنی مراد کو پہنچ گئے کیونکہ آپ سے سے قبل عقل محض غیاب (حضور کی ضد) تھی اور جستجو کے پیچھے دوڑ رہی تھی اور آپ کی وجہ سے عشق میں حضور پیدا ہو گیا اور اضطراب بھی حاصل ہوا جو عشق کا جزوِ لاینفک ہے، یعنی آپ کی وجہ سے عقل کو عقل سلیم کا درجہ مل گیا اور عشق والوں کو حضور اور اضطراب کی لگن مل گئی۔ یہ دونوں چیزیں مل جائیں تو نماز کی درستی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا جو نماز آپ ﷺ کے عشق اور محبت میں ادا کی جائے گی وہ اصل نماز کہلانے کی حق دار ہوگی۔ آپ بھی ایسی نمازیں ادا کریں۔ جو نماز آپ کے بغض میں پڑھی جائے، وہ نماز قبول نہیں ہوتی۔

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

Marfat.com

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکت سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود!
فقرِ جنید و بایزید، تیرا جمالِ بے نقاب
شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب
(ب ج: ۴۰۵)

مذکورہ بالا اشعار سے کچھ لوگ غلط معنی اخذ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز میں کسی فرد کا خیال یا رابطہ غیر شرعی بات ہے، بلکہ اس کو شرک تصور کرتے ہیں۔ ان کے اس اعتراض کے بہت سے جوابات ہیں لیکن بجائے چھوٹی چھوٹی دلیلوں کے ایک ایسی دلیل پیش کی جا رہی ہے جس میں اس مسئلہ کا مکمل حل موجود ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف (مکتوب نمبر ۳۰، دفتر دوم، حصہ اوّل) میں لکھا ہے کہ خواجہ محمد اشرف نے نسبت رابطہ (تصور شیخ) کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی نسبتِ رابطہ اس حد تک غالب آ چکی ہے کہ نماز میں بھی اسے (یعنی مرشد کو) اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے اور اگر فرضاً نفی کرے تو نفی نہیں ہوتی۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ اے محبت کے اطوار والے! یہ دولت طالبانِ حق کی تمنا اور آرزو ہے۔ ہزاروں (طالبانِ حق) میں سے شاید ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت اور معاملے والا مرید صاحبِ استعداد اور تام المناسبت ہوتا ہے۔ احتمال ہے کہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لے۔ رابطے (تصور شیخ) کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ مسجود الیہ ہے (جس کی طرف سجدہ کیا جاتا ہے) وہ مسجود لہٗ نہیں (جس کو معبود سمجھ کر سجدہ کیا جاتا ہے وہ مسجود لہٗ ہوتا ہے) اس قسم کا ظہور سعادت مندوں کو میسر آتا ہے تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ (مرشد کامل) کو اپنا ذریعہ جانیں اور تمام اوقات میں اس کی طرف متوجہ رہیں۔ نہ اس بدنصیب گروہ کی طرح جو اپنے آپ کو (تصور شیخ سے) بے نیاز جانتا ہے اور اپنے قبلۂ توجہ کو اپنے شیخ سے پھیر لیتا ہے اور اپنے معاملے کو خراب اور تباہ کر لیتا ہے۔

''تربیتِ عشاق'' میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ ایک شخص نے کچھ عرصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رابطہ کیا اور بالآخر ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات تین دن تک جاری رہیں۔ آپ کی کتاب میں غلط نوعیت کے شرک کی کئی مقامات پر نفی کی گئی ہے اور صاف لکھا ہے کہ ایسی باتیں شرک میں شامل نہیں ہوتیں۔

Marfat.com

جن بزرگانِ اسلام کا تصور کیا جاتا ہے تو اس رابطہ کی وجہ سے جس کا تصور کیا جائے اس کا فیض ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ شیخ کا تصور چونکہ عالم ملکوت سے ہوتا ہے تو ان کے ساتھ جو رابطہ قائم کرے وہ بھی ملکوت سے تعلق رکھنے لگتا ہے۔ نماز ایسی فضا میں پڑھی جانے کا معاملہ ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔

اپنے آباء کی طرح سراسر سجدے میں غرق ہو جاؤ

صحابہ کرامؓ نے نماز کو حضور ﷺ سے سیکھا اور پوری جماعت میں ہر کسی کا کوئی نہ کوئی استاد تھا۔ ان کی یہ حالت دیکھنے میں آتی تھی کہ جب وہ نماز میں قیام کرتے تو معلوم ہوتا کہ زمین میں کوئی چھڑی گاڑ دی گئی ہے۔ ان کے سروں کو بے حرکت دیکھ کر پرندے ان پر بیٹھ جاتے۔ رکوع و سجود بھی اسی طرح ساکن اور بے حرکت ہوتا اور یہ معلوم ہوتا کہ نمازی سراسر نمازِ مجسم بن گیا ہے۔ ایک جنگ میں رات کو ایک صحابی کی ڈیوٹی دشمنوں کی حرکت کی خبر لانے پر لگی تو انہوں نے کچھ فرصت کا موقع نکال کر دو رکعت نماز نفل پڑھنی شروع کی کہ اتنے میں کفار نے ان پر تیر چلانے شروع کر دیے اور انہوں نے نماز کو قطع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ان کے ساتھی نے پوچھا کہ تم نے نماز کو ترک کیوں نہیں کر دیا۔ فرمانے لگے کہ میں نے ایک طویل سورۃ شروع کر دی تھی اور اس کی مکمل قرأت تک میں نے رکوع میں جانا پسند نہیں کیا حالانکہ میرے جسم سے خون جاری ہو گیا تھا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

مثل آباء غرق اندر سجدہ شو   آنچناں گم شو کہ یکسر سجدہ شو

(پ م:۱۳۶)

(اپنے آباء کی طرح سجدے میں اس طرح غرق ہو جاؤ کہ تم سراسر سجدہ بن جاؤ)

اولیائے کرام میں سے ایسے بھی گزرے ہیں کہ نماز کو بڑے اطمینان سے پڑھتے۔ ایک بزرگ کو (نام یاد نہیں) جب امام مقرر کیا گیا تو انہوں نے معذرت پیش کی لیکن جب نمازیوں نے اصرار کیا تو آپ مصلے پر کھڑے ہو گئے اور نماز میں بہت زیادہ وقت لگایا۔ جب پوچھا تو فرمایا کہ جب میں نماز میں قرأت کرتا تو جب تک اللہ تعالیٰ میری

Marfat.com

قرأت کا جواب نہ دے میں آگے نہیں پڑھتا۔ مثلاً جب میں نے الرحمٰن الرحیم کہا تو جب تک اللہ نے یہ نہ کہا کہ ہاں میں ہی رحمان اور رحیم ہوں اس وقت تک میں نے آگے نہیں پڑھا۔ چنانچہ نماز میں وقت زیادہ لگ گیا۔

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سُرور

شاہیں کا جہاں ''اور'' کیسے بن سکتا ہے؟ ایسا کرنے کے لیے کچھ محنت اور کوشش کرنا ہوتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنی ناقص نماز کی رپورٹ آپ خود تیار کریں اور یہ معلوم کر کے کہ اگر نماز واقعی ناقص ہے تو اس کو ٹھیک کرنے کے اقدامات شروع کریں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر، کیونکہ نمازی کو نماز کے آداب بھی سیکھنا ہوتے ہیں تاکہ نماز درست ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ امام کا درست ہونا بھی ضروری ہے۔ امام نماز کا ضامن ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے ''الامام ضامن''۔

جن لوگوں نے حضور ﷺ کے پیچھے نمازیں ادا کی ہیں ان کی نمازوں کے برابر کسی اور کی نماز کیسے ہو سکتی ہے؟ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے لوگ بھی اپنے اپنے وقتوں کے امام بنے۔ آج بھی اولیائے کرام کے پیچھے نمازیں ادا کرنا اپنا رنگ لاتا ہے۔ یہ تفصیل کہ اولیائے کرام کے پیچھے نماز پڑھنے سے کیا ملتا ہے صرف وہی لوگ جانتے ہیں جو اس کا تجربہ حاصل کر چکے ہیں۔

درج ذیل اشعار میں مذکورہ بالا نکتے کے علاوہ اور بھی نکات بیان کیے گئے ہیں جن کی تشریح عیاں ہے۔

تو ابھی رہگزر میں ہے قید مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر، پارس و شام سے گزر
جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر
گرچہ ہے دلکشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طائرکِ بلند بال دانہ و دام سے گزر
کوہ شگاف تیری ضرب، تجھ سے کشادِ شرق و غرب
تیغ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے گزر
تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سُرور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

(ب ج: ۳۲۱)

Marfat.com

مذکور بالا اشعار سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ:

۱) کسی نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے طلب کی راہ میں رک جانا مناسب نہیں۔ آگے ہی بڑھتے جائیں۔

۲) جو دنیا کے دلکش نظاروں سے متاثر ہو کر منزل کی طرف بڑھنے سے رک جائے تو وہ دامِ ابلیس میں پھنس جاتا ہے۔

۳) انسان اپنے عمل کی بنیاد خلوص نیت پر رکھیں تاکہ اس کے بے بہا انعامات کے حق دار بن سکیں۔ راستے کی حور و خیام کی طرف چنداں نگاہ نہیں کرنا چاہیے اور عیش وعشرت یعنی بادہ و جام کی زندگی سے پرہیز کریں۔

۴) مسلمان کی ضرب کوہ شگاف (پہاڑ کو بھی پھاڑ دیتی) ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ اس نے مشرق اور مغرب کو تہذیب اور انسانیت کا سبق دیا ہے، چنانچہ تلوار کا کام ہے ہر وقت تیار اور مستعد رہے۔

۵) اکثر لوگوں کے امام بے حضوری کی وجہ سے امامت کا حق ادا نہیں کر سکتے تو پھر نمازیوں کی نماز میں سُرور کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایسی نماز سے گزر کر ایسی نماز پڑھو جس سے نماز کے آداب پورے ہو سکیں اور فیضان الٰہی نازل ہو سکے۔

جب یہ تمام نکات حاصل ہو جائیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان کی نماز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نماز سے ہم آہنگ نہ ہو جائے۔

Marfat.com

باب ۹

ایک ہی عبادت کے اجر میں پہاڑ اور رائی کا فرق

(تری ذرہ بھر عقل روزہ و نماز سے بہتر ہے)

'شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور' کے درمیان جو فرق ہے وہ اس بات سے سمجھ میں آ جاتا ہے کہ ایک آدمی اگر نماز پڑھے تو اس کو رائی جتنا ثواب ملتا ہے اور دوسرا بھی بظاہر ایسی نماز پڑھتا ہے تو اس کو پہاڑ جتنا اجر ملتا ہے۔ یہ حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کو ایک حدیث کے ذریعے پہنچی ہے۔ جسے ہم اسی باب میں حرف بہ حرف بیان کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کام کرنے کا معیار انسانوں کی شخصیتوں پر منحصر ہے نہ کہ صرف اس کام کے کر لینے پر۔

یہاں پر یہ بات بیان کرنا بے جا نہ ہو گا کہ علامہ عنایت اللہ مشرقی نے انگلینڈ سے ایک سال میں دو امتحان پاس کیے اور حساب کے امتحان میں ایک سوال اتنا مشکل تھا کہ انگلینڈ میں کسی طالب علم نے یہ سوال حل نہ کیا مگر علامہ مشرقی کے دماغ کی سطح اس قدر

Marfat.com

بلند تھی کہ آپ نے حل کرنے کے لیے اس مشکل ترین سوال کا انتخاب کیا اور امتحان کے مقررہ وقت میں صرف اسی سوال کو حل کر سکے۔ باقی پانچ یا چھ سوالوں کو آپ نے حل کرنے کی کوشش نہ کی اور مشکل سوال حل کرنے کے بعد (غالباً وہ کوئی derivation ہو گی) یہ لکھ دیا کہ یہ سوال مشکل تھا، سو وہ حل ہو گیا۔ باقی ماندہ سوال تو بہت آسان ہیں۔ ممتحن نے اس پرچے پر علامہ مشرقی کو 100 فیصد نمبر دیئے۔ محض اس لیے کہ جو لڑکا یہ سوال کر سکتا ہے اس کے لیے دوسرے سوالات حل کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ ایسا ہی سلوک اللہ تعالیٰ بھی کرتا ہے کہ لوگوں کی غیر معمولی کوششوں پر ان کو اتنا اجر دے دیتا ہے کہ ان کے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ان کا کوئی مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی قابلیتوں میں زمین و آسمان جتنا فرق ہوتا ہے۔

علامہ مشرقی سے بھی بڑھ کر علامہ اقبالؒ کی مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ آپ نے اپنے والد سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنی قوم کی حالت کو بدل دیں گے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ جب علامہ اقبالؒ کے والد بستر مرگ پر تھے تو علامہؒ نے ان سے پوچھا کہ آپ سے میں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں اسلام کی خدمت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا یا نہیں؟ باپ نے بستر مرگ پر شہادت دی کہ جانِ من! تم نے میری محنت کا معاوضہ ادا کر دیا ہے۔
(''اقبال سلیمان ندوی کی نظر میں''، ص ۸۶)

علامہ اقبالؒ نے ملت اسلامیہ سے بھی پوچھا کہ انہوں نے اس کی صدیوں کی غفلت اور غلامی کے فسوں کو توڑا یا نہیں؟

توڑا نہیں جادو میری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں مکر جانے کی جرأت تو مکر جا!
(ض ک: ۵۰۳)

مولانا سید سلیمان ندوی نے جولائی ۱۹۷۸ء میں علامہ اقبالؒ یونیورسٹی میں ایک تقریب میں فرمایا ''یہ ملک اگر اقبال کا چمن ہے تو میں بھی اس کا بلبل ہوں اور مجھے اس چمن کے کسی شاخسار پر بیٹھنے کا حق ہے۔''

یہ علامہ اقبالؒ کا وہ کام تھا جس کا انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں بے حد و حساب اجر ملے گا اور آپ ان نادر الوجود ہستیوں میں سے ہیں جو مدتوں کے بعد اس دنیا میں نظر آتی

Marfat.com

ہیں۔ آپ نے خود اپنے متعلق اپنی رحلت سے چند لمحات پہلے یوں فرمایا تھا:

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید　　نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
(اب گزشتہ سرود واپس آئے یا نہ آئے حجاز کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلے یا نہ چلے؟)
سر آمد روزگارے ایں فقیرے　　دِگر دانائے راز آید کہ ناید؟
(اس فقیر (اقبال) کا زمانہ اب ختم ہو گیا ہے دوسرا کوئی دانائے راز آئے گا یا نہیں)
(ا ح: ۸۹۴)

ملتِ اسلامیہ کی خدمت کرنے والے بہت سے لوگ آئے مگر ان میں سے چند ایک ہستیاں ایسی ہیں کہ جو خدمت وہ کر گئے دوسرے نہ کر سکے۔ سینکڑوں لوگوں نے برصغیر میں اسلامی مملکت کو وجود میں لانے کی کوششیں کیں مگر جو ضربِ کاری علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے لگائی وہ رہتی دنیا تک یاد رکھی جائے گی۔ گویا چند ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کا کام باقی تمام افراد سے ممتاز اور جداگانہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی عبادات کی ادائیگی میں لوگوں کی شخصی قابلیت کام آتی ہے اور ان کی عبادت کو ایسا رنگ چڑھا دیتی ہے کہ عام سینکڑوں لوگوں کی عبادت سے بڑھ چڑھ کر اجر کی سزاوار ہوتی ہے۔

زیر نظر مسئلہ میں ایک اور بات جو قابلِ غور ہے وہ یہ کہ ایک ہی شیخ کے لاکھوں مریدوں میں پانچ دس ہی ایسے ہوتے ہیں جو تھوڑی بہت استعداد یا لیاقت کے حامل ہوتے ہیں جبکہ شیخ سب کا ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی بھی کام ہو اس میں بندے کی قابلیت، شخصیت اور اہلیت جھانکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کو علامہ اقبالؒ نے یوں کہا:

مرا از خود بروں رفتن محال است　　بہر رنگے کہ ہستم، خود پرستم
(پ م: ۲۳۸)
(میرا اپنے آپ سے باہر جانا محال ہے، میں جس رنگ میں بھی ہوں خود پرست ہوں)

یہی شخصی قابلیت تھی جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق بنا دیا کہ ان کا درجہ ایمان تمام مسلمانوں کے ایمان سے بڑھ کر تھا اور ایسے ہی ان کے اعمال کا

Marfat.com

درجہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اسلام کی جتنی خدمت کی ہے تو میں نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے، مگر ابوبکر صدیق کی خدمت کا بدلہ خدا تعالیٰ ہی ادا کرے گا۔ (مشکوٰۃ: ج ۲، ص ۷۸۰) صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے درجات بھی اپنی اپنی شخصیات کے مطابق اعلیٰ اور ارفع ہیں۔

لوگ کیسی نماز پڑھتے ہیں؟

نماز ایک معمولی عبادت نہیں اور نہ ہی یہ دیگر عبادات کی طرح ہے۔ اس فرض کو ادا کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو عشق الٰہی پر معراج کے لیے بلایا گیا اور وہاں نماز فرض کی گئی جبکہ باقی عبادات کو صرف قرآن پاک کی چند آیات کے ذریعے فرض قرار دیا گیا۔ ہمارے ننانوے فیصد نمازیوں کی نماز درست طریقے سے ادا نہیں ہوتی کیونکہ اس کے ادا کرنے کی تربیت (جو بہت ضروری ہے) کہیں بھی نہیں دی جاتی (اگر ہو بھی تو یہ ایک فیصد سے کم ہوگی) نماز کو سیکھنے کے لیے بہت سی باتوں کی تعلیم اور روحانی ملاپ کی ضرورت ہے۔ نماز صرف قیام، رکوع، سجود وغیرہ کا مجموعہ نہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اس کا طریقہ رسول اللہ ﷺ سے سیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نماز سیکھی۔ قلب انسانی بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کے قابل اسی وقت ہوتا ہے جب وہ جمال الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو۔ ہماری نماز کی کتابوں (''حسنِ نماز''، ''نشانِ منزل''، ''حضورِ قلب'' اور ''اقامۃ الصلوٰۃ'') میں نماز ادا کرنے کے متعلقات کا مفصل ذکر موجود ہے۔ جو لوگ دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لیے ان کتب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ حضرت بلھے شاہ نے ہمارے عام نمازیوں کا نقشہ درج ذیل اشعار میں یوں کھینچا ہے:

ایویں متھا زمیں گھسائی دا — لمّا پا محراب وِکھائی دا
پڑھ کلمہ لوک ہسائی دا — دل اندر سمجھ نہیں لیائی دا
کدی بات سچی بھی لکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے

Marfat.com

ایک اور مقام پر آپ نے، ایسے نمازیوں کے لیے فرمایا ہے:

بیتی عمر وچ مسیتی دِلوں نماز کدے نہ نیتی
تھی وانگوں رہیا کھلو لینا اک نہ دینا دو

ایک اور جگہ آپ نے فرمایا ہے:
عمر گنوائی وِچ مسیتی اندر بھریا نال پلیتی
کدے نماز وحدت نہ نیتی ہن کی کرنائیں شور پکار
عشق دی نویوں نویں بہار

مذکورہ بالا اشعار کا مطلب از خود واضح ہے۔ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور ماتھے پر محراب نظر آتا ہے۔ داڑھی اور پگڑی بھی ہوتی ہے مگر دُکان اندر سے خالی ہوتی ہے۔ نماز کے ضروری مسائل کا بھی علم نہیں ہوتا اور لوگ اس علم کی طرف توجہ دینا ہتک سمجھتے ہیں۔ لوگ جب ایسے نمازیوں کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں۔ راقم الحروف کو جماعت اسلامی کا ایک بندہ ایک مجلس میں ملا تو اس نے نمازیوں کی حالت (کرتوتوں) کا مفصل تذکرہ کیا تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ٹھیک کہتا تھا۔ اکثر لوگ نماز پڑھ کر جھوٹ بولتے اور غلط حلفیہ بیان دیتے اور غلط سلوک کرتے ہیں۔ ہمارے دفتر کا ٹیلی گراف کا ایک انچارج تو نماز سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے اگر پتہ لگ جائے کہ یہ حاجی یا نمازی ہے تو میں کرائے پر لیا ہوا مکان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہوں اور ایسے لوگوں سے کوسوں دور ہو جاتا ہوں۔ راقم الحروف نے کہا جب تمہیں سب کچھ معلوم ہے تو پھر تم ٹھیک ٹھیک نماز پڑھ کر ایک مثال قائم کیوں نہیں کرتے اور لوگوں کو بتاؤ کہ نماز پڑھنے کا حق تو یوں ہے۔ یہ جواب سن کر وہ نمازی بن گیا اور اس نے اچھی مثال قائم کر کے دکھائی۔ ایک حدیث میں ذِکر ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ نمازی ایسے بُرے کام کرتے ہیں کہ ان سے نفرت ہو جاتی ہے، اس شخص سے کہا گیا کہ ان کی نماز عنقریب ان کو ٹھیک کر دے گی۔ جو لوگ نماز پڑھ کر بھی غلط کام کرتے ہیں اس کا سبب فقط اتنا ہے کہ ایسے نمازی برے کام کرتے ہیں کہ ان کو کوئی راہبر نہیں ملا جو ان کو نماز کی صحیح ادائیگی کا طریقہ بتلائے۔ حضرت بلّھے شاہ نے یہی ظاہر کیا ہے کہ ایسی نماز سے کوئی فائدہ نہیں، مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں کو راہنما نہیں ملا اور نہ ہی یہ کسی کی راہنمائی

Marfat.com

چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کی بدقسمتی تو یہ ہے کہ ان کو تربیت ہی کہیں سے نہیں ملتی۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ
(ب ج:۳۳۸)
پانی نہ ملا زمزمۂ ملت سے جو اس کو پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
(ب د:۲۴۵)

یہ دینی معلومات نہ تو گھر میں والدین سے، نہ بہن بھائیوں سے، نہ کالج میں اور نہ یونیورسٹیوں میں اور نہ دفتروں میں، کسی جگہ پر نہیں دی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو دینی علم کہاں سے مل سکتا ہے؟ مسجدوں سے بھی لوگ دین حاصل کرنا نہیں چاہتے اور جمعۃ المبارک کے وعظوں کو سننا نہیں چاہتے۔ اوّل تو صرف ۱۰۔۱۵ فیصد لوگ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں اور جو ادا کرتے ہیں ان کی اکثریت (تقریباً ۱۰ فیصد لوگ) مسجد میں نماز جمعہ کے قیام سے ۵ یا ۱۰ منٹ پہلے آتے ہیں تو مسائل کہاں سے سنیں گے اور جو لوگ پہلے وقت میں بھی آجائیں تو مسجد کے خطیب صاحبان اپنے دلفریب رنگ میں وعظ کرتے ہیں جس سے ان کے تعلیمی معیار کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو کلام خطیب مگر لذتِ ذوق سے بے نصیب
بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے
(ب ج:۴۱۶)

اس دینی پروگرام کو عام کرنے کے لیے راقم الحروف نے تربیتی لیکچر دینے کے لیے ایک تجرباتی مرکز کھولنے کا ارادہ کیا ہے۔ جس میں ہفتے میں تین ایسے لیکچر دیے جائیں جن میں ضروری علوم کا پُرمغز اور دلچسپ شوق پیدا کرنے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ چند

Marfat.com

تربیتی لیکچرز ہوٹلوں اور الحمرا ہال میں منعقد کیے گئے۔ ان کے اچھے نتائج برآمد ہوئے مگر اپنی ۳۰ سال کی کوشش میں اپنا ایک ہال (مرکز) نہ بنا سکے جس پر تقریباً ۸۰ لاکھ روپے کا خرچہ تھا۔ یہ معاملہ سرد خانے میں رہا۔ شاید ہماری آئندہ نسلوں اور مریدین میں کوئی یہ ہمت کرے اور کامیابی حاصل ہو سکے۔ ان درسوں میں تاثیر پیدا کرنا بھی عام علماء کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے ایسا عالم درکار ہے جو عالم بھی ہو، روحانی کیفیت کا حامل ہو اور جس کو ہم عالم باعمل کہہ سکیں۔ شاید کوئی ایسا آدمی ہمارے بعد میسر ہو تو بات بنے۔

مذکورہ مسائل کا حل یہی ہے کہ یا تو حکومت ایسا نظام رائج کرے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یا پھر لوگوں میں سے کوئی اٹھے اور کمر ہمت باندھے۔ اگر پانچ دس آدمی مل کر پیسہ جمع کریں تو کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ رقم تو اتنی ہے کہ جس کو ایک صاحبِ ثروت آدمی اکیلا بھی پوری کر سکتا ہے۔ رقم ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ ایک کمیٹی یہ کام کرے گی۔

ذرّہ عقلت بہ از صوم وصلوٰۃ •

(تیری ذرہ بھر عقل، روزہ ونماز سے بہتر ہے)

اس باب میں چند صفحات بعد ایک حدیث بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان ہوئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخرت میں فضیلت لوگوں کی عقلوں کے مطابق ہوگی۔ اس وقت تک وہ اپنے عملوں کا بدلہ نہیں پائیں گے، جب تک وہ اللہ کی دی ہوئی عقلوں کے موافق عمل نہیں کریں گے۔ (یعنی ان عقلوں کے موافق عمل کرنے پر وہ بدلہ پائیں گے۔) (المنح القوی: ج ۵، ص ۷۳)

عبادات عقل کو صیقل کرتی ہیں لیکن عقلوں کا جلد یا بدیر صیقل ہونا ان کے کمال استعداد یا نقص استعداد پر موقوف ہے۔ عقلوں کی اقسام ہوتی ہیں۔ ایک عقل روشنی کے حساب سے آفتاب کے مثل ہے اور ایک عقل زہرہ یا ٹوٹنے والے ستارے سے بھی کم تر ہے۔ کوئی عقل مست چراغ جیسی ہے۔ کوئی آگ کی چنگاری جیسی۔ جو عقلیں آفتاب کی مانند ہوتی ہیں اگر ان کے سامنے سے (ماسوا اللہ کا) بادل اٹھ جائے تو وہ عقلیں خدا کو دیکھنے والا نور برساتی ہیں۔ (یہ انبیاء اور اولیاء کی عقلیں ہیں جن سے عوام فیض پاتے ہیں)

Marfat.com

مخلوق کی عقلیں ان عقلوں کا عکس ہیں اور ان کی عقل مشک ہے اور مخلوق کی عقل خوشبو ہے۔

عقل کل ایسی عقل ہے جس میں تمام کائنات چھپی ہوئی ہے اور نفس ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو کچھ عقل میں ہے اس کی تفصیل نفس کل ہے اور ان دونوں کا مظہر انسان کامل ہے۔ یعنی انسان کامل مظہر حق ہے۔ اس لیے ذات حق تمام اسماء اور صفات سمیت انسانِ کامل میں ظاہر ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عقل کل اور نفس کل مظہر حق ہوں۔

عقل بھی دو قسم کی ہے: (۱) عقل جزوی اور (۲) عقل کلی۔

عقل جزوی: شخصی عقل ہے جو دنیا دار کی عقل ہے۔ بس جزوی عقل نے عقل کلی کو بھی بدنام کر دیا ہے۔ اگر یہ جزوی عقل راہ حق میں مصروف ہو تو مہذب بن سکتی ہے۔ کیونکہ عقل جزوی امورِ دنیا میں مصروف ہو کر حق سے بعید ہو چکی ہے، اس لیے عقل کلی کی بدنامی کا باعث ہے۔

(۲) عقل کلی: ایک مردِ خدا یا انسانِ کامل کی عقل ہے۔ مرد خدا یا عقل کل جب حق تعالیٰ کا شکار بن کر اس کے دامِ عشق میں گرفتار ہو گیا اور صیاد کا حسن دیکھا تو خود اس کا صید بن گیا۔ یعنی وہ متخلق باخلاق اللہ اور خلیفہ حق بن گیا اور اس کا حکم تمام کائنات میں نافذ ہو گیا۔ اس کے برعکس عقل جزوی والا مخلوق خدا کی کمندِ تسخیر اور دامِ تزویر میں مقید ہو کر خود اس کا شکار ہو گیا۔ (یعنی بیکار کاموں میں لگ گیا) اوپر جو کچھ بیان ہوا مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں جلد نمبر ۵، ص ۵۶ اور ۵۷ پر بیان کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پس نکو گفت آں رسولِ خوش جواز ذرّۂ عقلت بہ از صوم وصلوٰۃ

(پس خوب کہا ہے اس پاک رسول اللہ ﷺ نے کہ تیرے لیے ذرّہ بھر عقل روزہ و نماز سے بہتر ہے)

تا جلا باشد مہر آں آئینہ را کہ صفا آید ز طاعت سینہ را

(تا کہ اس عقل کے آئینہ کے لیے نماز دروازۂ جلا بن جائے کیونکہ سینے کو نماز و روزے سے صفائی حاصل ہوتی ہے)

لیک گر آئینہ از بُنِ فاسد است صیقل آں را دیر باز آرد بدست

(لیکن اگر آئینہ اصل سے خراب ہے تو اس پر جلا مدت کے بعد آتا ہے)

ہست عقلے ہمچو قرصِ آفتاب ہست عقلے کمتر از زہرہ وشہاب

Marfat.com

(ایک عقل روشنی کے لحاظ سے آفتاب کے مثل ہے اور ایک عقل زہرہ اور ٹوٹنے والے ستارے سے بھی کم ہے)

عقل کل و نفسِ کل مردِ خداست	عرش و کرسی رامداں کز وے جداست

(عقلِ کل اور نفسِ کل خدا کا مرد ہے، عرش اور کرسی کو اس سے جدا نہ سمجھو)

مظہر حق است ذاتِ پاک اُو	زو بجو حق را و از دیگر مجو

(اس کی ذاتِ پاک حق کی مظہر ہے، حق کو اسی سے طلب کرو کسی اور سے طلب نہ کرو)

عقل کو اسلام نے کیوں اہمیت دی؟

یہ بات سرسری نظر سے عجیب لگتی ہے کہ عقل کا درجہ عبادت سے زیادہ کیوں دیا جارہا ہے۔ قرآن کا مطالعہ کریں تو بار بار اس بات کا ذکر آتا ہے کہ عقل سے کام لو۔ کیا وہ عقل نہیں رکھتے؟ اگر وہ عقل رکھتے تو ایسا کفر کا راستہ اختیار نہ کرتے۔ سورۃ الملک کی آیت نمبر دس میں ہے: وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے) کبھی اس بات کا ذکر آیا ہے کہ کاش وہ عقل رکھتے۔ یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اگر انسان عقل سے کام لے تو اس کے اعمال کی نوعیت بدل سکتی ہے۔

کاروباری معاملات اور زندگی میں پیش آنے والے دیگر امور کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان کی زندگی کو بہتر بنانے کے مواقع کئی بار آتے ہیں مگر کم عقل لوگ (عقل کی کمی کی وجہ سے) غلط فیصلہ کر لیتے ہیں اور بہت بڑے نقصان میں اپنے آپ کو دھکیل دیتے ہیں۔ بس وہیں ان کی زندگی کا Turning Point آجاتا ہے اور وہ خسارہ اٹھاتے ہیں۔ اگر عقلمندی سے فیصلہ کیا جاتا تو حالات کچھ اور ہوتے۔ یہ محاورہ کہ A stich in time saves nine سے مراد یہی ہے کہ اگر بروقت فیصلہ ٹھیک کر لیا جاتا تو بعد کی مصیبتوں سے انسان بچ جاتا۔ لوگ عموماً جلد بازی میں یا کج فہمی سے غلط فیصلہ کر لیتے ہیں تو اس غلطی کا خمیازہ پوری عمر بھگتنا پڑتا ہے۔

یہی معاملہ اپنے لیے شرعی اعمال کے چناؤ میں ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی شرعی کام کو معمولی سمجھ کر غیر شرعی کام اختیار کر لیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس معمولی

Marfat.com

انتخاب سے کیا فرق ہو گا۔ حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہو جاتا ہے کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ کم اہمیت کے کام کو انسان اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ یہ کون سی بڑی بات ہے حالانکہ عقلمند آدمی وہ ہے جو کم بہتر اور زیادہ بہتر میں فرق کرے۔ اچھے اور برے میں تو کتا بھی فرق محسوس کر لیتا ہے۔ مثلاً اگر کتے کو پتھر مارو تو وہ جھنجھلاتا ہے اور اس کو روٹی دو تو خوش ہو کر دم ہلاتا ہے۔ انسان کی بہادری اس میں ہے کہ وہ کم اچھے اور کم برے میں تمیز کرے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

کافرِ بیدار دل پیشِ صنم به ز دیندارے کہ خفت اندر حرم!

(ایسا بیدار دل کافر جو بت کی پوجا کرتا ہے اس دیندار مسلمان سے بہتر ہے کہ جو مسجد حرام میں سویا ہوا ہے) (ج ن: ۶۲۷)

یہ کافر اس لیے بہتر ہے کہ اگرچہ وہ بت خانے کا پجاری ہے لیکن اس سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس کے دل کی بیداری اس کو کسی وقت بھی اسلام کی طرف کھینچ کر لے آئے گی اور وہ خوابیدہ دماغ انسان اندھا دھند حرم میں بیٹھا ہوا کوئی کارآمد حرکت نہیں کر رہا۔ اس لیے اس کی اصلاح ممکن نہیں۔ یہ بھی عقل اور دل کی ایک بہتر مثال ہے۔ وہ دل جہاں عقل نہ ہو اس سے انسان کو فائدے کی کم امید ہے اور اگر عقل بیدار ہے تو وہ کفر سے نکل کر اسلام میں آ سکتا ہے، اس لیے پہلے شخص سے بہتر ہے۔

دُور رَس نگاہیں ایک اچھی عقل کا ہی کارنامہ ہے اور دُور رَس نگاہوں والے اپنے آپ کو ہمیشہ بہتر منزل کی طرف لے جاتے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے نماز یا عبادت کرنے سے سوچ اور سمجھ والی نماز بہتر ہے۔ ایک کو تو رائی کا اجر ملتا ہے اور دوسرے کو پہاڑ کا اجر ملنے کی وجہ یہی ہے۔ اگر انسان نماز ادا کرتے ہوئے بھی بے ایمانی کرتا ہے تو ایسی عبادت اس کے منہ پر ماردی جائے گی۔

اعمال کا مدار عقلوں پر ہے

(عقلوں کا اختلاف اصل فطرت ہے)

عام لوگ عبادت کو معیار بنا کر ہی ایک انسان کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔

Marfat.com

عبادت تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک ذریعہ ہے اور بعض عبادات فرض کا درجہ رکھتی ہیں لیکن عبادات کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں۔ یعنی اگر عبادت کرے تو انسان میں بہت سی اچھی عادات پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً عبادت یہ چاہتی ہے کہ کسی پر ظلم نہ کیا جائے، ہر ایک کا حق ادا کیا جائے، فحاشی اور بدمعاشی سے بچا جائے، اخلاق میں شائستگی پیدا ہو، کسی کو ناجائز تنگ نہ کیا جائے۔ ہمسائے کے ساتھ ٹھیک سلوک کیا جائے۔ لین دین میں ڈنڈی نہ ماری جائے وغیرہ۔ اگر نماز سے فحش اور لغو باتیں دُور نہ ہوں تو یہ نماز اپنی افادیت کھو دیتی ہے اور ایسی عبادت اس کے کرنے والے کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔ اگر ایک دُکاندار گاہکوں سے بے ایمانی اور دغابازی کا سلوک کرتا ہے تو اس کی نماز سے اس کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اگر ایک بیوی اپنے خاوند سے بدسلوکی کرتی ہے تو اس کا قرآن یا نماز پڑھنے کا کیا فائدہ ہوگا۔ حضرت بلھے شاہ نے فرمایا:

کیہ فائدہ پڑھن پڑھاون دا   ول سکھ لے یار مناون دا

انسان کی عقل کا منشا یہی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا تجزیہ کرے اور ہر عمل کو اس کا وہ حق ادا کرے جس کے لیے شریعت نے اس کو حکم دیا ہے۔

ایک بات عام طور پر مشاہدہ میں آتی ہے کہ انسان کو عقل کی ضرورت ہر کام میں رہتی ہے اور اگر عقل میں درستی ہو تو ہر کام ٹھیک طریقے سے ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کار کے چلانے والے کی عقل کا دخل اس کی ڈرائیونگ میں بہت زیادہ ہے۔ جو لوگ باہوش ہوتے ہیں اور عقل سے کام لیتے ہیں وہ کم عقل لوگوں کی نسبت محفوظ طریقے سے گاڑی چلاتے ہیں۔ ہمارا ایک مرید بازار میں پھرتی سے گاڑی چلا رہا تھا، راقم الحروف نے اسے آہستہ چلانے کی تلقین کی تو اس نے جواب دیا کہ جناب میں ۲۰ سال سے گاڑی چلا رہا ہوں اور آج تک گاڑی کو ایک خراش تک نہیں لگی۔ بے شک وہ مرید بہت ذہین اور عقلمند تھا۔ ایسا کام تو عقلمند کا ہی خاصہ ہے۔ جو لوگ جنگی جہاز چلاتے ہیں ان کی عقل کا معیار تو بہت بلند ہوتا ہے ورنہ کروڑوں روپے کا جہاز ذرا سی غلطی پر تباہ ہو سکتا ہے۔ گویا عقلمند آدمی کے کام عام آدمیوں سے بہت بہتر ہوتے ہیں۔ یہ عقلمند انسان کا ہی کام ہے کہ جو سائنس کی نئی نئی ایجادوں سے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔

Marfat.com

عقل اور عشق

عشق ایک مصدرِ حیات، وجہ تکوین اور ارتقائے کائنات ہے۔ عشق ہر ہستی کی رگ و پے میں جاری، حجر و شجر، حیوان و انسان پر کسی نہ کسی رنگ میں طاری ہے۔ عقل جزوی عشق کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے کہ منطقی استدلال اور جزوی عقل کسی تسلی بخش فیصلے پر نہیں پہنچ سکتے۔ عشق کے پاس بھی ایک عقل ہے جو ہمارے معقولات سے ہزار درجہ زیادہ حقائق کو واضح کرتی ہے۔ جزوی عقل تو دنیاوی اسبابِ رزق کا وسیلہ ہے۔ یہ وہ عقل نہیں جس سے چودہ طبق روشن ہوں اور کنہ حقیقی تک نہیں پہنچا سکتی۔ عقل خالص (عالم روحانی) الفاظ کی محتاج نہیں۔ عقل جب شہوات یا جذبات کی غلام نہ ہو (یعنی نفس امارہ کی محکوم نہ ہو) تو ایسی عقل عشق کی طرف رہبری کرتی ہے۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ استدلال سے عشق کا کام نہیں چلتا۔ چنانچہ عشق کے لیے استدلال کی کوشش فضول ہے۔ اگر کوئی بندگی میں الجھ کر رہ جائے یعنی عشق پیدا نہ کر سکے تو عاشق اس سے روپوش ہو جاتی ہے۔ عشق کی کوئی زبان نہیں اس لیے یہ اپنی حقیقت غیر عاشق پر واضح نہیں کر سکتا۔ اور اگر یہ کوشش کر دے تو عشق کو اور بھی حجاب میں کر دے گا۔

عقل عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

علامہ اقبالؒ اور مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے کہ عقل اپنے آپ کو کئی رنگوں میں پیش کرتی ہے سوائے عقل سلیم کے، عقل ہمیشہ عیاری اور مکاری کرتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے عشق بیچارہ نہ مُلّا ہے نہ زاہد نہ حکیم
(ب ج: ۳۵۲)

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ بعض انسانوں کی عقل گدھوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ گدھا جب کسی دلدل میں پھنس جائے تو ہاتھ پیر مار کر باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے مگر ایسے ناقص انسان جب کسی اخلاقی دلدل میں پھنس جاتے ہیں تو وہیں ڈیرے جما لیتے ہیں اور باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرتے۔

Marfat.com

عقل اور عشق پر علامہ اقبالؒ کے کچھ اشعار

علامہ اقبالؒ نے عقل اور عشق پر بہت کچھ لکھا ہے جسے ہم نے عنقریب شائع ہونے والی کتاب بنام ''عقل، عشق اور اقبالؒ کا فلسفۂ خودی'' میں شامل کر دیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اہل فرنگ کو اپنی عقل پر ناز ہے لیکن انہیں میری طرف سے کہہ دو کہ عقل جس قدر تیزی اور کمال حاصل کرے گی وہ اتنی زیادہ ناقص اور مجبورِ محض ہوتی چلی جائے گی۔ عقل اگر پختہ نہ ہو تو اس سے وہ توقع نہیں کی جا سکتی جو عقل کا مقصود ہے۔

از من اے بادِ صبا گوئے بہ دانائے فرنگ عقل تا بال کشود است گرفتار تر است

(اے بادِ صبا! میری طرف سے دانائے فرنگ کو کہو، جب سے تمہاری عقل نے بال و پر کھولے ہیں وہ اور بھی مقید ہو گئی ہے)

برق را ایں بہ جگرمی زند، آں رام کند عشق از عقلِ فسوں پیشہ جگر دار تر است

(عقل بجلی کو جگر پر گرا دیتی ہے اور عشق رام کر لیتا ہے، جادو کرنے والی عقل کے مقابلہ میں عشق زیادہ جگر دار ہے)

چشم جز رنگِ گل و لالہ نہ بیند ورنہ آں چہ در پردۂ رنگ است پدیدار تر است

(ظاہر آنکھ تو بجز گل و لالہ کے رنگوں کے اور کچھ نہیں دیکھتی، لیکن جو کچھ اس پردۂ رنگ کے باطن میں ہے زیادہ قابل دید ہے) (پ م:۳۵۷،۳۵۸)

نری عقل حیلہ ساز ہے، عقدہ کشا نہیں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ عقل سے بھی بہت سے کام چلتے ہیں اور یہ کئی عقدوں کو حل کر سکتی ہے، مگر نری عقل جس کو عشق اور محبت کی مدد حاصل نہ ہو، معاملات کی گرہ کشائی نہیں کر سکتی۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ دلائل جو عقل دیتی ہے اور جن کو عشق تسلیم نہیں کرتا، رد کر دینے کے قابل ہیں۔ علامہؒ نے ''زبورِ عجم'' میں فرمایا ہے۔

Marfat.com

ہزار بار نکو تر متاعِ بے بصری ز دانشے کہ دِلِ اُو رانمی کند تصدیق
(وہ متاعِ بے بصری (جہالت) ہزار گنا بہتر ہے اُس علم و دانش سے جس کی دل تصدیق نہ کرے)

بمقامِ آدمِ خاکی نہاد دریا بند مسافرانِ حرم را خدا دہد توفیق
(خدا مسافرانِ حرم کو وہ توفیق دے کہ وہ آدمِ خاکی کا مقام پالیں) (زع: ۵۰۵)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ عقل مظاہر میں صفات الٰہی کا مشاہدہ کرتی ہے اور عشق چاہتا ہے کہ وہ خلوتِ ذات کی طرف متوجہ ہو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ عقل اپنی ہستی کے علاوہ دوسری چیزوں میں غور وفکر کرتی ہے تاکہ کوئی نتیجہ اخذ کرے۔ عقل کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسروں کے نظریات کو آگے بڑھا کر ایک نتیجہ اخذ کرتی ہے۔ اس کے برخلاف عشق ایک توفیق منجانب اللہ ہے جو اس کے کرم وفضل سے ملتا ہے۔ عشق اکتسابی نہیں، وہ اپنا محاسبہ کرتا ہے اور خودی پر بھی نظر رکھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عقل اکتسابی چیز ہے اور محنت کرنے سے گھٹتی یا بڑھتی ہے جبکہ عشق اللہ کی نعمت اور غیبی دین ہے۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ عقل خودی سے محروم کرتی ہے اور عشق خودی کو ترقی دیتا ہے۔

عقل با غیر آشنا از اکتساب عشق از فضل است و با خود درحساب
(عقل غیروں سے آشنا ہے اور ان سے اکتساب کرتی ہے، عشق اللہ کا فضل ہے اور اپنا محاسبہ کرتا ہے)
(اسرار ورموز: ۱۰۹)

عقل اُو را سوئے جلوت می کشد عشق اُو را سوئے خلوت می کشد
(عقل انسان کو محفل کی طرف کھینچتی ہے، عشق انسان کو خلوت (یعنی ذاتِ حق) کی طرف کھینچتا ہے)
(ج ن: ۶۰۹)

خرد سے راہ رَو روشن بصر ہے خرد کیا ہے؟ چراغِ راہ گزر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا چراغِ راہگزر کو کیا خبر ہے
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے
(ب ج: ۳۷۷،۳۷۶)

Marfat.com

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عقل تو حیلہ باز ہے سو بہانے تراش لیتی ہے اور اصل مدعا تک پہنچنے میں مدد نہیں دیتی۔ عقل کے مقابلے میں عشق بے چارہ سیدھا سادہ ہے اور منزل کی طرف بلا تامل لے جاتا ہے۔

عقل عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے عشق بے چارہ نہ مُلّا ہے، نہ زاہد نہ حکیم
(ب ج: ۳۵۲)

نشانِ راہ زعقل ہزار حیلہ مپرس بیا کہ عشق کمالے زیک فنی دارد
(راہ کا نشان حیلہ باز عقل سے نہ پوچھ، آؤ کہ عشق (عقل دو فنون کے مقابلے میں) ایک فنی میں کمال رکھتا ہے) (پ م: ۳۳۴)

انسان کی عقل بلندی کی طرف اڑتی ہے

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ بے شک تم میں عقل ہے مگر تم عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ مکھی کے پروں کی طرح پستی کی طرف اڑ رہے ہو۔ تمہارا میلان شہوت اور لذات کی طرف ہے۔ اگرچہ عقل کا تقاضا ہے کہ تم بلندی کی طرف پرواز کرو مگر تم اس کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے۔ تمہارے مرغِ طبع کا میلان لذاتِ نفسانیہ کی طرف ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ فلسفی چونکہ روحانیت کے قائل نہیں ہوتے اس لیے وہ ان باتوں کو تخیلات باطلہ خیال کرتے ہیں۔

ایک عقل دوسری عقل سے قوت پاتی ہے

مولانا رومؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک عقل دوسری عقل سے قوت پاتی ہے۔ انسان اگرچہ خود عاقل ہو مگر ایک عقل تنہا مشکلات کو طے کرنے سے عاجز ہے۔ اس کے لیے مرشد کامل کی ضرورت رہتی ہے۔ بعض ماہرین نباتات کہتے ہیں کہ جو گنا دوسرے گنوں کے درمیان میں ہو وہ زیادہ شیریں ہوتا ہے۔

عقل قوت گیرد از عقلِ دگر نیشکر کامل شود از نیشکر
(ایک عقل دوسری عقل سے قوت پاتی ہے۔ ایک گنا دوسرے گنے سے کمال حاصل کرتا ہے)

Marfat.com

وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قسم کی عبادت کے اجر میں رائی اور پہاڑ کا فرق ہوتا ہے

وہ احادیث جن میں ایک ہی قسم کی نمازوں (یا عبادات) کے اجر میں بے انتہا فرق ہوتا ہے، ذیل میں دی جا رہی ہیں۔ ان سب احادیث میں اس قدر زیادہ اجر کا فرق ہونا لوگوں کی عقلوں کے مطابق بدلتا ہوا بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی جس کو عقل میں برتری ہو گی اس کے اجر میں بھی برتری ہو گی۔ اس بیان کے بعد یہ بھی تحریر کیا جائے گا کہ عام انسان اپنی موجودہ کم اجر والی نماز کے اجر میں اضافہ کس طرح کر سکتا ہے۔ پہلے مذکورہ احادیث کا اعادہ فرمائیں۔

انسانی کاموں کا مدار اُن کی عقلوں کے مطابق ہوتا ہے

(ان احادیث کا تذکرہ)

عام طور پر یہ بات معروف ہے کہ جیسی کسی کی روح ہو گی، ویسے ہی کام اس سے سرزد ہوں گے۔ روح کی یہ بلندی انسان کے ہر کام میں ہی نظر آتی ہے۔ نمازوں کی امامت کے لیے بھی کچھ قوانین وضع کیے گئے ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ شخص جو عقل میں بہت کمزور اور کند ہو اس کی امامت میں نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان جو بھی کام کرے گا وہ اپنی روح کی قوت، استطاعت، عظمت، ظرف اور شخصیت کے مطابق ہی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو تخلیق کائنات کے نمونے ظاہر کیے ہیں ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی اخلاقی قوت یعنی احسن الخالقین ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ خود بھی کہتا ہے کہ میری تخلیق میں کوئی فتور نظر نہیں آئے گا۔ [(مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ) (الملک: ۳) تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل] اگر تخلیق کائنات میں زیادہ غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ جو ایک بہت بڑا حساب دان ہے اور ہر چیز کو اس نے خوب جانچ تول کر اور ایک پیمانے کے مطابق بنایا ہے اور آخر انسان کا ذہن اور اس کی خلاّقی قوت کو دیکھ کر بہت بڑے حساب دان کو بھی حیرت ہوتی ہے۔ یہ سب اس کی اپنی سوچ کے مطابق ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ (پس بڑا

Marfat.com

بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے) (المومنون: ۱۴)

اسی طرح جب کارِ دُنیا میں ہماری صلاحیتیں اور شخصیتیں ہمارے کارناموں میں داخل ہیں تو پھر انسان کی نماز میں وہی قابلیتیں نظر آئیں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص سجدہ میں جاتا ہے اور وہاں نماز ادا کرتا ہے۔ مگر اس کی نماز مچھر کے پر کے برابر نہیں ہوتی، جبکہ ایک (اور) آدمی مسجد میں داخل ہو کر نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز احد کے پہاڑ کے برابر ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ اس سے زیادہ عقلمند ہو۔ (الکنز المدفون للسیوطی، ص:۳۶۶) آپ ﷺ نے عقلمند کی تشریح فرمائی کہ عقلمند وہ ہے کہ جو ان دونوں میں زیادہ حرام سے بچے اور نیک کاموں کا زیادہ آرزومند ہو خواہ عمل اور نوافل میں اس سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عقل کی تقسیم لوگوں میں بہت مختلف ہے۔ نیکیاں لوگوں کی برابر ہو سکتی ہیں مگر عقل میں اتنا فرق ہوتا ہے جیسے کوہ اُحد اور ذرے میں فرق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص حرام سے بچے گا اور اس کے اعمال بھی نیکیوں پر محمول ہوں گے۔ یہ نہیں کہ نماز بھی پڑھتے رہے اور حرام خوری اور حرام کاری سے بچنے کی راہ اختیار نہیں کی۔

درجات کی رفعت اور خدا کا قرب عقلوں سے نصیب ہوگا

ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ایک آدمی کی تعریف کی جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ وہ آدمی عبادت گزار اور اچھی عادات رکھنے والا ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے بہت مبالغہ کیا۔ رسول پاک ﷺ نے پوچھا کہ اس کی عقل کیسی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم تو آپ کو اس کی عبادت اور نیکی کے دوسرے امور کے بارے میں اس کی جدوجہد کی خبر دے رہے ہیں اور آپ اس کی عقل کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک احمق کو اپنی حماقت کی بنا پر اتنا نقصان پہنچتا ہے کہ جتنا ایک فاسق اور فاجر کو اپنے فسق و فجور سے پہنچتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو درجات میں رفعت عطا فرمائے گا اور ان کو خدا کا قرب ان کی عقلوں کے مطابق نصیب ہوگا۔ (شرح نہج البلاغۃ ج ۶ ص ۴۶۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی آدمی کو خوشحال دیکھو تو اس کی عقل کو بھی دیکھو

Marfat.com

کیونکہ قیامت کے دن اس کو جو جزا دی جائے گی وہ اس کی عقل کے مطابق ہو گی۔(وافی: ج٦،ص ٤٧٤)

ایک اور حدیث شریف میں ہے:''یحاسب الناس علی قدر عقولهم'' یعنی لوگوں کی عقلوں کے مطابق محاسبہ کیا جائے گا۔(کنوز الحقائق:ص ١٧٢)

فرمایا: **قوام المرء عقله ولا دین لمن لا عقل له** (عقل انسان کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔اس انسان کا کوئی دین نہیں جس کی کوئی عقل نہیں)(کنوز الحقائق:ص ٩٢)

لکل شیء دعامة ودعامة المومن عقله (ہر چیز کا کوئی نہ کوئی محافظ ہوتا ہے۔مومن کی محافظ عقل ہے)(کنوز الحقائق:ص ١٠٩)

حضرت ابی جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں سے حساب کتاب لے گا جس قدر کہ دنیا میں انہیں عقلیں دی گئی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث عقل کے باب میں الگ بیان ہو چکی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ! عمل وہی کچھ ہوتا ہے جتنی کچھ اللہ نے اسے عقل دے رکھی ہے۔(المنہج القوی: ج ٥،ص ٧٣)

اختلاف عقلہا در اصل بود بر وفاق سنیاں باید شنود

(مگر اہل سنت والجماعت کے مسلک کے موافق سننا چاہیے کیونکہ عقلوں کا اختلاف اصل فطرت میں ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں نے ایک دن کہا کہ اے ہمارے رب! کیا تو نے اپنے عرش سے بھی زیادہ کوئی چیز عظیم بنائی ہے۔خدا نے فرمایا کہ ہاں، عقل۔انہوں نے کہا کہ اس کی انتہا کہاں تک ہے۔خدا نے فرمایا کہ ظاہر علوم کے ذریعے اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔کیا تمہیں ریت کے ذروں کی تعداد کا علم ہے۔فرشتوں نے نفی میں جواب دیا۔خدا نے کہا کہ میں نے عقل کو پیدا کیا کئی قسموں پر جس طرح ریت پر ذروں کی تعداد ہوتی ہے۔ بعض آدمی تو وہ ہیں جن کو دو رتیاں دی گئی ہیں۔بعض کو تین رتیاں اور بعض کو مٹھی بھر اور بعض کو سر کے بوجھ کے برابر اور بعض کو اس سے بھی زیادہ۔(المنہج القوی: ج ٣،ص ٢٢)

Marfat.com

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص مسجد کی طرف جاتا ہے پھر نماز پڑھتا ہے اور اس کی نماز مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوتی اور دوسرا شخص مسجد کی طرف جاتا ہے پھر نماز پڑھتا ہے اور اس کی نماز احد پہاڑ کے برابر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ان دونوں میں زیادہ عقل مند ہے۔ کہا گیا وہ اپنے ساتھی سے کس طرح عقل میں زیادہ یا عقل مند ہے؟ فرمایا: ممنوعات سے اجتناب کی وجہ سے اور اسبابِ خیر کو اپنانے کی وجہ سے۔(الکنز المدفون للسیوطی: ص ۳۶۶)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہزار عابد جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں، کی موت ایک ایسے عقل مند کی موت سے آسان ہے جو اوامر الٰہی کو سمجھتا ہو۔ (الکنز المدفون، ص ۳۶۵)

نمازوں کے اجر کو کیسے بڑھایا جا سکتا ہے؟

جو کچھ اوپر ذکر ہوا ہے اس کے مطالعہ کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے زیادہ اجر پانے والے بندوں کو خصوصیت سے پیدا کیا ہے اور عام آدمی کو اچھی نماز پڑھنے کی صلاحیت سے محروم رکھا ہے۔ یاد رکھیں کہ ہرگز ایسا نہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا کہ ایک شخص کو یہ صلاحیت دے دی اور دوسرے کو محروم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک فطرت پر پیدا فرمایا ہے۔ اب یہ اس کے والدین ہیں جو اُسے جو چاہے بنا دیں اور وہ شخص خود اگر کوشش اور محنت کرے گا تو اللہ تعالیٰ کسی کے اجر یا کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ ایسی کوشش ہی نہیں کرتے اس لیے محروم رہ جاتے ہیں۔

ایک حکایت میں ہے کہ ایک بادشاہ نے جنگل میں ایک گھسیارے کو دیکھ کر اپنے وزیر سے یہ کہا کہ دیکھو ایک ہم ہیں کہ شاہی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایک یہ گھسیارا ہے کہ مصیبت میں زندگی گزار رہا ہے۔ وزیر نے کہا کہ یہ گھسیارا بے چارہ نہیں بلکہ یہ اپنے ماں باپ کا لاڈلا بیٹا تھا جبکہ ہمارے والدین نے ہمیں محنت اور مشقت برداشت کرنے پر آمادہ کیا اور بالآخر ہم ان بلند مقامات پر پہنچ گئے ہیں۔ یہ لوگ محنت اور مشقت سے دل چراتے تھے لہٰذا ماں باپ سے لاڈ اور پیار نے ان کو دنیا کی عظمتوں سے محروم رکھا۔ یہ حکایت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ جو شخص محنت اور مشقت سے کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے معاملات میں سربلندی عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ عبادات کو صحیح انداز میں ادا کرنے کا

Marfat.com

طریقہ بھی محنت اور مشقت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ نمازوں اور دیگر عبادات کے درجات کو متعلقہ عبادات میں کمال حاصل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ قرونِ اولیٰ کے لوگ اپنی عبادات کو اعلیٰ معیار پر لانے کے لیے اپنے بزرگوں سے عبادات کے ادا کرنے کے طریقے سیکھتے تھے اور ان سے متعلقہ علوم کو محنت اور مشقت سے حاصل کرتے تھے تا کہ ان کی عبادت میں رنگ پیدا ہو سکے۔

Marfat.com

باب ۱۰

وائے آں شاہیں کہ شاہینی نکرد

(افسوس اس شاہین پر جس نے شاہینی نہ کی)

''پس چہ باید کرد'' میں علامہ اقبالؒ نے فقر کے موضوع پر کافی اشعار تحریر فرمائے ہیں۔ چونکہ علامہ اقبالؒ نے شاہین کی طرف یہ مؤقف منسوب کیا ہے کہ شاہین خود کو پرندوں کی دنیا کا فقیر سمجھتا ہے۔ اس لیے جب آپ فقر کے متعلق اشعار درج کر رہے تھے تو شاہین کے تصور کی اپنے ذہن سے نفی نہ کر سکے۔ آپ نے اس کا ذکر ان اشعار میں فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ روئے زمین کو آپ کے لیے مسجد (سجدہ گاہ) بنا دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد ص: ۳۸۹، مجمع الزوائد: ۳۶۱۵) فرماتے ہیں کہ حالات کی گردش میں مسلمانوں کی یہ مسجد (روئے زمین) دوسروں کے ہاتھ میں آ گئی۔ آپ نے مسلمانوں کو کہا کہ ایسے حالات پیدا کریں کہ اپنے آقا کی مسجد کو دوبارہ اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ مسلمانوں پر ترکِ جہان کا عمل کفار نے مسلط کیا ہے تا کہ وہ اس مسجد کو دوبارہ حاصل نہ کر سکیں۔ بلکہ اس پرانے بت خانے کو ترک کرنے کا مطلب اس کو تسخیر

Marfat.com

کرنا ہے۔ مسلمان اگر آب وگل کی آرائش سے نکل آئیں تو گویا وہ دنیا پر سوار ہو گئے۔ یہ دنیا مومن کا شکار ہے۔ کیا لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شکار کو ترکِ دنیا کے ساتھ ہی ترک کر دیں۔ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ شاہین اپنا شکار چھوڑ دے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ وہ اس مشکل نکتہ کو حل نہیں کر سکے کہ شاہین آسمانوں کی پرواز سے کیوں گریز کرے یعنی وہ اپنی کھوئی ہوئی حکومت کو کیوں حاصل نہ کرے۔ آپ فرماتے ہیں کہ افسوس ہے اس شاہین پر جس نے شاہینی نہ کی اور کوئی پرندہ اس کے پنجے سے زخمی نہ ہوا۔ وہ اپنے ٹھکانے میں عاجز بن کر سر کو جھکائے بیٹھا رہتا ہے اور فضائے نیلگوں میں پرواز نہیں کرتا۔ قرآن کا فقر تو ہے کہ دنیا کا احتساب کرے۔ مومن کا فقر یہی ہے کہ دنیا کی تسخیر کرے۔

صیدِ مومن ایں جہانِ آب وگل　　باز را گوئی کہ صیدِ خود بہل؟

(یہ جہانِ آب وگل مومن کا شکار ہے، کیا تو باز سے کہتا ہے کہ وہ اپنا شکار چھوڑ دے؟)

حل نشد ایں معنیٔ مشکل مرا　　شاہیں از افلاک بگریزد چرا

(مجھ سے یہ مشکل حل نہیں ہو سکی کہ شاہین افلاک سے کیسے گریزاں رہ سکتا ہے)

وائے آں شاہیں کہ شاہینی نکرد　　مرغکے از چنگِ اُو نامد بدرد

(افسوس ہے اس شاہیں پر جس نے شاہینی نہ کی، کوئی پرندہ اس کے پنجے سے زخمی نہ ہوا)

در کنامے ماند زار و سرنگوں　　پر نہ زد اندر فضائے نیلگوں

(وہ شاہین اپنے رہنے کی جگہ میں عاجز ہو کر سر جھکائے بیٹھا رہے۔ فضائے نیلگوں میں پرواز کیوں نہ کرے)

فقرِ مومن چیست؟ تسخیرِ جہات　　بندہ از تاثیرِ اُو مولا صفات

(مومن کا فقر کیا ہے؟ کائنات کی تسخیر کرنا، فقر کی تاثیر سے بندے میں مولا کی صفات منعکس ہو جاتی ہیں)

(پ چ: ۸۱۷، ۸۱۸)

''پس چہ باید کرد'' میں سیاستِ حاضرہ پر علامہؒ لکھتے ہیں کہ انگریز کے دورِ حکومت میں ہندوستانیوں کو دھوکا دے کر یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ہندوستانیوں کی آزادی کا کام کر رہے ہیں۔ انگریزوں کا یہ مؤقف تھا کہ ان کی حکومت مختلف اقوام کو اکٹھا کر رہی ہیں۔ انگریز

Marfat.com

ایسی ایسی باتیں کرتے تھے کہ جس سے غلام ملک کے لوگ غلامی میں مقید ہو جائیں۔ علامہؒ نے فرمایا کہ انگریز ایسا سیاست دان تھا جو مرغِ قفس کو یہ کہتا تھا کہ اے دردمند! تو شکاری کے گھر کے اندر ہی آشیانہ بنالے کیونکہ جو صحرا اور مرغزار میں آشیانہ بنائے تو وہ شاہین اور شکرے سے محفوظ نہیں رہتا۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنی آزادی چاہتے ہیں تو وہ ان سیاستدانوں کے چکروں میں نہ آئیں۔

در فضایش بال و پر نتواں کشود　　　با کلیدش ہیچ در نتواں کشود

(ایسی (دھوکہ باز) سیاست میں غلاموں کے لیے بال و پر کھولنا ممکن نہیں، اس کی چابی سے کوئی بھی دروازہ کھولا نہیں جا سکتا)

گفت با مرغِ قفس اے دردمند　　　آشیاں در خانۂ صیاد بند

(یہ سیاستدان مرغِ قفس سے کہتا ہے کہ اے دردمند! تو شکاری کے گھر میں آشیاں بنالے)

ہر کہ سازد آشیاں در دشت و مرغ　　　اُو نباشد ایمن از شاہین و چرغ

(جو کوئی صحرا اور مرغزار میں آشیانہ بناتا ہے وہ شاہین اور شکرے سے محفوظ نہیں رہتا)

(پ چ: ۸۳۱)

دنیا کی ہر شے کے لیے شاہینی لازمی ہے

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک مسلمانوں کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اسلامی جنگوں میں کفار کے لشکر پر شاہینوں کی طرح جھپٹ پڑتے تھے۔ اس اعتبار سے مجاہدینِ اسلام کو علامہ اقبالؒ نے شاہینِ شہِ لولاک ﷺ کہہ کر پکارا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا کہ مسلمان مجاہدوں کو اصل شاہینی کردار ادا کرنا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے ہاں یہ تصور موجود ہے کہ مسلمان کے اوصاف شاہینِ شہِ لولاک ﷺ کے اصولوں پر ہونا ضروری ہیں اور ہر مسلمان کو شاہینی کرنی چاہیے۔ آپ کا فرمان ہے کہ شاہین کے اوصاف کا ہر مسلمان میں پایا جانا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں کہ افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو شاہینی نہیں کرتے بلکہ آپ تو چکور اور کبوتر وغیرہ دوسرے پرندوں سے بھی یہی توقع

Marfat.com

رکھتے ہیں کہ وہ شاہینی کریں۔ آپ کی پیش کردہ چند مثالیں ذیل میں دی جا رہی ہیں۔

آپ نے اپنے کلام میں چکور کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ اس واقعہ کو ظاہر کرتے ہوئے آپ کا موقف یہ ہے کہ خودی کے معاملے میں غفلت کرنا ہمیشہ ضعف کا باعث بنتا ہے۔ اگر ضعف ہو تو وہ کسی کے منہ کا لقمہ بن جاتا ہے۔ آپ کی نظم 'ابوالعلامعرّی'(''بالِ جبریل'') میں ہے کہ ابوالعلامعرّی گوشت نہ کھاتا تھا۔ اس نظم کے اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معرّی — پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات
اک دوست نے بھونا ہوا تیتر اسے بھیجا — شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہو مات
یہ خوانِ تروتازہ معرّی نے جو دیکھا — کہنے لگا وہ صاحبِ غفران و لزومات
اے مرغکِ بے چارہ ذرا یہ تو بتا تو — تیرا وہ گناہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات
افسوس! صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو — دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے — ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

(ب ج:۴۴۹)

مذکورہ بالا واقعہ میں آپ نے یہ سبق دیا ہے کہ زمانے کے حوادث سے بچنے کے لیے انسان کو چاق و چوبند رہنا ضروری ہے کیونکہ اس دنیا میں survival of the fittest کے اعتبار سے کوشش اور جستجو کرنا چاہیے۔

علامہ اقبالؒ نے ''ارمغانِ حجاز'' میں ایک اور مثال پیش کی ہے، جس میں کبوتر کا ذکر آتا ہے کہ اس نے اپنے بچے کو بہت خوب نصیحت کی ہے۔ کبوتر کی آواز سے یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ وہ ''اللہ ھو'' کا ذکر کرتے ہیں۔ کبوتر اپنے بچے سے کہتا ہے ''اے میرے بچے! نرم طبیعت رکھنے والے اپنی زندگی کو صحیح طرح نہیں گزار سکتے۔ تمہیں چاہیے کہ تم سختیوں کو برداشت کرنے کی طاقت پیدا کرو اور ''اللہ ھو'' کا ذکر اس مستی، شوخی اور گرم جوشی سے کرو کہ تمہارے اندر بے بہا طاقت پیدا ہو جائے اور بجائے اس کے کہ تم شاہین کا شکار بن جاؤ، تم اپنی اس روحانی طاقت کے ذریعے شاہین کے سر سے بہادری کا تاج چھین سکو۔

یہ بات درست ہے کہ درویشوں کے دروازے پر بیٹھے رہنے والے کتوں میں بھی یہ طاقت

Marfat.com

پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ شیروں اور چیتوں کو بھی پھاڑ دیتے ہیں۔ (سائیں توکل شاہ اور دیگر بزرگوں کے بارے میں ایسی مثالیں مطالعے میں آتی ہیں)

علامہ اقبالؒ نے "حضور عالم انسانی" (رباعیات "ارمغانِ حجاز") میں فرمایا ہے:

کبوتر بچۂ خود را چہ خوش گفت کہ نتواں زیست باخوئے حریری
(کبوتر نے اپنے بچے سے کیا اچھی بات کی، نرم طبیعت سے زندگی بسر نہیں کی جاسکتی)
اگر "یاھو" زنی از مستیٔ شوق کلہ را از سرِ شاہیں بگیری
(اگر تو مستیٔ شوق سے "ھو، ھو" کا نعرہ لگائے تو شاہین کے سر سے بھی تاج چھین سکتا ہے)
(ا ح:۱۹۹)

علامہ اقبالؒ خدا سے اسی سرمستی کے جذبے کی بھیک مانگ کر اس کی پاک بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ امت محمدیہ ﷺ کے ہر شخص کو جو کہ کبوتروں کی سی بے آبرو زندگی بسر کر رہے ہیں، انہیں عقابی روح عطا فرمائیں۔

بجلال تو کہ در دلِ دِگر آرزو ندارم بجز ایں دعا کہ بخشی بکبوتراں عقابی
(تیرے جلال کی قسم! میرے دل میں کوئی اور آرزو نہیں، سوائے اس کے کہ تو کبوتروں کو عقابی شان عطا فرمادے) (ز ع: ۴۳۳)

Marfat.com

باب ۱۱

پھر اِن شاہیں بچوں کو بال و پَر دے

(جوانوں کو مری آہِ سحر دے)

علامہ اقبالؒ نے انتھک محنت اور مجاہدات کے بعد اپنا مقام پیدا کیا۔ آپ نے خود ہی اپنے متعلق فرمایا ہے:

اگر جہاں میں میرا جوہر آشکار ہوا　　قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے تُو جس کو خود سمجھتا ہے　　زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
(ض ک: ۴۸۲)

ایک وقت تھا کہ علامہؒ اپنے متعلق فرماتے تھے:

اقبال بھی اقبالؔ سے آگاہ نہیں ہے　　کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے!
(ب د: ۶۰)

Marfat.com

پھر ایک مقام پر آپ نے اپنے لیے فرمایا:

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی اپنے سینہ میں اسے اور ذرا تھام ابھی
(ب د: ۲۷۸)

پھر یہ مقام آیا کہ ارشاد فرمایا:

پیرِ حرم نے کہا سن کے مری روئیداد! پختہ ہے تیری فغاں، اب نہ اسے دل میں تھام
(ب ج: ۳۵۴)

اس کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی کہ الٰہی تو نے جو کچھ مجھے عطا کیا ہے اس کو میری قوم میں عام کر دے، بلکہ ایک جگہ تو فرمایا کہ جو کچھ مجھے دیا ہے اسے میرے قافلے میں لٹا دے تا کہ یہ امانت اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے۔

مجھے عشق کے پَر لگا کر اڑا مری خاک جگنو بنا کر اڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر! جوانوں کو پیروں کا استاد کر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے مرا عشق میری نظر بخش دے
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے
(ب ج: ۴۱۶۔۴۱۷)

علامہ اقبالؒ اپنی آہِ سحر کو بہت بلند مقام عطا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' میں 'نوائے سحری' کے نام سے دو ابواب شامل کیے گئے ہیں۔ ان ابواب کا مطالعہ کرنے کے بعد علم ہو گا کہ آپ کی نوائے سحری سے کیا مراد ہے۔ اسی تسلسل میں آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا فرماتے ہیں کہ الٰہی! میری قوم کے جوانوں کو بھی اس آہِ سحر کی توفیق عطا فرما۔

Marfat.com

بالِ جبریل (رُباعیات)

جوانوں کو مری آہِ سحر دے پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پَر دے
(ب ج:۳۷۸)

علامہؒ کو اس بات کا احساس ہوا کہ جب تک مسلمان دولتِ یقین سے ہم کنار نہیں ہوتے تو سوزِ یقین پیدا نہیں ہوسکتا۔ عمل کی اساس بھی یقین پر ہے اور ایمان کی بلندی بھی یقین کی بنیاد پر ہے۔ ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' میں ''یقین'' پر تقریباً سات صفحات پر مشتمل ایک مضمون لکھا گیا ہے جس کے مطالعہ سے یقین کے کمالات نظر سے گزرتے ہیں۔ آپ نے مسلمانوں کی غلامی کا علاج بھی یقین میں ہی مخفی دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
(ب ج:۴۰۲)

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں کی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو عیش و عشرت کی زندگی کو الوداع کہہ دینا ایسا ہے کہ جیسے شاہین فقیرانہ شان میں زندگی بسر کرتا ہے۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں!
(ب ج:۴۱۲)

باز کی اپنے بچے کو نصیحت

''پیامِ مشرق'' میں علامہ اقبالؒ نے ایک باز کی نصیحت اپنے بچے کے نام لکھی ہے اور وہ اپنے بچے کو نصیحتیں کرتا ہے کہ جب سے بندوں میں یہ نصیحت اور پند کا کام بند ہو گیا تو قوموں میں زوال آ گیا۔ علامہؒ نے فرمایا کہ جب سے نئی پود کو ملتِ اسلامیہ کے

Marfat.com

چشمے سے پانی نہ ملا تو اس میں بے دینی اور الحاد کے انداز پیدا ہو گئے ہیں۔

پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
(ب د: ۲۴۵)

باز اپنے بچے سے کہتا ہے کہ تو جانتا ہے کہ سارے باز ایک ہی جوہر کے مالک ہیں۔ ان کا دل شیروں جیسا ہے مگر حقیقت میں ایک مٹھی پروں سے زیادہ نہیں۔ تجھے چاہئے کہ اچھی عادات اور پختہ تدابیر اختیار کرے اور جرأت مند، غیرت مند اور بڑا شکار کرنے والا بنے۔ تیتر، تلیر اور تورنگ (صحرائی پرندے) کی طرح نہ بن اور ان سے میل جول بھی نہ رکھ کیونکہ یہ ڈرپوک اور کمینے پرندے ہیں اور اپنی چونچ سے مٹی کھود کر اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ ایسا باز (باشہ) جو ان کے ساتھ میل جول رکھتا ہے خود بھی شکار ہو جاتا ہے۔ بہت سے شکرے چڑیوں کی صحبت میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ خوددار بنو اور خوش رہو، دلیری اور تنومندی اختیار کرو۔ خوں کا ایک قطرہ قیمتی لعل سے بہتر ہے۔ بھڑوں کی طرح گروہ نہ بنا بلکہ اپنے بڑوں کی طرح خلوت اختیار کر۔

باز نے اپنے بچے کو سمجھایا کہ اپنے شکار کے لیے تو اپنے رگِ بدن کو ہرن کے سینگ کی طرح تیز رکھ۔ دنیا میں جتنی مسرت ملتی ہے وہ سخت کوشی، محنت اور بلند ہمتی سے ملتی ہے۔ ہم جیسے بوڑھے بازوں کی یہ نصیحت یاد رکھنا کہ درخت کی شاخ پر اپنا نشیمن نہ بنانا۔ ہم باغ یا پھلواڑی میں گھر نہیں بناتے، ہمارے لیے کوہ وصحرا ہی بہشت کی مانند ہیں۔ زمین پر سے دانہ چگنا سخت غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آسمانوں کی وسعت عطا کی ہے۔ زمین پر پاؤں گھسیٹنے والا باز گھریلو پرندوں سے زیادہ کمینہ ہے۔ شاہبازوں کے چلنے پھرنے کے لیے پتھر کے پہاڑ ہیں کیونکہ پتھروں پر چلنے سے پنجے تیز ہوتے ہیں۔

باز نے اپنے بچے کو کہا ''تو صحرا کا زرد چشم، تیری اصل سیمرغ کی طرح بلند ہے۔ تیری پرواز میں فرشتوں کی شان ہے۔ تیری رگوں میں کافوریوں کا خون ہے۔ بوڑھے آسماں کے نیچے جو روکھی سوکھی مل جائے وہ کھا مگر کسی کے ہاتھ سے لقمہ نہ لے۔ نیک راہ اور نیکوں کی نصیحت قبول کر۔ نیچے اس نظم کے چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔ شائقین حضرات ''پیامِ مشرق'' سے رجوع فرمائیں۔

Marfat.com

تو دانی کہ بازاں زیک جوہر اَند   دلِ شیر دارند و مشت پَر اند

(تو جانتا ہے کہ سارے باز ایک جوہر سے ہیں۔ ان کا دل شیر کا ہے ویسے پروں کی مٹھی نظر آتے ہیں)

نکو شیوہ و پختہ تدبیر باش   جسور و غیور و کلاں گیر باش

(تجھے چاہیے کہ اچھی عادات اور پختہ تدبیر اختیار کرے۔ جرأت مند، غیرت مند اور بڑا شکار کرنے والا بن)

میا میز با کبک و تورنگ و سار   مگر ایں کہ داری ہوائے شکار

(تیتر، تلیر اور تورنگ (صحرائی پرندہ) سے میل جول نہ رکھیو، سوائے اس کے کہ انہیں شکار کرنا مقصود ہو)

نگہ دار خود را و خورسند زی   دلیر و درشت و تنومند زی

(خوددار بن اور خوش رہ، دلیری درشتی اور تنومندی اختیار کر)

بسا شکرہ افتادہ بر روئے خاک   شد از صحبتِ دانہ چیناں ہلاک

(بہت سے شکرے (شکاری پرندے) جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں، وہ چڑیوں کی صحبت سے ہلاک ہو جاتے ہیں)

چہ خوش گفت فرزندِ خود را عقاب   کہ یک قطرۂ خوں بہتر از لعلِ ناب

(عقاب نے اپنے بیٹے سے کیا خوب کہا، خون کا ایک قطرہ قیمتی لعل سے بہتر ہے)

چنیں یاد دارم زبازانِ پیر   نشیمن بشاخِ درختے مگیر

(مجھے بوڑھے بازوں کی یہ بات یاد ہے کہ درخت کی شاخ پر اپنا نشیمن نہ بنا)

ز روئے زمیں دانہ چیدن خطاست   کہ پہنائے گردوں خداداد ما

(زمین پر سے دانہ چگنا غلطی ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی وسعت عطا کی ہے)

پئے شاہبازاں بساط است سنگ   کہ برسنگ رفتن کند تیز چنگ

(شاہبازوں کے چلنے پھرنے کی جگہ پتھریلے پہاڑ ہیں کہ پتھروں پر چلنے سے پنجے تیز ہوتے ہیں)

بہ پروازِ تو سطوتِ نُوریاں   بہ رگہائے تو خونِ کافوریاں

(تیری پرواز میں فرشتوں کی سی شان ہے، تیری رگوں میں کافوریوں کا خون ہے)

Marfat.com

زدستِ کسے طعمۂ خود نگیر نکو باش و پندِ نکویاں پذیر
(مگر کسی کے ہاتھ سے لقمہ نہ لے، نیک راہ اور نیکوں کی نصیحت قبول کر)
(پ م: ۲۷۲، ۲۷۳)

افسوس! صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تُو
(دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات)

پوری دنیا میں یہ مقولہ مشہور ہے "Survival of the fittest" یعنی اس دنیا میں صرف وہی چیز (اور لوگ بھی) زندہ رہ سکتے ہیں جو طاقت، قابلیت اور عقل کے اعتبار سے سب سے زیادہ موزوں ہیں۔ اس بات کو یوں بھی کہا جاتا ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ یہ ایک تھیوری بھی ہے اور سائنس کے اعتبار سے اس کی وضاحت بہت طویل ہے۔ مگر علامہ اقبالؒ نے اسے بہت آسانی سے معرّی کی مثال سے سمجھا دیا ہے کہ وہ گوشت نہ کھاتا تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ لوگ جانور کو ذبح کر کے کھا جاتے ہیں۔ اس میں ان کا قصور کیا ہے کہ لوگ انہیں کھا جاتے ہیں۔ یہ قصہ اس کتاب کے گزشتہ صفحات پر تفصیل سے دیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک دوست نے معرّی کو بھونا ہوا تیتر بھیجا کہ شاید وہ بھنے ہوئے تیتر کو کھا لے۔ مگر اس نے جب یہ بھنا ہوا "خونِ تر و تازہ" دیکھا تو کہا اے تیتر! تیرا کیا قصور تھا کہ تجھے اس طرح مار کر کھانے کے لیے بھیجا گیا ہے؟ پھر اس نے خود ہی کہا کہ تیرا قصور فقط یہ ہے کہ تو ایک طاقت والا پرندہ (یعنی باز) نہ بنا اور تیری آنکھ نے فطرت کے ان اشاروں کو نہیں دیکھا، جس کو علامہؒ نے اس شعر میں بیان کیا:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات
(ب ج: ۴۴۹)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص ضعیف اور نادار ہے اسے دنیا کی ہر شے (بلکہ کیڑے مکوڑے بھی) ذلیل سمجھ کر کھا جاتے ہیں۔ شاہین اپنی توانائی، قوت، ہوشیاری اور تیزی کی وجہ سے ان بلاؤں سے محفوظ ہے۔ علامہؒ مسلمانوں کو بھی ایسے ہی بہادر اور دلیر دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان سے کوئی نبرد آزما نہ ہو سکے۔

Marfat.com

چشمِ نگراں حاصل کرو

اس کتاب کا نام ہی ''شاہیں کا جہاں اور'' انہی اشعار پر رکھا گیا ہے کہ اگر دل زندہ ہے تو اللہ تعالیٰ چشمِ نگراں عطا کر دیتے ہیں جس سے وہ حالات کو بھانپ کر قدم اٹھاتا ہے۔ یہی وہ بات ہے کہ اگرچہ کرگس اور شاہیں ایک ہی فضا میں پرواز کرتے ہیں مگر دونوں کا جہاں ان میں موجود مختلف کمالات کی وجہ سے جداگانہ ہیں۔ اس بات کی تفصیل اس کتاب میں الگ سے بیان کی جا چکی ہے۔ اس بیان سے علامہ اقبالؒ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے اندر ایسے کمالات پیدا کریں کہ ان کو جہان میں زندہ رہنے کا حق مل جائے۔

چشمِ نگراں Watchful Cautious and with all spiritual foresight (یعنی خوبیٔ نگرانی، محتاط اور روحانی پیش رفتی)۔ علامہ اقبالؒ کی چشمِ نگراں سے یہ مراد ہے کہ جو آنکھ زندہ و بیدار ہو اس میں روحانی قوت کا سرچشمہ موجود رہتا ہے۔ اس چشمہ سے وہ ایسے کام کرتا ہے جو عام لوگوں کو میسر نہیں۔ ہماری تصانیف ''جنیدؒ و بایزیدؒ'' ''رابطہ شیخ''، ''حضورِ قلب'' اور ''حسن نماز'' میں اس موضوع پر پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ ایک اور تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکرِ اقبالؒ'' میں بصیرتِ قلبی پر کچھ مضامین ہیں۔ یہ وہ نور ہے جو ہر مومن کے دل میں موجود رہتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ ان تمام چیزوں کو بھی دیکھ سکتا ہے جس کو اور لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ روحانی دنیا میں اسے فراست یا وجدان بھی کہا جاتا ہے۔ فراست کسی چیز کو اللہ کے نور سے پہچان لینے کو کہا جاتا ہے۔ یہ نور ریاضت اور کثرتِ عبادت سے پیدا ہوتا ہے۔ وجدان مقام شہود کو کہتے ہیں (مقام شہود یہ ہے کہ جب سالک کا مشاہدہ شروع ہو جائے تو احوال صادقہ قلب پر اس وقت وارد ہوتے ہیں جب قلب خالی ہو جائے۔ یہ چشمِ نگراں تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کے سالار ساریہؓ کو منبر پر وعظ کرتے ہوئے آواز دی تھی، ''یا سارية الجبل'' کہ اے ساریہ پہاڑوں کی طرف دیکھو کہ کفار کی ایک فوج تمہارے تعاقب میں پہاڑی کے پیچھے پہنچ گئی ہے۔

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر | کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے | زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

(ب ج: ۳۱۶)

Marfat.com

مُلّا کی نظر نورِ فراست سے ہے خالی بے سوز ہے میخانۂ صوفی کی مے ناب
(ا ح:٦٧٦)

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی؟
(ب ج:٣٠٦)

نظر نہیں تو میرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغ اصیل
(ب ج:٣٥٥)

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
(ض ک:٥٣١)

چیتے کا جگر چاہیے، شاہیں کا تجسس جی سکتے ہیں بے روشنئ دانش و فرہنگ
کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ!
(ب ج:٣٦٨)

اس کی نگہِ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار ہر ذرّہ میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق
(ض ک:٥٣٦)

دل کا زندہ ہونا اور چشمِ نگراں کا عطا ہونا چند اصولوں پر مبنی ہے۔ اس کے لیے زاہدانہ کردار، حلال اور پاکیزہ رزق اور مردِ آزاد ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ جب کوئی ان چیزوں سے محروم ہو تو چشمِ بینا پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ جذبۂ مشکل پسندی و سخت کوشی اختیار کرنا اور تقلیدِ کورانہ سے بچنا بھی اس کی ضروریات میں سے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ نورِ فراست کے لیے وہ سوز، لگن اور تڑپ کا جذبہ درکار ہے جو محض کسی آزاد مرد میں ہی پایا جا سکتا ہے اور جو دقیانوسی خیالات میں لگا رہے تو ایسے لوگوں کے میخانے کی عمدہ شراب بھی بے سود ہے۔ شاہین میں اصولی طور پر یہ تمام باتیں موجود ہیں۔ اس لیے علامہؒ نوجوانانِ اسلام کو بھی نصیحت کرتے ہیں کہ ان اسلامی خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کریں۔ فرماتے ہیں:

مسلمان طائرِ لاہوتی کے مشابہ ہوتا ہے

''بالِ جبریل'' میں علامہ اقبالؒ کی ایک مشہور نظم (منظومات نمبر ٣٤) میں سے یہ ہے کہ جب عشق خود آگاہی کے آداب سکھاتا ہے تو غلاموں پر بھی اسرارِ شہنشاہی کھل

Marfat.com

جاتے ہیں اور اس میں طائر لاہوتی کا اشارہ ایک مثالی انسان کی طرف ہے اور اس میں گو شاہین کا لفظ نہیں آیا مگر یہ شعر شاہین کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔ اس نظم کے چند شعر نیچے دیے جا رہے ہیں:

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی — کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی
عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی
اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(ب ج: ۳۴۸)

دوسرے شعر کا یہ مطلب ہے کہ جب تک کوئی مسلمان آہِ سحرگاہی کی عادت نہیں رکھتا تو اس کو کوئی بلند روحانی مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔ آخری شعر میں طائر لاہوتی کا ذکر ہے اور لاھوت سے مراد وہ عالمِ روحانی ہے جس سے مسلمان کو تعلق رہتا ہے۔ عالم ملکوت، جبروت اور لاھوت عالم بالا کے عوالم ہیں اور لاھوت کا مطلب ہے اللہ ہی اللہ کا یا الوہیت کا ہونا جس سے مراد روحانی تعلیمات یا روح ہے۔ ''سرِ دلبراں'' میں ہے کہ لاھوت کا لفظ دراصل لاھو اِلاّھو ہے۔ (یعنی اس اللہ کے سوا کچھ نہیں) اہل الوہیت اس کو مقامِ فنا، محویت تامہ، حقیقت وحدت کہتے ہیں جو ہر شے میں جاری و ساری ہے۔ اس کو مرتبہ بذات بھی کہتے ہیں۔ علامہؒ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا تعلق روحانی تعلیمات کی وجہ سے عالم لاھوت سے ہے اور ایسا شخص ہر چیز میں اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہیں رکھتا یا یہ کہ اسے فنافی اللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ جس بندۂ مومن کا تعلق عالمِ لاھوتی سے ہو تو اس کے لیے حرام رزق حاصل کرنے یا غیر اللہ سے رزق حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس کو ایسے رزق سے مرجانا ہی بہتر ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں:

ع فرد از توحید لاہوتی شود (یعنی انسان توحید سے لاھوتی بن جاتا ہے)

شاہین میں یہ صفات موجود ہیں کہ وہ کسی غیر کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا اور اپنے اصل مقام کو پہچانتا ہے۔ درج ذیل شعر میں علامہؒ فرماتے ہیں کہ فلسفی (نطشے یا شوپنہار) کوئی بھی ہو، اسلامی تخیلات میں ڈوبی ہوئی محبت سے خالی ہوتا ہے اور کرگس کی طرح شکارِ

Marfat.com

زندہ کی لذت سے محروم رہتا ہے۔

بلند بال تھا، لیکن نہ تھا جسور و غیور حکیم سرِّ محبت سے بے نصیب رہا!
پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار شکارِ زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا!
(ب ج:۴۵۶)

علامہ اقبالؒ نے ''بالِ جبریل'' میں بھی یہی حقیقت پیش کی ہے کہ نگاہِ عشق بلند پروازی اور زندہ دلی کی دلدادہ ہے کیونکہ شکارِ مردہ شاہین کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اس کا رزق پاکیزہ ہے اور عالم ملکوت سے متعلق ہونے کے باعث شکارِ مردہ شاہین کی شان کے لائق نہیں۔ علامہؒ نے شاہین کے لیے فرمایا کہ اے طائر لاہوتی! تیرا تعلق بلند مقام سے ہے۔ اس لیے ایسا رزق قبول نہ کر جس سے تیری پرواز میں کسی قسم کی کوتاہی واقع ہو جائے۔ اس شعر میں اگرچہ اشارہ شاہین کی طرف ہے مگر مسلمان کو بھی شعر میں شامل کیا گیا ہے کہ اے مسلماں تیرا تعلق تو عالم روحانی (لاھوت) سے ہے اس لیے ایسا رزق حاصل کرنے سے مر جانا بہتر ہے جس میں حرام کی آمیزش ہو اور اس حرام رزق کے باعث تمہاری پرواز (یعنی شانِ روحانیت) میں کسی قسم کی کمی نہ ہو جائے۔ یہ بات قرآن و حدیث سے واضح ہے کہ جس کا کھانا پینا اور لباس حرام مال سے بنا ہو تو اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی اور دعاؤں میں تاثیر نہیں رہتی۔ عبادت اور رزقِ حلال کا تعلق ہم اس کتاب میں الگ سے بیان کر چکے ہیں کہ عبادت کے دس حصوں میں سے نو حصے حلال رزق کے کھانے میں ہیں۔

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
(ب ج:۳۴۸)

اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو ایسی حالت میں لانا چاہتا ہے کہ وہ باقی ماندہ اور عام مسلمانوں سے ممتاز زندگی بسر کرے تو اسے اپنے اصل مقام (لاھوت) کو ذہن میں رکھ کر دنیاوی امور کو سرانجام دینا چاہیے تاکہ اس کا ہر کام اعلیٰ معیار کے مطابق قائم ہو سکے۔

Marfat.com

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا

''ضربِ کلیم'' کی ایک نظم 'اسرارِ پیدا' میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو یہ سبق دیا ہے کہ مسلمان اگر پُرعزم اور باہمت ہوں تو ان کو اپنے کاروبارِ حیات میں گراوٹ کا سامنا کرنے کی حاجت نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس قوم کی خودی صورتِ فولاد مضبوط ہو، اس کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کی پوری قوم اس قدر ذلیل حرکتوں میں ملوث ہے کہ اس قوم میں کوئی عمل، کردار یا معیار دیکھنے میں نہیں آتا۔ اس قوم کے افراد میں اصولوں کی پابندی تو نام کو بھی نہیں پائی جاتی۔ جو زیادہ بدمعاش اور لچا لفنگا ہے وہ اپنے ہمعصروں پر ناجائز طریقوں سے برتری حاصل کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ مسلمان کو شاید یہ معلوم نہیں کہ یہ چاند سورج اور ستارے عالمِ مجبوری میں بندھے ہوئے گردش کر رہے ہیں اور مسلمان دینی اصولوں کے علاوہ ہر چیز سے آزاد ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ آج کا مسلمان اسلام اور اس کے اصولوں کی پابندیوں سے اس طرح فرار ہونا چاہتا ہے جیسے اسے اس کی قطعاً کوئی حاجت ہی نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمان جب چاہے تو ایک نیا مذہب ایجاد کر سکتا ہے۔ ہماری قومی حالت سخت مایوس کن ہے۔ لوگوں کی روش اور سیاست کی لاقانونیت کو دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے کہ کب ان کو ہوش آئے گا۔ ان لوگوں پر کسی وعظ و نصیحت کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ علامہ اقبالؒ نے اس حالت کو یوں بیان کیا ہے:

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حریتِ افکار کی نعمت ہے خداداد!
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدۂ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد!
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد!
ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد!

(ض ک: ۵۲۴)

علامہ اقبالؒ اس حالتِ زار سے اس قدر مایوس تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر انگریز مسلمان ہو جائے تو بھی یہ مسلمان غلامی کی عادت کو ترک نہیں کریں گے۔

Marfat.com

اگر قبول کرے دینِ مصطفےٰ ﷺ انگریز
سیاہ روز مسلمان رہے گا پھر بھی غلام!
(ض ک: ۵۲۴)

علامہ اقبالؒ نے شاہین کے عزم اور ہمت کی پختگی کی بات کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مجبورِ محض خیال نہیں کرتا۔ جب شاہین پرواز کے لیے پر کھولتا ہے تو اپنے اندر مذکورہ صلاحیتوں کے ہوتے ہوئے پرواز سے گرنے کا خیال تک بھی دل میں نہیں لاتا۔ یہی وہ صفات ہیں کہ جو زندہ قوموں کے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی وہ جو بھی کردار ادا کریں پُرعزم طریقے سے کرتے ہیں اور استقلال کے باعث کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
ناچیز جہانِ مہ و پرویں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے، تُو عالمِ آزاد
شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُر دم ہے اگر تُو، تو نہیں خطرۂ اُفتاد
(ض ک: ۵۳۴)

ان اشعار کی رُو سے مردِ مسلمان کے لیے ان تمام خوبیوں پر نگاہ رکھنا جو شاہین نے اپنے اصولوں میں شامل کی ہیں، ضروری ہے، تاکہ وہ دُنیا کی قوموں میں ممتاز حیثیت کا مالک ہو سکے۔ علامہؒ کی مسلمانوں کو ان لفظوں میں نصیحت ہے کہ وہ پرواز کے لیے ہمت کو ہر وقت پرکُشا رکھیں۔

یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسماں
ہمت ہو پرکُشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں
زیرِ پر آ گیا تو یہی آسماں زمیں!
(ض ک: ۶۳۸)

شاہین کبھی چڑیا کی غلامی نہیں کرتا

مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ شاہین جانتا ہے کہ چڑیا کے پیٹ میں کتنی انتڑیاں ہیں یا کہیں کہ چڑیا کے پوٹے میں کیا کچھ سامان ہے جو باز سے چھپا ہوا ہے۔

Marfat.com

در تنِ کنجشک چیست از برگ و ساز
کہ شود پوشیدہ آں بر عقلِ باز

(چڑیا کے پیٹ میں کہاں کا (بے پایاں) سازو سامان ہے جو باز کی عقل سے پوشیدہ ہے)

آنکہ واقف گشت بر اسرار ھُو
سرِّ مخلوقات چہ بود پیشِ اُو

(جو بزرگ ذاتِ باری تعالیٰ کے اسرار پر واقف ہو جائے اس کے سامنے مخلوقات کا بھید کیا مشکل ہے)

اس حقیقت سے جو اوپر آشکار کی گئی ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر کسی کا اللہ تعالیٰ سے اس قسم کا تعلق ہو کہ وہ اللہ کے چھپے ہوئے بھیدوں کو جان سکتا ہو تو اس کے لیے دنیا کے کاروبار اور دیگر حقائق کا معلوم کرنا کون سی مشکل بات ہے۔ ایسا بزرگ تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سردار مقرر کر دیا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جو چیز انسان کو دوسروں پر ممتاز کرنے والی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آشنائے راز فطرت کی خوبی رکھتا ہو اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ کرنے سے ہی ممکن ہو سکتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص کسی کا غلام ہو تو اس کی سنگت کو قبول نہ کرو بلکہ کسی حافظ قرآن سے قرآن کا سننا بھی فائدہ مند نہیں اگر وہ غلامی کا طوق اپنے گلے میں رکھتا ہو۔ علامہؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ انہوں نے کبھی کتے کو کسی کتے کی غلامی قبول کرتے نہیں دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے غلامی کی حالت میں درود شریف پڑھتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں غلامی کی حالت میں اپنے منہ سے درود شریف کے الفاظ ادا کروں۔ آپ نے ''ضربِ کلیم'' میں کچھ مسلمانوں کے لیے چند نصائح بیان فرمائے ہیں جس کے کچھ اشعار حسب ذیل ہیں:

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز، گرمیٔ محفل نہ کر قبول

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

(ض ک: ۵۳۵)

Marfat.com

غلامی کیا ہے؟ اقبالؒ کا نظریہ

علامہ اقبالؒ غلامی کی زندگی سے نجات حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو اس بات کی رغبت دیتے ہیں. کہ غلامی سے وہ یکایک نجات حاصل کریں اور وہ صرف خودی کی نشوونما میں پوشیدہ ہے۔

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حسنِ زیبائی سے محرومی جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
(ب ج: ۳۱۶)

تن بہ تقدیر ہے آج اُن کے عمل کا انداز تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
بدن غلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم کہ ہے مرُور غلاموں کے روز و شب پہ حرام
(ض ک: ۶۲۱)

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
(ب د: ۲۷۱)

سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات • خودی کی پرورش و لذّتِ نمود میں ہے
(ض ک: ۶۲۲)

کہا گیا ہے کہ آزادی کا ایک سانس غلامی کی تمام عمر سے بہتر ہے۔ غلامی کی عبادت بھی ننگ و عار نظر آتی ہے۔ عبادت تو مردانِ حر کے لیے مفید ہے۔ مسلمانوں کی عید بھی صرف مسلمانوں کے ایک ہجوم کی شکل میں نکلنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ عبادت کرنا اور درود پڑھنا صرف آزاد مسلمانوں کو زیب دیتا ہے۔

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں عیدِ محکوماں ہجومِ مومنیں
(آزاد لوگوں کی عید ان کے ملک اور دین کی شان و شوکت ہے اور محکوموں کی عید فقط مومنوں کا ایک ہجوم میں نکلنا ہے) (پ چ: ۸۳۴)

در چنیں دشتِ بلا صد روزگار خوشتر از محکومیٔ یک دم شمار
(ز ع: ۵۷۳)

(ایسے دشتِ بلا میں کئی صدیاں گزارنا غلامی کی ایک گھڑی سے بہتر سمجھ)

Marfat.com

از غلامے لذتِ ایماں مجو گرچہ باشد حافظِ قرآں مجو

(کسی غلام سے ایمان کی لذت مت تلاش کرو، اگرچہ حافظ قرآن ہے (تب بھی تلاش نہ کرو)

چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود از خجالت آب می گردد وجود

(جب میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتا ہوں تو شرم سے میرا وجود پانی پانی ہو جاتا ہے)

عشق می گوید کہ اے محکوم غیر سینۂ تو از بتاں مانندِ دَیر

(میرا عشق کہتا ہے کہ اے غیر قوم کے محکوم تیرا سینہ بتوں کی وجہ سے بت خانہ بنا ہوا ہے)

تا نہ داری از محمد رنگ و بُو از درودِ خود میالا نامِ اُو

(جب تک تو رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کا رنگ و بو نہ حاصل کر لے، اپنے درود سے ان کے نام پاک کو آلودہ نہ کر) (پ چ: ۸۳۳)

از غلامی فطرتِ آزاد را رُسوا مکن تا تراشی خواجۂ از برہمن کافرتری

(غلامی سے تم اپنی آزاد فطرت کو رُسوا نہ کرو، اگر تو کسی کو خوامخواہ اپنا خواجہ (آقا) بنا لے تو تُو برہمن سے بھی زیادہ کافر ہے) (ب د: ۲۶۱)

انسان کو آزاد فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اور اگر کوئی شخص خواہ مخواہ (بغیر شرعی اجازت کے) کسی کو اپنا آقا یا خواجہ بنا لیتا ہے تو وہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک برہمن سے بھی بڑھ کر کافر ہے۔ غلام ہر وقت موت کے غم میں مرا رہتا ہے اور اس موت کے غم میں اس کا جینا ہی حرام ہو جاتا ہے۔ غالباً یہ علامہ اقبالؒ اپنے زمانے کی بات کر رہے ہیں مگر راقم الحروف کا خیال ہے کہ اِس وقت کا مسلمان کبھی موت کو یاد ہی نہیں کرتا اور موت کو اس طرح بھولا ہوا ہے کہ جیسے وہ قیامت تک نہیں مرے گا۔ آزاد مرد کی تو شان ہی اور ہے۔ جب وہ مرتا ہے تو اسے دوسری اور حقیقی زندگی مل جاتی ہے۔ آزاد لوگوں کی موت تو ایک آن سے زیادہ نہیں۔ ان کو فوراً ابدی زندگی مل جاتی ہے۔

ہر زماں میرد غلام از بیمِ مرگ زندگی اُو را حرام از بیمِ مرگ!

(غلام ہر گھڑی موت کے غم سے مرتا ہے، موت کے غم سے اس کا تو جینا ہی حرام ہو جاتا ہے)

بندۂ آزاد را شانے دِگر مرگِ اُو را می دہد جانے دِگر

Marfat.com

(آزاد بندے کی تو شان ہی کچھ اور ہے، موت تو اس کو ایک نئی زندگی عطا کرتی ہے)

اُو خود اندیش است مرگ اندیش نیست　　مرگِ آزاداں زآنِ بیش نیست

(وہ تو اپنی باتوں کی فکر کرتا ہے موت کی نہیں، آزاد لوگوں کی موت تو ایک لمحے سے زیادہ نہیں ہوتی)　(ج ن: ۷۷۳)

غلام قوم کے لوگوں کی سوچ بھی بدل جاتی ہے۔ آج کل لوگوں میں وطن پرستی اور علاقائی تعصب کا احساس بڑھ رہا ہے۔ ہندوستان میں جو مسلمان کانگرس کے ساتھ ملے ہوئے تھے وہ ہندوؤں کی غلامی کے لیے تیار تھے۔ وہ جانتے تھے کہ پاکستان نہیں بن سکتا لہٰذا ہندوؤں سے اپنی وفاداریاں ظاہر کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ ہم پہلے ہندی ہیں اور بعد میں مسلمان یا ہندو ہیں۔ مسلمان تو وطن کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ جہاں جا کے جھنڈے کو گاڑا، وطن ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے　　جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

(ب د: ۱۶۰)

(ان شرک اور کفر کے بتوں میں سب سے بڑا وطن کا بت ہے جو اس کا لباس ہے وہ مذہب کا کفن ہے)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ملت وطن سے نہیں ہے بلکہ وطن ملت کے لیے ہے۔ آپ کی اس بات سے کانگرسی نام نہاد مسلمان ناراض ہو گئے اور علامہ اقبالؒ کا ناک میں دم کر دیا جو علامہؒ کی موت کا باعث بنا۔

غلامی کے برعکس آزاد انسانوں کی یہ شان ہے کہ اس کی ایک آن غلام کے ایک سال کے برابر ہے۔ آزاد شخص دائمی مسرت اور کامیابی حاصل کرتا ہے مگر محکوم ہر لحظہ مصائب میں گرفتار رہتا ہے اور خالی اوقات میں خرافات میں الجھا رہتا ہے۔ محکوم کو تو پیروں کی کرامات بیان کرنے کا شوق رہتا ہے جبکہ آزاد بندہ خود ہی صاحبِ کرامات ہوتا ہے۔

آزاد کی اک آن ہے محکوم کا اک سال　　کس درجہ گراں سیر ہیں محکوم کے اوقات

آزاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت　　محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات

Marfat.com

آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات!
(ض ک: ۵۴۰)

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام نے غلامِ اُو را نہ اُوکس را غلام
(بندۂ حق ہر مقام دنیاوی تفاخر سے بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا غلام اور نہ اس کا کوئی غلام ہوتا ہے) (ج ن: ۶۵۹)

ابن آدم کی یہ کتنی نادانی ہے کہ وہ چند ٹکوں کی خاطر آدمی کی بندگی کرتا ہے۔ خوئے غلامی کی وجہ سے وہ کتوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ کسی کتے کے آگے کسی کتے کو بھی سر جھکائے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

انسان بے بصری اور کم عقلی سے اپنے جیسے انسانوں کی غلامی کرتا ہے۔ اس میں جو قابلیت اور استعداد کے گوہر ہیں انہیں وہ حاکموں اور بڑے لوگوں کی نذر کر دیتا ہے۔ ایک غلام اپنی غلامی کی عادت کو اپنا کر کتوں سے بھی بدتر ہو گیا ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے آج تک کسی کتے کو کسی دوسرے کتے کے آگے سر خم کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر غلام کا سر دوسرے کے سامنے جھکا رہتا ہے۔

آدم از بے بصری بندگیٔ آدم کرد گوہرے داشت ولے نذر قباد و جم کرد
(ایک انسان بے سمجھی کے سبب دوسرے انسان کی بندگی کرتا ہے۔ اس کے اندر گوہر موجود ہیں مگر وہ اسے کیقباد و جمشید کی نذر کر دیتا ہے)

یعنی از خوئے غلامی ز سگاں خوار تر است من نہ دیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد
(گویا وہ خوئے غلامی میں کتوں سے بدتر ہے، کیونکہ میں نے آج تک کسی کتے کو دوسرے کتے کے سامنے سر خم کرتے نہیں دیکھا) (پ م: ۳۰۴)

Marfat.com

باب ۱۲

خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

حدیث شریف میں اس بات کا ذکر ہے کہ انسان کو دینِ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے مگر اس کے ماں باپ اس کو مجوسی یا یہودی بناتے ہیں۔ (متفق علیہ اور شرح صحیح مسلم، ص ۳۵۳، رقم الحدیث: ۶۶۳۱)

اس حدیث میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اپنے بچوں کی پرورش اسلامی قوانین اور اسلامی نظریات کے مطابق کرو۔ بچے کی ماں کو گھر کی چار دیواری میں رہ کر یہی خدمت سونپی گئی ہے کہ نیک سیرت اور خوش اسلوب بچوں کو ملت کے پلیٹ فارم تک پہنچا دیں۔ اگر کسی گھر کا ماحول عیاشی اور فحاشی پر ہوگا تو بچے بھی مادر پدر آزاد اور غلط روشوں پر چل نکلیں گے اور اس کے برعکس اگر ماں باپ اور گھر کا دستورِ عمل اسلامی اقدار کے مطابق ہو تو اس سے نیک اور ہونہار بچے قوم و ملت کا سرمایہ بنیں گے۔ ملتیں، افراد سے ہی قائم ہوتی ہیں۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں
(ب د: ۱۹۰)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیدۂ شاہین بخشا ہے

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیدۂ شاہین عطا کیا، مگر غلامی نے اس کو چمگادڑ کی نظر بھر دی۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا — کہاں سے آئے صدائے لا الہ الا اللہ
حدیث دِل کسی درویشِ بے گلیم سے پوچھ — خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ!
اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک — نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ!
(ب ج: ۳۳۸)

نوجوان نسل کے لیے نصیحت میں علامہؒ کا قول درج ہو چکا ہے کہ ہمارے اساتذہ بچوں کی تعلیم میں پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھتے ہیں اور شاہین بچوں کو بطخ کے بچے کی خُو سکھاتے ہیں۔

خوئے بط با بچۂ شاہیں دہد
(شاہیں کے بچے کو بطخ کی عادت سکھاتے ہیں)

''ضربِ کلیم'' میں علامہؒ فرماتے ہیں کہ بچہ ذرا بڑا ہو تو اسے فکر معاش کی تدابیر سکھا دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے شاہین کی طرح فطرت شناس نہیں رہتا۔

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے — قبض کی روح تری دے کر تجھے فکرِ معاش
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا — زندگی موت ہے کھو دیتی ہے جب ذوقِ خراش
اس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا — جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش
فیضِ فطرت نے تجھے دیدۂ شاہیں بخشا — جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ خفاش
مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو — خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش
(ض ک: ۵۴۵)

ایک جگہ علامہؒ نے فرمایا ہے:

اے جانِ پدر نہیں ہے ممکن — شاہیں سے تدرو کی غلامی
(ض ک: ۵۵۰)
(تدرو: چڑیا)

Marfat.com

شاہین خودی کا مجسمہ ہوتا ہے

شاہین کا طریقۂ زندگی، اعمال کا معیار، ذوقِ پرواز اور رفعت پسندی کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات علامہ اقبالؒ کو اس قدر مرغوب ہیں کہ آپ نے شاہین پر بہت سا کلام لکھا جس کا تفصیلی ذکر ایک الگ مضمون میں کیا جا چکا ہے۔

علامہؒ کا خیال ہے کہ باز ہر لحاظ سے خودی کا ایک مجسمہ ہوتا ہے۔ خودی پر آپ نے اپنا رہنما کلام بیان کیا ہے جس کو بہت سے مصنفین نے ''فلسفۂ خودی'' کے نام سے کتابوں اور کتابچوں کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس جگہ علامہؒ کے پیش کردہ نکات بیان کیے جائیں گے جن میں آپ نے مسلمان نوجوانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا ہے کہ جب شاہین جیسا پرندہ اسلامی فقر کی خصوصیات کو اپنے شعار میں اپنائے ہوئے ہے تو مسلمانوں کو اسلامی فقر کے اصولوں پر شاہین سے زیادہ پابند ہونے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں علامہ اقبالؒ کے چند اُن خصوصی نصائح کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جن پر سب کو عمومی طور پر اور نوجوانوں کو خصوصی طور پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ان نکات کو علامہ اقبالؒ نے اپنے مخصوص انداز میں جس طرح بیان کیا ہے وہ علامہؒ کا ہی خاصہ ہے۔

خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

یہ بات عام صوفی شعراء نے اپنے کلام میں بیان کی ہے کہ جو لوگ بری صحبت میں پلتے ہیں اور بروں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں تو وہ خود بھی برے ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ شاہین کے بچے جو کوؤں (یا کرگسوں) میں پلے ہوں، ان میں بلند پروازی ہرگز پیدا نہیں ہوتی۔ مثل مشہور ہے ''صحبت صالح ترا صالح کند'' اور ''صحبتِ طالح ترا طالح کند'' (صحبت صالح تجھے صالح کر دیتی ہے اور برے لوگوں کی صحبت برا کر دیتی ہے)، علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی　　خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ!

(ب ج: ۴۰۸)

Marfat.com

حکماء کا قول ہے کہ کوئی بچہ غیر جنس کے بچوں میں پرورش پائے تو وہ بھی اسی جنس کی عادات کو اپنا لیتا ہے جن میں وہ پلا ہو۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی
(ب ج: ۳۰۹)

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

افسوس کی بات ہے کہ ہمارے بچوں کے والدین، عزیز و اقارب اور اساتذہ سب مل کر بچوں کو اس سبق سے محروم رکھ رہے ہیں، جس کا اسلام نے حکم دیا ہے اور شاہین بچوں کو خاکبازی (غلط معیار) کے کارناموں میں الجھا رہے ہیں۔ فرمایا:

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا
(ب۔ج ۳۲۴)

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حالاتِ زمانہ انسان کو غلط سوسائٹی میں الجھا دیتے ہیں یا کبھی مطلب براری کے لیے چند بدقماش انسان نیک بچوں کو بُری لت میں گرفتار کر دیتے ہیں۔ آج کل کے زمانے میں بھنگ چرس اور ہیروئن وغیرہ نشوں میں بچوں کو پھنسا دیتے ہیں کہ ان کی تمام زندگی برباد ہو جاتی ہے اور یہ ملک اور عوام کے لیے ایک خاصا ناقابل معافی جرم بن گیا اور اونچے اونچے خاندانوں کے لوگ اس میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ یہ بری عادت کسی قوم کی تباہی کے لیے کافی ہے۔ غلط قسم کی تعلیم بھی اس نوعیت سے کم نہیں۔ ایسی تعلیم جس میں تضیع اوقات ہو اور انسان کو کسی معیار پر پورا نہ لے جاسکے وہ بھی گمراہ کن مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ ایسے ہی اس زمانے میں دینی رسم و راہ سے لے کر شطرنج بازی اور جوا بازی تک بہت سے کاروبار ایسے ایجاد ہو چکے ہیں کہ انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتے۔ یہ تمام بری عادات اور انسان کشی کے معاملات غلط سوسائٹی اور فریب خوردہ لوگوں کے ذریعے عوام میں پھیلتی ہیں۔ ان سے بچنا ضروری ہے اور علماء کا کام ہے کہ لوگوں

Marfat.com

کی درست سمت میں راہنمائی کریں۔ علامہؒ نے فرمایا:

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی
(ب ج: ۳۰۹)

مچھروں کی آواز سننے کا عادی شاہباز کی آواز نہیں سمجھتا

''ارمغانِ حجاز'' میں رباعیاتِ حضورِ رسالت مآب ﷺ میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ہندی مسلمان دنیا کی چمک دمک کے اسیر ہو چکے ہیں اور دلوں کو ذوق وشوق اور آرزو کے سوز سے خالی کر لیا ہے۔ وہ شہبازوں کی آواز کو نہیں پہچانتے کیونکہ ان کے کان مچھر کی آواز سننے کے عادی ہو چکے ہیں۔ درج ذیل اشعار کا یہی مطلب ہے۔

دلِ خود را اسیرِ رنگ و بُو کرد تہی از ذوق وشوق و آرزو کرد
(اپنے دِلوں کو رنگ و بُو کا اسیر بنا کر ذوق وشوق اور آرزو سے خالی کر لیا ہے)
صفیر شاہبازاں کم شناسد • کہ گوشش باطنینِ پشہ خو کرد
(وہ شہبازوں کی آواز کو نہیں پہچانتا کیونکہ اس کے کان مچھر کی آواز سننے کے عادی ہو چکے ہیں) (ا ح: ۹۱۵)

شاہین شکارِ زندہ کی تلاش میں رہتا ہے

شاہین کا درجہ اخلاقیات اور محبت کی وجہ سے بہت بلند ہے اور عشق کا درجہ اس سے بھی بلند ہے۔ اہل عشق اور شاہین دونوں ہی مردہ شکار کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے۔ اہل عشق کا دل بھی ذکر الٰہی سے زندہ ہوتا ہے۔

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے شکارِ مُردہ سزاوارِ شاہباز نہیں
(ب ج: ۳۳۰)

اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے انسانیت برہنہ سر ہو چکی ہے اور اگر دنیا میں وقار اور عزت کی زندگی درکار ہے تو انسان کی نگاہوں میں عزم بلند ہونا ضروری ہے کیونکہ قدرت نے ایسے باہمت اور باوقار لوگوں کے لیے عزت کا مقام مخصوص کر رکھا ہے۔

Marfat.com

برہنہ سر ہے تُو عزمِ بلند پیدا کر
یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ
چیتے کا جگر چاہیے شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانش و فرہنگ
(ب ج: ۳۳۸، ۳۶۸)

شکارِ زندہ سے مراد حلال رزق ہے

اہل اللہ حلال رزق کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ عبادت کو دس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو نماز روزہ وغیرہ ان دس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور باقی نو عدد اقسامِ عبادت طلب رزق حلال میں ہے، یعنی جس نے رزق حلال کما لیا تو گویا اس نے عبادت کے دس حصوں میں سے نو حصے حاصل کر لیے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ شاہین شکارِ زندہ کی تلاش میں رہتا ہے، وہ مردہ چڑیا کا شکار نہیں کرتا۔

ندارد کار با دوں ہمتاں عشق
تدروِ مُردہ را شاہیں نگیرد
(کم ہمت لوگوں سے عشق کوئی سروکار نہیں رکھتا، شاہیں مردہ چڑیا کا شکار نہیں کرتا)
(پ م: ۳۹۱)

عشق کی نظر میں عقاب کوئی شے نہیں

علامہؒ فرماتے ہیں کہ عشق کی پرواز عقابوں سے بھی زیادہ بلند ہے۔ عشق کی نگاہ میں عقاب کی کوئی قدر و قیمت نہیں کیونکہ وہ (تدرو) چھوٹے پرندوں کو باز سے لڑا دیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے دل کی بہت حفاظت کی مگر عشق نے اپنی گھات سے نکل کر اس پر حملہ کر دیا۔

عقاباں را بہائے کم نہد عشق
تدرواں را بباز اں سر دہد عشق
(عشق کی نظر میں عقاب کوئی شے نہیں وہ چھوٹے پرندوں کو بازوں سے لڑا دیتا ہے)
نگہ دارد دلِ ما خویشتن را
ولیکن از کمینش بر جہد عشق
(ہمارے دل نے اپنی بہت حفاظت کی مگر عشق نے اپنی گھات سے نکل کر اس پر حملہ کر دیا)
(پ م: ۱۹۶)

Marfat.com

شاہین اپنے دام میں نہ پھنسے تو شاہین نہیں بنتا

''ارمغانِ حجاز'' کی رباعیات 'حضورِ ملتِ اسلامی' میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمان مقامِ کبریائی سے نیچے گر جائے تو وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کمینے لوگوں کے سامنے بھی جھک جاتا ہے۔ جب مسلمان مسبب الاسباب (یعنی اللہ تعالیٰ) کے سوا دوسرے اسباب پر تکیہ کرنے لگتا ہے تو گویا اس نے اپنے آپ کو مقامِ کبریائی سے گرا دیا اور اپنی خواہشات کو خدا بنا لیا۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر قیود اور شرائط مقرر فرمائے ہیں اور حرام کاری سے منع فرمایا ہے لیکن انسان ان قیود کو چھوڑ کر شیطان کے پھیلائے ہوئے نفس کے جال میں پھنس جاتا ہے اور مغلوبِ نفس ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں اپنے ہی دام میں پھنسنے سے مراد یہ ہے کہ انسان شیطان کے پھندے میں پھنسنے کی بجائے خودی کے دام میں آ جائے یعنی خودی نے جو قیود مقرر کی ہیں ان قیود میں آ جائے اور اپنی خواہشات کو چھوڑ کر خودی کے قوانین اور ضوابط کا پھندا قبول کر لے۔ میاں محمد بخشؒ نے اسی بات کو اس طرح لکھا ہے:

جتّن جتّن لوکی کھیڈن تے تو ہارن کھیڈ فقیرا
جتّن دا مُل کوڈی پیسی تے ہارن دا مُل ہیرا

علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کو درج ذیل شعر میں بھی پیش کیا ہے:

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے
(ب د: ۶۲)

فتادی از مقامِ کبریائی حضور دوں نہاداں چہرہ سائی
(تو عظمت کے مقام سے نیچے گر گیا ہے تو نے رذیلوں کے سامنے پیشانی رگڑنا شروع کر دی ہے)

تو شاہینی و لیکن خویشتن را نگیری تا بہ دامِ خود نیائی
(تو شاہین ہے مگر اپنا مقام نہ پا سکے گا جب تک تو اپنے دام میں نہ آئے یعنی اپنی عظمت کا احساس نہ کرے) (ا ح: ۹۹۲)

Marfat.com

باب ۱۳

جو کبوتر پر جھپٹنے کا مزا ہے اے پسر

وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

''بال جبریل'' میں 'شاہین' کے نام پر لکھی ہوئی نظم میں علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے کہ شاہین خود کو پرندوں کی دنیا کا درویش سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی ہے اور ایک زاہد کی سی زندگی بسر کرتا ہوں۔ یہ حقیقت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اس دنیا میں جو چیز بھی ہے وہ یا تو کھانے والی ہے یا کھائی جانے والی ہے۔ چنانچہ شاہین کو بھی پیٹ بھرنے کا مسئلہ ہے تو وہ اپنا شکار چند اصولوں کے تحت کرتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ خوددار اور غیرت مند ہے اور کسی کے ہاتھوں کا کیا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ دوسری بات کہ وہ دنیا کی آلائشوں سے بے تعلق ہے اور آشیاں نہیں بناتا۔ وہ بلند پرواز ہے اور خلوت پسند پرندہ ہے اور اس کی نگاہیں مجاہد کی طرح تیز اور چاق و چوبند ہیں۔

مذکورہ بالا صفات کے ہوتے ہوئے اس کے شکار کرنے کے انداز بھی باقی پرندوں (بلکہ جانوروں) سے جداگانہ ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں حمام (فاختہ نما پرندہ) اور کبوتر کا بھوکا نہیں ہوں کیونکہ میں فطرتاً زاہدانہ طرز زندگی کو اپنائے ہوئے ہوں۔ شکار پر

Marfat.com

جھپٹتا ہوں اور پھر پلٹ کر کئی بار جھپٹتا ہوں، یہ سب خون گرم رکھنے کا بہانہ ہے اور اس لیے بھی کہ میرے اندر جذبۂ عمل کی قوت میں کمی نہ آئے۔ پیٹ بھرنے کا عمل تو سب کے ساتھ ہے مگر عمل سے یہ نہ سمجھا جائے میں اپنی بھوک مٹانے کے لیے خونریزی کرتا ہوں، بلکہ یہ تو خون گرم رکھنے کا ایک بہانہ ہے اور اپنے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے مستعد رہنے کا طریقہ ہے۔ ساقی نامہ (''بال جبریل'') میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ زمانے میں زندگی کا تسلسل جاری ہے اور زندگی کہیں قوی ہے اور کہیں ضعیف۔ کہیں اس کی طاقت سے کہسار چور چور ہوتے ہیں، کہیں زندگی اپنے زورِ تخیل سے جبریل اور حور کو اپنی گرفت میں لاتی ہے۔ زندگی کہیں ایسی ہے کہ شاہین اس قوت سے چکوروں کا شکار کرکے اپنے پنجوں کو لہو میں ڈبو کر زندگی گزارتا ہے اور کہیں زندگی کا ضعف یہ ہے کہ کبوتر جیسا کمزور جانور اپنے آشیانے سے دور کسی شکاری کے جال میں پھنس کر بے چینی سے پھڑکتا ہے اور آشیانے تک نہیں پہنچ پاتا۔ یعنی زندگی کہیں قوی ہے اور کہیں ضعیف ہے۔ شاہین خود کو ہر حال میں حالات سے نپٹنے کے لیے مستعد اور تیار رکھتا ہے اور اسی لیے اپنا خون گرم رکھتا ہے۔ علامہؒ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے۔ خون کا گرم رکھنا وقت کا تقاضا ہے اور شاہیں اسی لیے شکار پر بار بار جھپٹتا اور پلٹتا ہے۔

حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ
(ب ج: ۴۵۷)

علامہ اقبالؒ نے ''ساقی نامہ'' میں زندگی کے مختلف رنگوں کا ذکر یوں کیا ہے:

کہیں اس کی طاقت سے کہسار چُور کہیں اس کے پھندے میں جبریل وحُور!
کہیں جرہ شاہین سیماب رنگ لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ
کبوتر کہیں آشیانے سے دُور پھڑکتا ہوا جال میں ناصبور!
(ب ج: ۴۱۸)

عقاب کی سخت کوشی کی عادت اس لیے ہے کہ اس کی زندگی کی تلخیاں دور ہوسکیں

Marfat.com

اور وہ ہر حال میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہے۔ علامہؒ نے باز کا یہ اصول مسلمانوں سرگرم عمل رکھنے کے لیے بیان کیا ہے تاکہ مسلمان تن آسانی کا شکار نہ ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اونٹ پر جاتے اور اگر اونٹ کا ہنٹر زمین پر گر جاتا تو کسی راہی کو نہ کہتے کہ ذرا یہ ہنٹر اٹھا دینا بلکہ اس کو اٹھانے کے لیے اونٹ سے اترتے۔ جیسا کہ علامہؒ نے ''اسرارِ خودی'' میں فرمایا ہے:

خستگی ہائے تو از ناداری است — اصل دردِ تو ہمیں بیماری است

(تمہاری خستہ حالت ناداری کی وجہ سے ہے، تمہارا اصل درد یہی بیماری ہے)

خود فرود آ از شتر مثلِ عمرؓ — الحذر از منتِ غیر الحذر

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح خود اونٹ سے اتر، بچو، غیر کی منت سے بچو!)

(اسرار و رموز: ۲۳)

زندگی کی بیماریاں اور تلخیاں دور کرنے کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان باز کی طرح سخت کوشی کی عادت اپنا لیں۔ علامہ اقبالؒ نے شاہین کی مثال دے کر حسب ذیل طریقے سے مسلمانوں کو سخت کوشی کی تعلیم دی ہے۔

بچۂ شاہیں سے کہتا تھا عقابِ سال خورد — اے ترے شہپر پہ آساں رفعتِ چرخِ بریں

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام — سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں!

جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر! — وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

(ب ج: ۴۱۳)

اس تمام بیان میں ایک بات مشترک ہے کہ جو طرزِ عمل صوفیوں اور درویشوں نے اپنے لیے (اللہ کے حکم اور سنت مبارکہ کے ذریعے) مقرر کیا ہے وہی درویشانہ اصول شاہین نے اپنایا ہے اور اب علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو یہ درس دے رہے ہیں کہ اے مسلمانو! تم نے سنت رسول کو نہیں اپنایا، اگرچہ شاہین ان اصولوں کو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ شاہین کے متعلق علامہ اقبالؒ نے جو کچھ کہا ہے، اس سے آپ کی مراد یہی ہے۔ مسلمان اس بات پر غور کریں اور خودی کے اشارات پر عمل کریں۔ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر ہے کہ

Marfat.com

قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا اور اس کو دفن کرنے کا طریقہ سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جس نے مردہ کوے کی لاش کو قابیل کے سامنے زمین میں دفن کیا۔ یہ دفن کرنے کا عمل دیکھ کر قابیل نے کہا کہ افسوس ہے کہ وہ اس جیسا عمل کرنے سے قاصر رہا۔ گویا لاش کو دفن کرنے کا عمل ایک کوے کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کو تلقین کیا گیا۔ اسی انداز کو علامہ اقبالؒ نے اپنایا اور مسلمانوں کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ کاش وہ شاہین جیسی زندگی ہی بسر کرلیں تو ان کا معیارِ زندگی بہتر ہو جائے گا۔

اس طریقۂ تلقین کو علامہ اقبالؒ نے اس طرح بھی مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ جب ایک پرندے کے کردار کا عکس دوسرے پرندوں پر بھی ہوتا تو پھر مسلمان اس درویش پرندے سے سبق کیوں حاصل نہیں کرتے۔ ایک بادشاہ نے کئی بار شکست کھانے کے بعد ایک روز مکڑی کا مشاہدہ کیا کہ وہ اوپر جانے کی کوشش میں بار بار نیچے گرتی رہی۔ آخر کار کئی بار گرنے کے بعد وہ اوپر جانے میں کامیاب ہو گئی۔ اس مشاہدے سے بادشاہ نے ارادہ کرلیا کہ میں لشکر کشی کرتا ہی رہوں گا حتیٰ کہ میں کامیاب ہو جاؤں۔ چنانچہ اس نے پھر سے حملہ کیا اور فتح یاب ہوا۔

شاہیں کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو شاہیں کا کردار اپنانے کے لیے فرمایا ہے اور یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ اگر کوئی اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہو تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ بندۂ آزاد کی نگاہ فکر وعمل کے لیے مہمیز بن جاتی ہے۔ نفسِ گرم کی وجہ سے چمنستان میں گرمی پیدا کرسکتی ہے۔ اس سے بھی لطیف بات جو علامہؒ نے فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات شاہین کی ادا بلبل جیسے نرم ونازک پرندے میں بھی نمودار ہو جاتی ہے۔ اور اگر ایسا ہو تو مرغانِ سحر خیز بھی بدل جاتے ہیں۔ جب مرغان سحر بدل سکتے ہیں تو مسلمانوں کا بدلنا کون سی بڑی بات ہے۔ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں فقیروں کو بھی دارا اور جمشید جیسی شان عطا ہو جاتی ہے۔

شاہیں کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار　　کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغانِ سحر خیز

(ض ک:۵۱۶)

Marfat.com

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کے ذہنوں پر غلامی سوار ہو جاتی ہے تو ان کی نسلوں پر چنگیز خاں اور ہلاکو کی طرح قوموں کی غارت گری نمودار ہوتی ہے کیونکہ وہ کچھ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ چنگیز ۵۶۳ھ میں پیدا ہوا اور اپنے ظلم وستم کے سلسلے میں وہ بہت مشہور تھا۔ وہ اپنے (سائبیریا کے) علاقے سے چلا اور سمرقند سے گزرا تو مرو کے مقام پر سات لاکھ مرد عورتیں اور بچے موت کے گھاٹ اتار دیے۔ نیشاپور کو اس نے اس طرح تباہ کرنے کا حکم دیا کہ اس کی زمین پر ہل نہ چل سکے۔ اس کے بعد اس نے جامع مسجد بخارا کو اصطبل بنایا اور وہاں کے مشائخ اور علماء کو گھوڑوں کو دانہ کھلانے، گھوڑوں کے اصطبل کی صفائی کا حکم دیا اور ان سے کہا کہ تم نے بڑے گناہ کئے ہیں اس لیے یہ عذاب الٰہی تمہارے اوپر مسلط کیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے کہا کہ اگر اپنے اعمال درست نہ کرو گے تو تمہارے اوپر چنگیز جیسے حاکم مقرر کر دیے جائیں گے۔ قرآن میں بھی ایسا ہی حکم آیا ہے کہ اگر کوئی قوم عیاشی میں پڑ جائے تو حکم فطری اس پر نازل ہوتا ہے۔ ان پر ظالم اور جابر بادشاہ مسلط کر دیے جاتے ہیں جو ان کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔

کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا　　اللہ کے نشتر ہیں، تیمور ہو یا چنگیز

(ب ج: ۳۱۸)

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے　　کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا!

(ب د: ۲۶۹)

شاہین کے لیے کوہ و بیاباں کا ماحول کیوں سازگار ہے؟

علامہ اقبالؒ کا فرمان ہے کہ شاہین کو بیابان کی خلوت بہت پسند ہے اور وہ فطرتاً راہبانہ خیالات کا مالک ہے۔ اسے شاعرانہ تخیل، آرام، عیش وعشرت اور گل و بلبل کے افسانے اور بادِ بہاری میں عاشقانہ نغمات کی طرف قطعاً کوئی رغبت نہیں ہوتی۔ وہ سمجھتا ہے کہ خیابانوں کی دلبرانہ اداؤں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ بیاباں کی فضا اس کے لیے اس لیے بھی سازگار ہے کہ وہاں کے رہنے والے باشندے خوب جواں مرد اور ضرب کاری لگانے والے جنگجو اور بہادر ہوتے ہیں۔ یہ مجاہدوں جیسی زندگی گزارتا ہے اور اسے جہاں

Marfat.com

بھی جگہ ملے وقت گزار دیتا ہے۔ اس لیے وہ خود کو پرندوں کی دنیا کا درویش سمجھتا ہے۔ اس کا کوئی مقام نہیں جہاں کہیں بھی ہو۔

صحرا اور کہساروں میں زندگی بسر کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے انہی وجوہات کی بناء پر فرمایا ہے کہ فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی، یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی۔ مرد درویش بگڑی ہوئی تہذیب کا محاسب ہوتا ہے۔ علامہؒ نے شہباز بیابانی کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اسے معلوم ہے کہ دنیائے حسن و لطافت اس لیے سنورتے ہیں کہ اگر وہاں کا رہنے والا حالات کا محاسب ہو۔ حضرت عمر اور دیگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم بیابانوں کی فضاؤں میں پرورش پاتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نام تمام دنیا میں مانے جاتے ہیں۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی
دنیا میں محاسب ہے تہذیب فسوں گر کا ہے اس کی فقیری میں سرمایۂ سلطانی
یہ حسن و لطافت کیوں؟ وہ قوت و شوکت کیوں؟ بلبلِ چمنستانی، شہبازِ بیابانی!
اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن بنتی ہے بیاباں میں فاروقیؓ و سلمانی!

(ض ک: ۶۴۰، ۶۴۱)

Marfat.com

باب ۱۴

اے نگاہِ تو زشاہیں تیز تر

(علامہؒ کی طرف سے حکومت اور سیاست دانوں کو پند و نصیحت)

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر پوری کائنات میں نیابت الٰہی کا تاج اس کے سر پر رکھا۔ پرندوں میں اللہ تعالیٰ نے شاہین کو امتیازی شان عطا فرمائی ہے اور اس کتاب کا موضوع بھی شاہین کے مخصوص اندازِ زندگی کو ہی بیان کرتا ہے۔ اس تحریر میں شاہین کی ان تمام خوبیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کے باعث علامہ اقبالؒ نے شاہین کو اپنے مضامین میں امتیازی مقام کا حامل تصور کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے اشعار میں شاہین کی ان تمام خوبیوں اور اوصاف کا ذکر کیا جنھوں نے شاہین کو شاہین بنا دیا ہے۔ شاہین میں اس کی تمام خوبیوں کو اگر ایک طرف رکھ دیں تو یہ بات ہمارے سامنے آئے گی کہ اگر شاہین ان مخصوص خوبیوں کا حامل ہے تو انسان جس کو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے، کن کن اوصافِ جلیلہ کا مالک بنایا گیا ہوگا۔

انسان میں جن خوبیوں کا شمول ہے اس کا تذکرہ ہماری تصنیف ''اسلام اور

Marfat.com

روحانیت'' کے ایک باب 'مقام آدم' اور دیگر ابواب میں کر دیا گیا ہے۔ درج ذیل مضمون میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ۔ (مکتوباتِ امام ربانی، اردو ترجمہ ص: ۷۷۷) جو کچھ کائنات میں ہے انسان میں بھی موجود ہے اور بدرجۂ اتم موجود ہے۔ انسان تمام پرندوں، جانوروں بلکہ پوری کائنات کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شیر کی بہادری چٹانوں کی سختی اور ہیرے جواہرات کا خزانہ بلکہ خود خدا بھی اس میں موجود ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہین کی نظروں سے ایک مومن کی نظر زیادہ تیز تر ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بادشاہِ اسلام ظاہر شاہ کے نام ایک نظم میں یہی ذکر کیا ہے اور اس کو اپنے ملک کی سربلندی کے لیے کچھ پند و نصائح بیان کیے ہیں تا کہ اس کی خداداد مملکت کا سربلند کیا جائے۔

علامہ اقبالؒ نے ''پس چہ باید کرد'' میں بادشاہِ اسلام ظاہر شاہ کے نام جو اشعار بطور نصائح بیان کیے ہیں ان کو راقم الحروف نے مسلمانوں کے نام ایک نہایت قیمتی سرمایہ تصور کرتے ہوئے آپ کے کلام کو پاکستان کے مقتدر اصحاب، حکومت پاکستان کے سربراہوں اور سیاستدانوں کے مطالعہ کے لیے اختصار کے ساتھ درج ذیل ایک سرخی کے نیچے بیان کر دیا ہے کہ شاید ان میں سے کچھ احباب اس سے مستفید ہو سکیں۔ یہ مملکت خداداد پاکستان ایسے لوگوں کی محتاج ہے جو درج ذیل نصائح پر عمل کر کے پاکستان کی مملکت کو چار چاند لگا سکتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے سیاستدان اور دیگر اربابِ حکومت ان تمام باتوں سے اعراض کیے ہوئے ہیں جو کسی ملک کی سربلندی کے لیے نہایت اہم ہیں اور وقت کی ضرورت ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ میں تمہارے (مسلمانوں کے) لیے محبت کی بات لایا ہوں۔ اس کو قبول کر کے اپنے ملک کی حکومت کو بہتر سے بہتر قیادت مہیا کریں۔ فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول کے لیے رموزِ شہنشاہی اس فقیر سے سیکھیں۔

حرفِ شوق آوردہ ام از من پذیر   از فقیرے رمزِ سلطانی بگیر

(میں تمہارے لیے شوق اور محبت کی بات لایا ہوں اسے قبول کرو، اس فقیر سے بادشاہت کے رموز سیکھو)

Marfat.com

اے نگاہِ تو ز شاہیں تیز تر ، گردِ ایں ملکِ خدا دادے نگر
(تیری نگاہ شاہین سے بھی زیادہ تیز ہے، اس ملک خداداد کے گرد اگرد دیکھو)
(پ چ: ۸۷۷)

حکیم المانی نطشے کے مقام کو ظاہر کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ ''جاوید نامہ'' (کلیات، ص ۸۳۹) میں لکھتے ہیں کہ اس کی آنکھ بھی عقابوں سے زیادہ تیز تھی۔ اس کا چہرہ اس کے سوزِ جگر کی گواہی دے رہا تھا۔ مگر اس کو کوئی مرد راہ دان نہ ملا۔ اس مسافر کو کسی نے راستہ نہ بتایا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ کاش وہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے زمانے میں ہوتا تا کہ وہ سُرورِ سرمدی سے آشنا ہوتا۔ کبھی علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے زمانے میں ہوتا تو میں اسے سمجھاتا۔ اسے مقام کبریا کی تلاش تھی۔ وہ ''لا'' تک تو پہنچ گیا مگر ''الا'' تک نہ پہنچا (ج ن: ۷۴۱) اس لیے ایک مردِ مومن کا کردار ادا نہ کر سکا۔ آج کا مسلمان بھی اگر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے الگ دنیا بسر کرتا ہے تو اس میں عقاب کی سی نظر اگر ہو بھی تو سودمند نہیں۔ نطشے پر لکھا ہوا شعر حسب ذیل ہے۔

دیدۂ اُو از عقاباں تیز تر طلعتِ اُو شاہدِ سوزِ جگر!
(ج ن: ۷۳۹)
(اس کی نظر عقابوں سے زیادہ تیز تھی، اس کا چہرہ اس کے سوزِ جگر کی گواہی دے رہا تھا)

علامہ اقبالؒ نے ''پس چہ باید کرد'' میں 'مسافر' کے عنوان سے افغانستان کے نادر شاہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کی تدبیر نے ملت کے معاملات کو استحکام بخشا۔ اس کے متعلق علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے علاقے کی سرزمین ایسی ہے کہ جہاں چکور بھی شاہین کا مزاج رکھتا اور جہاں کا ہرن شیروں سے خراج وصول کرتا تھا۔ اس لیے کہ وہاں کا بادشاہ نہایت نیک اور درویش خُو تھا۔ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود یہ افسوس کا مقام ہے کہ یہاں کے لوگ کوئی مرکز نہ ہونے کی وجہ سے بدحال ہیں۔ ان کا کوئی نظام نہیں اور جذبۂ ناتمام رکھتے ہیں۔ ان کی پرواز میں بازوں کی سی شان نہیں بلکہ ان کی پرواز چڑیوں سے بھی پست ہے۔ اس قوم میں زندگی کی تب و تاب نہیں اور ان کے

Marfat.com

شب و روز نئے کارناموں سے بے نصیب ہیں، ن کے معاملات بے جماعت نماز کی طرح ہیں، ان کا کوئی مستقبل نہیں، یہ سب اس لیے کہ یہاں کے لوگ بے عمل ہیں۔

سرزمینے کبکِ اُو شاہیں مزاج آہوئے اُو گیرداز شیراں خراج!

(یہ ایسی سرزمین ہے جہاں کا چکور شاہین کا مزاج رکھتا ہے اور جہاں کا آہو شیروں سے خراج وصول کرتا ہے)

دَرفضایش جرّہ بازاں تیز چنگ لرزہ برتن ازنہیبِ شاں پلنگ!

(اس کی فضا میں ایسے تیز پنجوں والے نر باز ہیں جن کی ہیبت سے چیتوں پر بھی لرزہ طاری ہو جاتا ہے)

لیکن از بے مرکزی آشفتہ روز بے نظام و ناتمام و نیم سوز

(لیکن کوئی مرکز نہ ہونے کی وجہ سے یہ بدحال ہیں کوئی ان کا نظام نہیں، نامکمل ہیں اور جذبہ ناتمام رکھتے ہیں)

فرّ بازاں نیست در پروازِ شاں • از تدرواں پست تر پروازِ شاں!

(ان کی پرواز میں بازوں کی سی شان نہیں، بلکہ ان کی پرواز چڑیوں سے بھی پست ہے)

(پ چ: ۸۵۳)

اب علامہ اقبالؒ کی ان نصیحتوں کا مطالعہ فرمائیں جو انہوں نے بادشاہِ اسلام ظاہر شاہ کے نام اشعار میں تحریر فرمائیں اور ان کا آسان ترجمہ نیچے دیا جا رہا ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں اے ظاہر شاہ تجھ کو بادشاہی جچتی ہے اور تیرا سایہ ہماری خاک کے لیے کیمیا اثر ہے۔ تیرے وجود سے بادشاہت کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔ تیری سطوت ملک و دولت کے لیے قلعہ ہے۔ اے سرمایہ فتح تیری وجہ سے شاہ ابدالی کے تخت کی شان بدل گئی۔ وہ سینے جو تیری محبت سے خالی ہیں، اگر ویران اور دل کی آرزو سے آشنا ہو جائیں تو بہتر ہے۔ جو تلوار تیری کمر سے بندھی ہوئی ہے اتنی چمک دار ہے کہ اس کی روشنی نصف شب میں صبح کی روشنی میں تبدیل ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ جب یہ تلوار چمکتی ہے تو میں جان لیتا ہوں کہ یہ نادر شاہ کی تلوار ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ میں کیا کہوں اس کا باطن ہی ظاہر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ظاہر شاہ کی زندگی سے میں تمہارے

Marfat.com

لیے جو شوق و محبت کی بات لایا ہوں اسے قبول کر اور بادشاہی کے راز مجھ سے سیکھو۔ علامہ اقبالؒ بادشاہِ اسلام کو فرماتے ہیں کہ تیری نگاہ شاہین سے بھی زیادہ تیز تر ہے تو خدا کے ملک کے اردگرد دیکھ، جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ آپ کی وجہ سے ہے اور جو چیز نہیں ہے اس کا انتظام کرنا آپ کا فرض ہے۔

مسلمانوں (عوام، سیاست دانوں اور حکومت) کے لیے نصائح

علامہ اقبالؒ کی درج ذیل نصائح ہماری قوم کے راہنماؤں اور حکماء کے لیے آبِ حیات کا کام دے سکتی ہیں بشرطیکہ ان کی طرف کوئی توجہ دے۔ اگر کوئی شخص ان نصائح کی تفصیل کو نہ سمجھ سکے، تو راقم الحروف کے ساتھ گفتگو کے ذریعے ان نکات کی ضروریات کی تفہیم کو آسانی سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ قارئین کی آسانی کے لیے ان نصائح کو ترتیب وار درج کیا جا رہا ہے۔ اگر ان نصائح کی تشریح کی جائے تو یہ تحریر بذات خود ایک کتاب کی شکل اختیار کر لے گی۔ چنانچہ اختصار سے ہی کام لیا گیا ہے۔ ذیل کی تحریر میں جہاں کہیں مناسب سمجھا گیا ہے، وہاں علامہؒ کے اشعار بھی دے دیے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ اس سے ملحق تحریر میں درج ہے۔

۱) ہمارے روز و شب ہماری تقدیر کا آئینہ ہیں۔ ہمارا مستقبل ہمارے ماضی اور حال کی وجہ سے بنتا ہے۔ جس نے آج پر گرفت رکھی تو دنیا اس کے اردگرد گھومتی ہے۔ مردِ حق روز و شب کے عمل سے بنتا ہے کیونکہ وہ خود اپنی تقدیر کا ستارہ ہے۔

۲) مردِ حق روز و شب کی محنت کا ہی ماحاصل ہے۔ صاحبِ نظر بندہ اُمتوں کا قائد ہوتا ہے۔ اس کی آنکھ اُمتوں کی تقدیر کو دیکھتی ہے۔ تلوار اس کی نگاہ سے تیز نہیں۔ ہم سب زمانے کے حوادث کا شکار ہیں، لیکن وہ شکار نہیں ہوتا۔ اس پختہ کار کی نگاہ سے وہ حادثات جو ابھی زمانے کے بطن (پیٹ) میں ہیں، لرزتے ہیں۔ علامہؒ فرماتے ہیں:

برگ ساز ما کتاب و حکمت است ایں دو قوت اعتبارِ ملت است

(قرآن و حکمت ہی ہمارا سرمایہ ہے۔ انہی دو قوتوں پر ملت کا دارومدار ہے)

Marfat.com

نیک اگر بینی مسلماں زادہ است — ایں گہر از دست ما افتادہ است

(اگر غور سے دیکھیے تو تمام چیزیں مسلمانوں کی پیدا کردہ ہیں، یہ وہ قیمتی موتی ہے جو ہمارے ہاتھ سے گرا ہے) (پ چ:۸۷۹،۸۸۰)

جب عربوں نے یورپ میں حکومت کی بنیاد رکھی تو انہوں نے دنیا کو نئے انداز سے علم وحکمت کی دعوت دی۔ دانہ اُن صحرانشینوں نے بویا (حساب، الجبرا، سائنس کے علوم) مگر فصل کا حاصل فرنگیوں نے کاٹا۔ یہ علوم ہمارے ہی آباء نے بکھیرے ہیں۔ اب تُو اسے دوبارہ شکار کر۔

فرنگیوں کی لادین تہذیب سے بچ کیونکہ وہ مسلمانوں سے دشمنی رکھتی ہے۔ اس تہذیب نے کئی فتنے پیدا کیے۔ یہ حرم میں لات وعزیٰ کے بتوں کو دوبارہ لے آئے۔ (یہ تمام کہانی بہت دردناک ہے جس کا مسلمانوں کو علم ہی نہیں)

یہ تہذیب دل کی آنکھیں چھین لیتی ہے، اس کی بے آبی سے روح پیاسی مر جاتی ہے۔ اس کے اسباق دل سے بے تابی کی لذت چھین لیتے ہیں بلکہ دل کو جسم سے نکال لیتی ہے۔ یہ تہذیب کہنہ عشق کی چور ہے برملا غارت گری کرتی ہے، یہ سینے کے داغ بھی چرا لیتی ہے۔

مسلمان کی روح، اللہ کے ساتھ تعلق سے زندہ اور تابندہ ہے اور کافر کی روح مردہ ہے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ (اس کی اطاعت میں) زندہ رہتا ہے اور حیاتِ جاوداں پاتا ہے۔

۳) جو شخص صاحبِ اوصاف قائد بننا چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ صاحبِ دانش اور اہل نظر افراد سے دوستی رکھے۔ ان لوگوں کے ساتھ زندگی گزارے جن میں بیدار ذہن، عمل میں سخت کوشی، بھرپور جوش اور حیدرِ کرارؓ کے مراتب کے مطابق شجاعت ہو۔ یاد رہے کہ کراری وہ شخص کر سکتا ہے جو اس جہانِ بے ثبات میں قوموں کے لیے پے در پے ضرب لگانے والا ہو۔ آج کے دور میں اس کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں۔

۴) ترکوں نے مغربیوں سے بہت زخم کھائے ہیں۔ جب تک ان میں کراری تھی

Marfat.com

انہوں نے اسلام کا جھنڈا بلند رکھا۔ ہندی مسلمان اسی لیے میدان چھوڑ گیا کہ ان میں ہمت کرّاری کی خوبی نہ رہی اور علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ میری گرمی نے بھی اس قوم کے لوگوں پر اثر نہ کیا۔

۵) ان لوگوں کے معاملات، تدابیر سے سبق سیکھو جن لوگوں کی تلوار نے عَلَمِ حق بلند کیا۔ ترقی کی لگن اور تڑپ دل میں رکھتے ہوئے ایک نیا زمانہ تخلیق کیا جا سکتا ہے۔ ابھی قرآن میں سینکڑوں جہاں باقی ہیں۔ ذرا اس کی آیات کے سوز کی گرمی حاصل کرلو۔ حق تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں کی تقدیر سے آگاہ کیا ہے۔ یہ ملت جو پہاڑوں اور وادیوں میں گم گشتہ ہے میں نے ان کی جبینوں میں کچھ دیکھا ہے۔

صد جہاں باقی است درقرآں ہنوز اندر آیاتش یکے خود را بسوز
(قرآن میں ابھی سینکڑوں جہاں باقی ہیں، ذرا اس کے سوز سے گرمی حاصل کر)
مردِ میداں زندہ از اللہ ھُوست زیرِ پائے اُو جہانِ چار سُوست
مردِ میدان اللہ ھو سے زندہ ہے، اور یہ جہانِ چارسُو اس کے پاؤں کے نیچے ہے)
بندۂ کو دل بہ غیراللہ نہ بست می تواں سنگ از زُجاجِ اُوشکست
(وہ بندہ جو غیراللہ سے دل نہیں لگاتا، اس کا شیشہ پتھر کو توڑ سکتا ہے)

(پ چ:۸۷۹)

جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے بغیر زندگی بسر کرتا ہے وہ مردار ہے لیکن لوگ اس کے مردہ ہونے پر ماتم نہیں کرتے کیونکہ وہ اس کو زندہ ہی سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کی ایک بھاری اکثریت، فرنگیوں اور کافروں کی طرح مادی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتی ہے اور اپنی مادی کامیابی پر فخر کرتی ہے۔ مسلمانوں میں ان علماء اور مشائخ کی بہت کمی ہے جو لوگوں کے سامنے اپنی زندگی کو مثالی بنا کر پیش کریں اور ان کے دلوں میں یقین پیدا کریں کہ حقیقی کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک قرآن اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن نہ پکڑ لیں۔ لوگوں کو اس بات کا یقین دلانا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو خود اس ناپاک خواہش سے پاک ہوں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ میری زندگی کی کامیابی انہی کوششوں کا ثمر ہے۔ عوام کو بھی ان اصولوں پر پابند ہونا چاہیے۔

Marfat.com

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات	در ضمیرش دیدہ اَم آبِ حیات

(اگر تو ثبات چاہتا ہے تو قرآن سے حاصل کر، میں نے اس کے باطن میں آب حیات دیکھا ہے)

قوتِ سلطان و میر از لآ اِلٰہ	ہیبتِ مردِ فقیر از لآ اِلٰہ

(بادشاہوں کی قوت بھی لا الہ سے ہے اور مردِ فقیر کی ہیبت بھی اسی سے ہے)

خاوراں از شعلۂ من روشن است	اے خنک مردے کہ در عصرِ من است

(مشرق میرے شعلے سے روشن ہے، مبارک ہے وہ شخص جو میرے دور میں زندہ ہے)

از تب و تابم نصیبِ خود بگیر	بعد ازیں ناید چو من مردِ فقیر

(میرے تب و تاب سے اپنا حصہ لے لے، اس کے بعد میرے جیسا مردِ فقیر نہیں آئے گا)

(پ چ:۸۸۱)

علامہؒ نے فرمایا ہے:

اگر جہاں میں میرا جوہر آشکار ہوا • قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

سبب کچھ اور ہے تُو جس کو خود سمجھتا ہے	زوال بندۂ مومن کا بے زَری سے نہیں!

(ض ک:۴۸۲)

گوہرِ دریائے قرآں سفتہ اَم	شرحِ رمزِ صبغۃ اللہ گفتہ اَم

(میں نے قرآن پاک کے سمندر سے موتی نکال کر انہیں اپنے کلام میں پرو دیا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے رنگ کی شرح بیان کی ہے)

با مسلماناں غمے بخشیدہ اَم	کہنہ شاخے را نمے بخشیدہ اَم

(میں نے مسلمانوں کو نیا احساس دیا ہے میں نے اس پرانی شاخ کو نمی دی ہے)

عشقِ من از زندگی دارد سراغ	عقل از صہبائے من روشن ایاغ

(میرا عشق زندگی کے معنی بیان کرتا ہے، میری شراب سے عقل کا جام روشن ہے)

نکتہ ہائے خاطر افروزے کہ گفت؟	با مسلماں حرفِ پُر سوزے کہ گفت

(دلوں کو روشن کر دینے والے نکات کس نے بیان کیے، مسلمانوں سے پرسوز بات کس نے کی)

ہمچو نَے نالیدم اندر کوہ و دشت	تا مقامِ خویش بر من فاش گشت

(میں بانسری کی طرح پہاڑوں اور جنگلوں میں روتا رہا ہوں، تب کہیں جا کر مجھ پر میرا

Marfat.com

مقام واضح ہوا)

حرفِ شوق آموختم واسوختم آتشِ افسردہ باز افروختم

(میں نے مسلمانوں کو محبت کی بات سکھائی، انہیں سوزِ عشق سے گرمایا، میں نے عشق کی بجھی آگ کو دوبارہ روشن کر دیا)

با من آہِ صبح گاہے دادہ اند سطوتِ کوہے بکاہے دادہ اند

(مجھے آہِ صبح گاہی عطا ہوئی ہے، اس کاہ (تنکے) کو کوہ کی سطوت دی گئی ہے)

دارم اندر سینہ نورِ لاَ اِلٰہ در شرابِ من سُرورِ لاَ اِلٰہ

(میں اپنے سینے میں لا الہ کا نور رکھتا ہوں، میری شراب میں لا الہ کا سُرور ہے)

فکرِ من گردوں مسیر از فیضِ اُوست جوئے ساحل ناپذیر از فیضِ اُوست

(اُسی کے فیض سے میری فکر فلک پیما ہے، اسی کے فیض سے میری ندی ناپیدا کنار ہے)

پس بگیر از بادۂ من یک دو جام تا درخشی مثلِ تیغِ بے نیام

(تو بھی میری شراب سے ایک دو جام لے لے، تا کہ تو تیغِ بے نیام کی طرح چمک اٹھے)

(پ چ: ۸۸۲)

شاہیں کی عادات پر اشارات

(بالِ بلبل اور بازوئے شاہین میں فرق ہے)

وہ عقل جو اپنے اوپر ہی اپنی نگاہوں کو مرکوز کرے وہ ایک خود غرض اور عام انسان کی ہے اور جو جہاں پر نگاہ رکھیں وہ شخص جہاں بیں انسان ہے جو خداداد اہلیت کا مالک ہے۔ عام جانور اور پرندے اپنے آپ اور اپنی زندگی پر ہی نظر رکھتے ہیں۔ مگر شاہین کی نگاہ جہاں تک جاتی ہے وہاں تک اس کی رسائی ممکن ہوتی ہے۔ وہ ایک وسیع و عریض میدان، پہاڑ اور سمندر پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

عقلِ خود بیں دِگر و عقلِ جہاں بیں دِگر است بالِ بلبل دِگر و بازوئے شاہیں دِگر است

(اپنے آپ کو دیکھنے والی عقل اور ہے، جہاں پر نگاہ رکھنے والی عقل اور ہے، بلبل کے پر اور ہیں، شاہیں کا بازو اور ہے)

(پ م: ۳۵۹)

Marfat.com

عقل کے شاہیں کی پرواز

علامہ اقبالؒ رباعیات ''زبورِ عجم'' میں فرماتے ہیں کہ اگر چہ عقل کا شاہین فضا میں خوب اڑتا پھرتا ہے مگر ایک اور تیر انداز اس کی تاک میں بیٹھا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عشق عقل کے شاہین سے زیادہ بلند پرواز ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ میری سوچ میں عشق کی جرأت اور گہرائی ہے۔

گر چہ شاہینِ خرد برسرِ پروازے ہست   اندریں بادیہ پنہاں قدر اندازے ہست

(اگر چہ عقل کا شاہین فضا میں خوب اڑتا پھرتا ہے مگر اس صحرا میں ایک ایسا تیر انداز موجود ہے، جو اس کی تاک میں بیٹھا ہے) (ز ع: ۴۰۸)

خرد کا شاہیں تمہارے ہاتھ میں ہے

''زبورِ عجم'' کی رباعی نمبر ۱۶ میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کا شاہین عطا کیا ہے جو بہت تند و چالاک جانور ہے، جس کی مدد سے ستاروں کی آنکھ کی پتلی نکالی جا سکتی ہے۔ اپنی مضمر صلاحیتوں سے پردہ اٹھاؤ۔ (یعنی اپنی خودی کو پہچانو)

خرد بدستِ تو شاہینِ تند و چالاک است   تواں گرفت ز چشم ستارہ مردم را

(تمہارے ہاتھ میں خرد ایک تند و چالاک شاہین ہے، جس کی مدد سے ستاروں کی آنکھ سے پتلی نکالی جا سکتی ہے۔ تو اپنی مضمر صلاحیتوں سے پردہ اٹھا) (ز ع: ۴۶۹)

تو شاہیں ہے، پالتو پرندوں سے صحبت نہ رکھ

علامہ اقبالؒ رباعیات ''زبورِ عجم'' (۲۳) میں فرماتے ہیں کہ فغاں کو چھوڑ دو اور دردِ فراق کو اپنا لو تا کہ جذبات پیدا ہو سکیں۔ اس کے علاوہ ہر شے کو جلا دو۔ فرماتے ہیں کہ تو شاہیں ہے پالتو پرندوں سے صحبت نہ رکھ، اُٹھ پر پھیلا۔ تیرے اندر کمال کی طاقت موجود ہے۔ اگر شاہین چمن میں آشیاں بنالے تو اس کی آب و ہوا اس کی پرواز کو کمزور کر دے گی۔

Marfat.com

جرّہ شاہینی بمرغانِ سرا صحبت مگیر خیز و بال و پر کُشا، پروازِ تو کوتاہ نیست

(تُو نر شاہین ہے، پالتو پرندوں سے صحبت نہ رکھ، اُٹھ! پر پھیلا، تیرے اندر پرواز کی طاقت موجود ہے)

تو اے شاہیں نشیمن در چمن کردی ازاں ترسم ہوائے اُو ببالِ تو دہد پرواز کوتاہے!

(اے شاہین! تو نے چمن میں نشیمن بنا لیا ہے، مگر مجھے ڈر ہے کہ اس کی آب و ہوا تیری پرواز کوتاہ نہ کر دے) (ز ع:۴۷۹، ۴۹۲)

شاہین کا دل اپنے پنجے میں گرفتار جانور کے لیے نہیں پسیجتا

علامہ اقبالؒ نے "زبورِ عجم" کے حصہ دوم کی رباعیات نمبر ۶۱ میں فرمایا ہے کہ جو لوگ انگریزوں سے کسی ہمدردی کی توقع رکھتے ہیں تو وہ غلطی پر ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ انگریز کے ماتحت لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کسی شاہین کے پنجے میں شکار ہو اور شاہین کا دل اپنے پنجے میں گرفتہ شکار کے لیے کبھی نہیں پسیجتا۔

ترا ناداں امیدِ غم گساریہا ز افرنگ است؟ دلِ شاہیں نسوزد بہر آں مرغے کہ در چنگ است

(اے ناداں! تو حاکمانِ فرنگ سے ہمدردی کی توقع رکھتا ہے۔ (تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ) شاہین کا دل اس پرندے کے لیے کبھی نہیں پسیجتا جو اس کے پنجے میں ہو) (ز ع:۵۲۱)

Marfat.com

باب ۱۵

رُوح کا نفس کے ساتھ تعلق

اس جگہ روح کے متعلق مخصوص تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انسان کی تعمیر شخصیت میں انسان کی روح کیا کردار ادا کرتی ہے؟ مثل مشہور ہے جیسی روح ویسے ہی کام اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ ایسی خاص روحیں تو بہت کم ہوتی ہیں کہ جو ابتدا سے ہی بہت اعلیٰ نوعیت کی ہوں البتہ عام ارواح کو اگر تربیتی دائرے میں پرورش کیا جائے تو ایسی تہذیب یافتہ روحیں بڑے بڑے کام کر جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں روح کی پرورش کرنا ایک ضروری اور محنت طلب امر ہے۔

روح اسم مفرد جامد دس معنی میں مشترک ہے: (۱) جان (۲) امر (حکم)، (۳) سانس، (۴) وحی، (۵) رحمت، (۶) راز، (بھید) (۷) حضرت جبریل کا لقب، (۸) قرآن مجید کا صفاتی نام، (۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صفاتی نام، (۱۰) غیبی فیضانِ الٰہیہ (مراد جان جسمانی)۔ (تفسیر نعیمی، ج ۱۵: ۳۵۶)

سورج کی شعاعیں زمین کے مختلف حصوں پر اثر پیدا کرتی ہیں۔ اسی طرح قرآن

Marfat.com

مجید کی عالم تاب شعاعیں جب ارواحِ عالم پر پڑتی ہیں تو اپنی استعدادِ فطری اور توفیقِ جبلی کے مطابق اپنے اندر شعاعوں کو جذب کرتی ہیں۔ ان ہی قرآنی شعاعوں سے کوئی غوث و قطب سلیم الفطرت بن جاتا ہے، کوئی رذیل، خسیس، ذلیل اور قبیح ظاہر ہو جاتا ہے۔

روح کے لغوی معنی

امام راغب اصفہانی روح کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''روح'' اور ''روح'' دراصل ایک ہی ہیں۔ روح کا اطلاق سانس پر بھی ہوتا ہے کیونکہ سانس روح کا ایک جزو ہے اور روح کا اطلاق اس چیز پر بھی ہوتا ہے جس کے ذریعے زندگی، حرکت، منافع کا حصول اور مضرات (ضرر رساں چیزیں) سے بچاؤ حاصل ہوتا ہے۔ آیت کریمہ:

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل: ۸۵)	اور آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرمایئے یہ میرے پروردگار کا امر ہے۔
وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر: ۲۹)	اور میں نے اس (آدم) میں اپنی جانب کی روح پھونک دی۔

ان دونوں آیتوں میں روح اسی معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کا اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا اضافتِ ملکیہ کے طور پر ہے جس سے روح کی شرافت کا اظہار مقصود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ (البقرۃ: ۱۲۵) میں بیت کی اضافت اپنی ذات کی طرف اعزازی طور پر فرمائی ہے۔ (مفردات القرآن اُردو، بترمیم یسیر، ج ا، ص ۴۱۸)

جسم اور رُوح کے ملاپ سے نفس پیدا ہوتا ہے

جسم اور روح کو ملا کر ملکوتیت اور بہیمیت کو یک جا کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دائمی کشمکش میں ڈال دیا ہے۔ روح عالم بالا کی بلندیوں کے ساتھ تعلق ہونے کی وجہ سے تقاضا کرتی ہے کہ بندے کو بلندیوں کی طرف لے جائے۔ جسم چونکہ عالم ناسوت سے تعلق

Marfat.com

رکھتا ہے انسان کو سفلیت کی جانب کشش کرتا ہے اور انسان کو خواہشاتِ نفس اور شہوات کا غلام بنانے پر مجبور کرتا ہے اور یہ کشش اس لیے ہے کہ "كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ" (ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے)۔

روح اور جسم کو ملانے کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ روح اور جسم کو ملانے سے ایک آئینہ پیدا ہوتا ہے جس میں اسماء و صفاتِ حق تعالیٰ کا عکس قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اس بحث کو جو اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب: ۷۲) (بے شک ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے، وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے) سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم اپنی کتاب "حسنِ نماز" میں ص ۹۱ اور ص ۶۱۰ پر بیان کر چکے ہیں۔ یہ بارِ امانت خلافتِ ارض اور نیابتِ الٰہی کا تھا۔ انسان کی روح اور جسم کے بنے ہوئے آئینے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء اور صفات کا رنگ رُوپ دیکھا اور اپنے حسن و جمال کا مشاہدہ کیا تو اس پر شیدا ہو گیا۔

روح کا نفس کے ساتھ تعلق

سورۃ الشمس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب روح کا بدن سے تسویہ کیا گیا تو اور چیز جسے نفس کہتے ہیں، پیدا ہوا۔

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ۷ تا ۱۰)	قسم ہے نفس کی اور اُس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔ یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اسے خاک میں دبا دیا۔

اَلْهَمَهَا کا مطلب یہ ہے کہ دل میں کسی چیز کو ڈال دینا۔ "لسان العرب" میں ہے کہ دل میں ایسا خیال پیدا کر دینا جس کے باعث وہ کسی کام کو کرے یا ترک کر دے۔ الہام اس خیال کی طرف کے لیے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، یا ملأ اعلیٰ کی

Marfat.com

طرف سے ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص میں نیک و بد اور حق و باطل میں تمیز کرنے کا شعور ڈال دیا ہے یعنی انسان میں نیکی اور بدی کے اختیار کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اب اس کی مرضی ہے کہ نیکی کو اختیار کرے یا بدی کو۔ قرآن میں یہ تصریح کئی بار آئی ہے کہ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝ (الدھر: ۳) (بے شک ہم نے اسے دکھایا ہے (اپنا) راستہ، اب چاہے شکر گزار بنے، چاہے احسان فراموش)۔ اب ان آیات کی تشریح روحانی انداز میں ملاحظہ فرمائیں جس کو صاحبِ ''عوارف المعارف'' اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے۔

روح کا تعلق عقل سے ہے۔ اس لیے اس کے متعلق کچھ جان لینا ضروری ہے۔ عقل روح علوی کا جوہر ہے۔ ''عوارف المعارف'' میں ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عقل کا محل وقوع دماغ ہے مگر حقیقتاً عقل کی ایک جگہ قرار نہیں دی جا سکتی۔ جب عقل نافرمانی کی تدبیر کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کا مقام دماغ ہوتا ہے۔ اور جب عقل فرمانبرداری اور نیکوکاری کی طرف رُخ کرے تو اس کا مقام قلب ہوتا ہے۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے:

حِسِ اسیرِ عقل باشد اے فلاں عقل اسیرِ روح باشد ہم بداں

(حس عقل کی اسیر ہے اے فلاں، اور عقل روح کی اسیر ہے، یہ جان لے)

دست بستہ عقل را جاں باز کرد کارہائے بستہ را ہمساز کرد

(دست بستہ عقل کو روح ہی آزادی بخشتی ہے اور اس کی رُکاوٹیں دُور کرتی ہے)

(مثنوی: ج ۳، ص ۱۸۲) (الفیصل ناشران)

علوی روح اپنی بلندی مرتبہ کے باعث کائنات سے بے تعلق ہو کر اللہ کی طرف توجہ کرتی ہے۔ اس کے برعکس قلب اور نفس چونکہ عالم خلق میں ہیں، کائنات میں شامل ہیں۔ جب روح اپنے مولیٰ کی طرف توجہ کرتی ہے تو قلب روح سے محبت کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ اس وقت نفس کی خواہشات دب جاتی ہیں اور حرص وھوا کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث شریف کے مطابق ''جو شخص ذِکرِ الٰہی کرتا ہے اور جو شخص ذِکرِ الٰہی نہیں کرتا وہ زندہ اور مردے کے مانند ہیں۔'' (مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۲۱۵۶) قلب پر وارد ہونے والی چھ قسمیں ہیں القائے نفس، القائے شیطان، القائے رُوح، القائے ملک، القائے عقل،

Marfat.com

القائے یقین۔

رُوح کی قسمیں

روح کی بہت سی قسمیں ہیں (جو ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں دی گئی ہیں) ان کے متعلق ابو طالب مکیؒ لکھتے ہیں کہ روح جسم میں اعیان (عین کی جمع) کی طرح ہوتی ہے۔ یہی حال نفوس کا ہے۔ جب روح بھلائی کے لیے حرکت کرتی ہے تو ایک نور دل میں ظہور کرتا ہے تو اس کو فرشتہ خیر عمل کرنے کے لیے کہتا ہے۔ جب نفس شر کے لیے حرکت کرے تو دل میں ظلمت پھیل جاتی ہے تو شیطان اس ظلمت کو دیکھ کر گناہ کے لیے کہتا ہے اور گناہ کے لیے اکساتا ہے۔ جس دل میں ظلمت کے بادل چھائے رہتے ہوں (نفس کی مسلسل حرکت شر کے باعث) تو وہاں شیطان کی بادشاہی رہتی ہے۔ لہٰذا ایسے اعمال کرنے کی طرف کوشش کرے کہ بجائے ظلمات کے نور کی حرکت ملے۔

شہاب الدین سہروردیؒ ''عوارف المعارف'' میں فرماتے ہیں کہ روح کی دو قسمیں ہیں:

۱) روح انسانی: جس کا تعلق علوی اور آسمانی ہے۔ یہ عالم امر سے متعلق ہے۔ یہ غذا کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے۔

۲) روح حیوانی: روحِ حیوانی یا روحِ بشری کا تعلق عالم خلق سے ہے۔ یہ بھی لطیف جسم ہے۔ قوت حس وحرکت سے بہرہ ور ہے۔ یہ روح دیگر حیوانات میں بھی ہوتی ہے۔ یہ روح قلب سے اٹھتی ہے اور تمام حواس کا قیام اس پر ہے۔ یہی وہ روح ہے جو غذا طلب کرتی ہے اور غذا سے زندہ رہتی ہے اور اختلاطِ اربعہ کے مزاج کو اعتدال پر رکھتی ہے۔ اس کو نفس بھی کہا جاتا ہے۔ انسان اور حیوان سب پہلوؤں (خورد و نوش، بھوک، پیاس، شہوت، خوف، محبت) سے ملتے جلتے ہیں، سوائے اس کے کہ انسان میں وہ شعلۂ نور جس سے انسان میں اخلاق و ایمان کی قندیلیں روشن ہوتی ہیں، موجود ہوتا ہے۔ ان صفات سے حیوان محروم ہیں لہٰذا جوابدہی کی ذمہ داری سے بری ہیں۔

Marfat.com

نفس کا تسویہ کیسے ہوا؟

علوی رُوح کا محل یہی روحِ حیوانی ہے۔ جب علوی روح اس روحِ حیوانی پر وارد ہوتی ہے تو حیوانی روح علوی روح کی ہم جنس بن جاتی ہے اور حیوانی روح نطق (بولنے کا) اور الہام کا محل بن جاتی ہے جیسا کہ سورۃ الشمس کی مذکورہ آیات ۷ تا ۱۰ میں ذکر ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے نفس کا تسویہ (درست کرنا) اس طرح کیا کہ نفس میں انسانی روح (علوی) اتاری اور نفس کو تمام حیوانی ارواح سے الگ کر دیا، یعنی نفس کی پیدائش روح علوی کے باعث ہوئی اور اسی نفس کا روحِ حیوانی سے تسویہ کیا۔ دراصل یہ روح حیوانی تھی اور یہ روحِ علوی کے وجود سے وجود میں آئی۔ (لب لباب اس کا یہ ہوا کہ روح حیوانی کے ساتھ جب روح انسانی یا علوی مل گئی تو ان کے ملنے سے ایک تیسری چیز یعنی نفس پیدا ہوا)

روح علوی اور حیوانی کے تعلق باہمی سے عشق اور محبت اس قدر بڑھ گئے ہیں جس طرح حضرت آدمؑ اور بی بی حواؑ میں بڑھ گئے تھے اور پھر آدمؑ سے حواؑ کی تخلیق ہوئی۔

اس زوجیت کے سکون کے بابت قرآن میں یوں ذکر آیا ہے:

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱ (الروم: ۲۱)	اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں۔ تا کہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیے تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات۔ بے شک اس میں بہت نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

جسم اور روح کی جدائی محبت کے باعث اس طرح ناگوار ہے جیسے کہ موت۔ ان دونوں کی جدائی موت ہے۔ روحِ علویہ سے روحِ حیوانی کو تسکین حاصل ہوتی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے مانوس ہو کر نفس بن گئے۔ اس پیار کے نتیجے سے قلب پیدا ہوا (قلب وہ لطیفہ ہے جس کا محل گوشت والا قلب ہے) گوشت والا قلب عالم خلق سے ہے اور لطیفہ قلب (نورانی) عالم امر سے ہے۔ یہ قلب امری روح سے بہت پیار رکھتا

Marfat.com

ہے۔(عوارف المعارف)

حضرت علی الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ نفس اور روح دونوں لطیف ہیں جو انسان کے قالب (بدن) میں موجود ہیں۔ جیسے دنیا میں شیاطین اور ملائکہ اور بہشت اور دوزخ ہیں۔ ان میں سے ایک محل خیر اور ایک محل شر ہے جس طرح آنکھ محل نظر ہے کان محل سمع اور زبان محل ذائقہ ہے۔ اسی طرح بہت سے اعیان اور وصف ہیں جو انسان کے بدن میں ودیعت کیے گئے ہیں۔ سِرّ مشاہدہ کا محل ہے۔ سِرّ روح سے زیادہ لطیف ہے اور روح قلب سے زیادہ اشرف ہے۔ سِرّ کے علاوہ خفی اور اخفی بھی زیادہ لطیف چیزیں ہیں۔

فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى (طٰہٰ:۷) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے راز کو اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے۔

ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ نفس انسان کے اوصاف و اعمال کا معلول ہے۔ (یعنی نفس کی وجہ سے انسان کے اوصاف اور اعمال بنتے ہیں) اور ان کی وجہ سے وہ محمود یا مذموم بنتا ہے۔ علمائے تحقیق کہتے ہیں کہ ارواح اجسام سے ۲۰۰۰ سال پہلے تخلیق کی گئی ہیں۔ شیطان متاعِ ایمان کو لوٹنے کے لیے انسان کے سامنے کس طرح امید کے محلات تعمیر کرتا ہے۔ (دیکھیں سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱۸)

لفظ انسان کا اطلاق جسم، روح اور نفس وغیرہ کی تمام چیزوں کے مجموعے پر ہے۔ جیسے قرآن میں فرمایا گیا ہے:

هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـئًا مَّذۡكُوۡرًا ۝۱ (الدھر:۱) بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

مطلب یہ ہوا کہ انسان ذکر کے قابل اس وقت ہوا جب روح اور وجود کے اختلاط سے نفس پیدا ہوا۔ علم اور حال سے واقف ہونا سوائے انسانی وجود کے نہیں ہے۔ ہاں انبیاء علیہم السلام کے لیے یہ قید نہیں۔

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ روح ایک لطیفہ غیبی ہے جو اللہ کی طرف مشہور

Marfat.com

مقامات کی سیر کرتی ہے۔ اس کو روح سیرانی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ روح ''کن'' کے کہنے سے پیدا ہوئی اور کوئی کہتا ہے کہ وہ اللہ کے جلال و جمال سے اشارۂ تخلیق پا کر پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے سلام سے مخصوص فرما کر اپنے کلام کے ذریعے زندہ کیا اور وہ لفظ ''کن'' کی ذات سے آزاد ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ روح ایک جوہر ہے اور مخلوق ہے مگر تمام مخلوقات سے لطیف، صاف، منور اور نورانی ہے۔ اس کے ذریعے غیب کی چیزیں نظر آتی ہیں اور اربابِ حقائق کو کشف اس کے ذریعے سے ہوتا ہے اور یہ روحانی سیر سے پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی قیومیت روح کی قیومیت کے ذریعے سے ہے۔

ابو عبد اللہ النباحیؒ فرماتے ہیں کہ روح ایک ایسا لطیفہ جسم ہے کہ جو حس اور لمس سے بالاتر ہے۔ اس کے متعلق صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ موجود ہے۔ شیخ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روحوں کو پیدا کیا گیا پھر اجسام کی صورتیں بنائیں۔ (وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ، اور بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں پھر (خاص) شکل وصورت بنائی تمہاری) (الاعراف:11) حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ روح انسان کی شکل میں ہوتی ہے مگر وہ انسان نہیں ہوتی۔ بصیرت باطنی والے پہچان سکتے ہیں کہ یہ روح کس کی ہے اور اس کا نام کیا ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ عرش کے سوا اللہ نے روح سے برتر کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی۔ وہ اتنی عظیم ہے کہ اگر چاہے تو ساتوں زمینوں اور آسمانوں کو ایک لقمے میں نگل جائے۔ اس کو ملائکہ کی صورت پر پیدا کیا اور اس کا چہرہ آدمیوں کے چہرے کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روح کو اس قدر تصرف عطا فرمایا کہ جب بحیثیت مجموعی کسی ایک تقاضے پر انسان کا ذہن مرکوز ہو جائے (مراقبہ) تو روح حرکت میں آ جاتی ہے اور جب روح حرکت میں آ جائے تو جس وجود کا وہ خیال کرتی ہے اس کا مظہر سامنے وجود میں آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ'' (بنی اسرائیل: ۸۵) (انہیں) (بتایئے روح میرے رب کے حکم سے ہے) یعنی روح اللہ کا امر ہے اور قرآن میں یہ بھی ہے کہ جب اللہ کسی چیز کا ''امر'' (حکم) کرے تو وہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب روح بھی اللہ کا حکم ہے تو اس کے حرکت میں آ جانے سے تخلیق ہو جاتی ہے اور اس کا وجود

Marfat.com

لازم ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ مومن وہ ہے جو صاحبِ تخلیق ہو:

ذوقِ تخلیق آتشے اندر بدن از فروغِ اُو فروغِ انجمن

(ذوق تخلیق تیرے بدن میں آگ کی طرح موجود ہے، اس کی روشنی سے تمام انجمن روشن ہے) (ج ن: ۶۵۷)

پرورش پاتا ہے تقلیدِ کی تاریکی میں ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق!

(ض ک: ۵۹۱)

کیا نفس اور رُوح سے ایک چیز مراد ہے یا دو؟

قرآن میں جہاں لفظ روح استعمال ہوا ہے وہاں لفظ نفس استعمال نہیں ہوتا۔ مثلاً فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (تو جب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح اپنی طرف سے)(الحجر: ۲۹)۔ یہاں 'روحی' کی جگہ 'نفسی' نہیں کہا۔ اسی طرح تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ (یعنی تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے...) یہاں تَعْلَمُ مَا فِیْ رُوْحِی نہیں کہا۔ یقیناً ان دونوں کے مابین تعبیری فرق ہے (کہ لفظ نفس بول کر روح مراد لے یا روح بول کر نفس مراد لے۔ اس بات کا امام ابن عبد البر نے اپنی مشہور تصنیف ''التمہید'' میں ذکر فرمایا ہے جس کا ترجمہ نیچے دیا ہے:

ان اللہ تعالیٰ خلق اٰدم و جعل فیه نفساً و روحاً فمن الرُّوح عفافه و فهمه و حلمه و سخاؤه و وفائه من النفس شهوته و طیشه و سفهه و غضبه

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا اور اس میں نفس اور روح رکھی۔ پس روح کی بدولت آدمی کی عفت، فہم، حلم، سخاوت اور وفا ہے اور نفس کی وجہ سے اس کی شہوت، طیش، جہالت اور غضب ہے۔

نفس کن حالات میں خبث اور کب خیر و کمال کا محل بن جاتا ہے

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں فرمایا ہے کہ نفس کی جبلت کا

Marfat.com

تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسانی کی دو جہتیں (دو سمتیں) ہیں۔ ایک تو یہ کہ نفس کی جبلت اور فطرت خبیث ہے اور دوسری یہ کہ جب اس کا خبث ذاتی دور ہو جائے تو یہی نفس خیر و کمال کا محل بن جاتا ہے۔ مکتوبات شریف میں حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ نفس اپنی فطرت اور جبلت میں خبیث ہے اور تاریکی اس کی ذات کی صفت ہے۔ جب تک نفس قلب کی سلطنت اور حکومت کے تحت رہ کر بمطابق سنت اور اتباع شریعت اور فضل خداوندی پاک اور مطہر اور متزکی نہ ہو جائے تو اس کا خبث ذاتی دور نہیں ہو سکتا۔ نفس امارہ، جاہ و وقار اور سرداری کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ اتباع شریعت سے اس کا خبث دور ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاں نفس شرارت اور عیب کا محل ہے وہاں یہی نفس انسان کا رہبر اور رہنما بھی بن جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ مرد مسلمان کی شناخت میں حسب ذیل چار عناصر ضروری بنیادوں پر قائم کیے جاتے ہیں اور ان چاروں میں جباری اور قہاری کی صفات کا ہونا بھی ضروری ہے۔

قہّاری و جبّاری و قدّوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!

(ض ک: ۵۲۲)

ہماری تصنیف ''تہذیبِ نفس'' میں نفس کی تربیت پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے جو لوگ اپنا معیار و کردار بلند کرنا چاہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ نفس کی اصلاح کے لیے لگاتار کوشش کرتے رہیں۔ نفس کی اصلاح کا سب سے اہم اور کارگر طریقہ اتباع سنت اور ذکر الٰہی میں دوام حاصل کرنا ہے۔ یاد رہے کہ انسان کے درجات کی بلندی اسی نفس کی سرزنش اور تربیت پر موقوف ہے۔ جب نفس روح کے ماتحت ہو جائے تو انسان بڑے سے بڑے کام کر لیتا ہے۔ اگر عبادت ذکر اور اتباع سنت سے قلب مزین ہو جائے تو نفس کی جرأت نہیں ہوتی کہ قلب کی طرف نظر بھی کر سکے اور جب قلب غافل ہو جائے تو نفس اپنے پنجے قلب میں گاڑ دیتا ہے اور انسان کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

انسان اور لذتوں کی محبت

حقوق نفس کے بیان میں اس امر پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ لہٰذا اس بحث کا مطالعہ بھی فرما لیجیے۔ قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾ (آلِ عمران: ۱۴)

آراستہ کی گئی لوگوں کے لیے ان خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور چوپائے اور کھیتی، یہ سب کچھ سامان ہے دُنیوی زندگی کا اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔

اس آیت کی جو تشریح حضرت العلامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی ہے اس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ قدرت نے انسان کے اندر نفسانی خواہشات کیوں رکھی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے انسان کے دل میں ان اشیاء کے ساتھ طبعی لگاؤ اور رغبت پیدا فرما دی، اگر ایسا نہ ہوتا تو شادی کی تلخ ذمہ داریوں کو کون اٹھاتا، ناتواں اولاد کے لیے کون لمبی راتیں گزارتا اور ان کی پرورش کے لیے اپنی راحت و آسائش کو ترک کرتا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نسل انسانی کی بقاء کیسے ممکن ہوتی۔ اسی طرح سونے، چاندی، عمدہ گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتی باڑی کے ساتھ میلانِ طبع نہ ہوتا تو دنیا کی ساری رونقیں ختم ہو کر رہ جاتیں۔ اسی بقائے نظامِ کائنات کے لیے قادر و حکیم مولیٰ نے انسان کے اندر ''اَمَل'' (امید) رکھی ہے تاکہ وہ اپنے مستقبل کے لیے سکیمیں اور منصوبے بناتا رہے اور یوں جب تک قدرت کو منظور ہے دنیا کی رونق قائم رہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ''دنیا اُمید پر قائم ہے''۔ انسان کے اُخروی شعور اور احساس پر ''غفلت'' یعنی باریک پردہ ڈال رکھا ہے تاکہ وہ سراسر آخرت کی فکر میں پڑ کر کاروبارِ حیات کو ختم نہ کر دے۔''

(ضیاء القرآن: ج ۱، ص ۲۱۳)

لذتوں میں احتیاط قائم کرو

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں لکھا ہے کہ اگرچہ انسان کو بہت سی باتوں سے منع کیا اور ان کو حرام کیا گیا ہے مگر اس کی جگہ دوسری نعمتوں کو حلال کر دیا گیا

Marfat.com

ہے۔ مثلاً مردوں پر سونا حرام کیا ہے لیکن عورتوں پر سونا پہننا حرام نہیں کیا جس کا فائدہ بھی مردوں کے لیے ہے۔ اگر زنا حرام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے بیویوں کو حلال کیا ہے۔ جہاں حرام کا ارتکاب منع کیا ہے، وہاں حلال روزی اور حلال طریقوں کی وسعت کو جائز قرار دیا ہے۔ جو لوگ دُنیا میں بلند مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے لازمی ہے کہ احتیاط اور میانہ روی کو اہمیت دیں اور فضولیات کی طرف نہ جھکیں کیونکہ ہر چیز میں اسراف ناپسندیدہ ہے۔

محاسبۂ نفس میں اسلافِ کرام کے اقوال اور سیرت

سلف صالحین کے محاسبہ نفس کے بارے میں بہت اقوال ہیں۔

۱) لسانِ حق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں بہت اہم ارشاد ہے، آپ فرماتے ہیں: حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَتَزَيَّنُوْا لِلْعَرْضِ الْاَكْبَرِ وَاِنَّمَا يَخِفُّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهٗ فِى الدُّنْيَا (ترمذی)۔ تم اپنے نفسوں کا محاسبہ کرلو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور سب سے بڑی بارگاہ میں حاضری کے لیے تیاری کرلو، قیامت کے دن صرف اسی کا حساب آسان ہوگا جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ کرلیا۔

۲) امام احمد بن حنبلؒ حضرت وھب بن منبہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی حکمت میں مرقوم ہے کہ عقل مند شخص پر لازم ہے کہ چار مقامات پر غفلت کا شکار نہ ہو: (۱) جب اپنے رب سے مناجات (دعا) کرے۔ (۲) جب اپنے نفس کا محاسبہ کرے (۳) جب وہ اپنے احباب کے ساتھ خلوت میں ہو اور وہ اس کے عیب اس کو بتلائیں (۴) اور جب وہ بالکل تنہا ہو اور اس کے اور شہوات و لذات کی تکمیل کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ ہو، بے شک اس ساعت میں شیطان لذت کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۳) حضرت احنف بن قیس جلتے ہوئے چراغ کی طرف آتے اور اس پر انگلی رکھ دیتے، پھر فرماتے اے احنف! محسوس کر جو تو نے فلاں اور فلاں دن یونہی گزار

Marfat.com

دیا اور جو تو نے فلاں عمل کیا۔ پھر آپ رونا شروع کر دیتے۔

۴) حضرت حسنؓ فرماتے ہیں، مومن اپنے نفس کا حاکم ہے اور اللہ کی خاطر نفس کا محاسبہ کرتا ہے۔ بے شک اس قوم کا حساب بہت آسان ہوگا جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ کر لیا اور وہ قوم بڑی مشکل میں ہوگی جو اپنا محاسبہ کیے بغیر دنیا سے رخصت ہوگئی۔

۵) حضرت مالک بن دینار کہتے ہیں کہ اس شخص پر اللہ کی رحمت ہو جو اپنے آپ سے کہے: "کیا تو نے فلاں دن ایسا نہیں کیا تھا اور فلاں دن یہ عمل نہیں کیا تھا؛" پھر نفس کی گردن پکڑے، پھر اسے نکیل ڈالے، پھر کتاب اللہ کو پکڑ لے اور اس پر عمل کرے کیونکہ قرآن شریف انسان کا بہترین قائد ہے۔

۶) حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں: بندہ اس وقت تک مرتبہ تقویٰ پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے نفس کا اس طرح محاسبہ نہ کرے جس طرح وہ اپنے شراکت دار شخص کا محاسبہ کرتا ہے۔ اس کا کھانا کہاں سے آتا ہے اور لباس کہاں سے؟ (ترمذی)

Marfat.com

باب ۱۶

وجدان سے متاثرہ عقل

عقل انسانی نے بہت سے کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ عرف عام میں عقل ایک ایسا پرزہ ہے جو صرف دنیا کو سمجھنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ عقلِ محض سے دین اور ایمان کو پرکھنا مناسب نہیں۔ دینی اور روحانی معاملات کو سمجھنے کے لیے ایسی عقل کی ضرورت ہے جو دل کی ادب خوردہ ہو۔ علامہ اقبالؒ کے تاثرات عقل اور وجدان کے متعلق اس باب میں اختصار کے ساتھ درج کیے جا رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ایسی عقل پیدا کرو جو دل سے ادب خوردہ ہو کیونکہ جب عقل اپنے کمال کو پہنچ جائے تو وجدان میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ آپ کے اس قول کی تشریح ذیل میں دیئے گئے مضمون میں کی جا رہی ہے۔

عقلے بہم رساں کہ ادب خوردۂ دل است

(ایسی عقل پیدا کرو جو دل کی تربیت یافتہ ہو)

قرآن مجید میں عقل کے ذریعے دنیاوی اشیاء اور کارخانۂ قدرت کے کارناموں

Marfat.com

پر غور کرنے کی بار بار دعوت دی گئی ہے اور اس بات پر کافی زور دیا ہے کہ لوگ اور خاص طور پر کافر، عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ عقل کے بارے میں قرآن مجید نے قلبِ سلیم کی طرف بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جن لوگوں کے دل اللہ کی طرف مشغول ہیں ان کے دلوں میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں آتا۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾
(الشعراء:۸۸۔۸۹)

جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم۔

سورۃ الصّٰفّٰت میں بھی قلبِ سلیم کے الفاظ آئے ہیں جس کے معنی تفسیر مظہری میں یوں بیان کیے گئے ہیں کہ قلبِ سلیم سے مراد وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر محبت اور تعلق سے محفوظ ہو۔ مذکورہ سورۃ الشعراء کی آیات میں قلبِ سلیم کے معانی ضیاء القرآن میں یوں آئے ہیں کہ اس سے مراد مومن کا وہ دل ہے جو کفر اور نفاق کی بیماریوں سے محفوظ ہو (کیونکہ کافروں کے دلوں میں یہ بیماری ہوتی ہے) مومن نے جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے اس کو کئی گنا اجر بھی ملے گا اور اس کی اولاد کی دعائیں اس کے حق میں قبول کی جائیں گی جو اس کے گناہوں کی بخشش اور درجات کی بلندی کا باعث ہوں گی اور قیامت کے دن ان کی شفاعت اپنے گھر والوں کے حق میں مقبول ہو گی۔ علامہ ابو حیان زمخشری لکھتے ہیں کہ ”جسے سانپ نے ڈس لیا ہو اسے بھی سلیم کہتے ہیں“ اور حضرت جنیدؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ”جس کا دل سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے خوف سے پھڑکتا اور تڑپتا رہتا ہے وہی روز حشر کامیاب ہوگا۔“

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ وجدان میں قلبی کیفیات اور جذبۂ عشق کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے تاہم عقل بھی خوبیوں سے خالی نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ عقل اپنے کمال پر پہنچ جانے کے بعد وجدان میں بدل جاتی ہے یعنی اگر عقل جذبات کی غلامی اختیار کر کے تاریک نہ ہو اور جادۂ حیات کی مسلسل راہنمائی کرتی رہے تو ایسے عقل والے کو قلبِ سلیم کا حاصل ہونا مراد ہے اور قرآن میں بھی قلبِ سلیم کا ذکر انہی معنوں میں آیا ہے۔ عقل اگر عشق کے تابع ہو جائے تو عشق اس کا مددگار اور معاون بن جاتا ہے۔

Marfat.com

ایسی عقل ذوقِ نگاہ سے بیگانہ رویہ نہیں رکھتی۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

ع عقل ہم عشق است واز ذوقِ نگاہ بیگانہ نیست

(عقل بھی عشق بن جاتی ہے اور ذوقِ نگاہ سے بیگانہ نہیں رہتی) (ز ع: ۴۱۸)

ایک اور مقام پر علامہؒ نے لکھا ہے کہ اپنے دل کے ساتھ عقل کو رکھو کیونکہ ایسی عقل جس نے دل سے ادب سیکھا ہو وہ باطل کے ساتھ کبھی الحاق نہیں کرے گی۔ ادب تو دل کی خوراک ہے۔

نقشے کہ بستہٖ ہمہ اوہامِ باطل است عقلِ بہم رساں کہ ادب خوردۂ دل است

(وہ نقوش جن کے ساتھ تم نے دل بستگی کی ہے تمام باطل ہیں، ایسی عقل پیدا کرو جو دل کی تربیت یافتہ ہو) (پ م: ۳۷۷)

مناسب ہوگا کہ دلوں کی کیفیت کو بدلنے والی طاقت جسے وجدان کہا جاتا ہے اور جو مطالعہ یا استدلال کے بغیر علم حاصل کرتی ہے، کے متعلق کچھ معلومات قارئین کی تسلی کے لیے شامل کر دی جائیں۔ چنانچہ اس کے بعد ''علم بذریعہ وجدان'' پر ایک مختصر سی تحریر پیش کی جارہی ہے۔

علم بذریعہ وجدان

وجدان دماغ کی ایک قوت ہے جو شعوری اور استدلال (دلائل) یا مطالعہ کے بغیر علم حاصل کرتی ہے۔ اس کا مطالعہ کرنا اس لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے شعور اور اس کے ارتقاء کی نوعیت و حقیقت کے متعلق کسی قطعی رائے کا اظہار کر سکے اور کسی چیز کے ادراک کو وثوق کے درجے تک حاصل کر سکے۔ وجدان کشف یا جذبۂ عشق کے توسط سے انسانی شعور نے حاصل کیا ہے اور یہ مفروضہ قانونِ ارتقاء کے عین موافق ہے۔ وجدان کا مسئلہ مابعد الطبیعی حقائق سے منسلک ہے، یعنی یہ ایک غیر مادی غیر استدلالی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبات میں فرمایا ہے کہ روحانی وجدان محض ایک تاثر یا جذبہ نہیں بلکہ حقائق حیات کی بابت اس میں وسیع تر علم اور عمیق تر بصیرت پائی جاتی ہے۔

Marfat.com

علامہؒ نے فرمایا کہ طبعی عقل، عقل نہیں۔ ایسی عقل حیوانی جذبات کی غلامی کرتی ہے، جبکہ عقل کلی میں وجدانِ عشق، سوز و گداز اور علم و عقل کی وسعتیں موجود ہیں۔ عقل جزوی وہ ہے جو خود پر تنقید نہ کرے (یعنی اپنی غلط بات کو درست تصور کرتا ہے) اور اپنی حدود سے ناواقف ہو۔ ایسی عقل کو علامہ اقبالؒ نے مولانا روم کی طرح الحاد آفریں، عقلِ بہانہ جُو یا عقلِ فسوں شمار کیا ہے۔

مغرب کے فلسفیوں کے برخلاف، علامہ اقبالؒ یہ سمجھتے ہیں کہ اگرچہ وجدان میں قلبی کیفیات اور جذبۂ عشق کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اور عشق و عقل کے انتخاب میں وہ عشق کو ترجیح دیتے ہیں تاہم عقل سے انہیں بیر نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ عقل اپنے کمال پر پہنچ جانے کے بعد وجدان میں بدل جاتی ہے۔ یعنی اگر عقل جذبات کی غلامی سے کور یا تاریک نہ ہو جائے اور جادۂ حیات کی مسلسل راہنمائی کرتی رہے تو عقل کی منزل اور عشق کا حاصل ایک ہو جاتا ہے (راقم الحروف کا خیال ہے کہ ایسی عقل والے کے لیے قلبِ سلیم کا حاصل کرنا مراد ہے اور قرآن میں بھی اس عقل کا متعدد بار ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا ہے: اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ (الصّٰفّٰت: ۸۴) (جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلبِ سلیم کے ساتھ۔) عقل اگر عشق کے تابع ہو جائے تو عشق اس کا مددگار اور معاون بن جاتا ہے۔ ایسی عقل ذوقِ نگاہ سے بیگانہ رویہ نہیں رکھتی۔ آپؒ نے فرمایا ہے:

ع عقل ہم عشق است واز ذوقِ نگاہ بیگانہ نیست
(عقل بھی عشق بن جاتی ہے اور وہ ذوقِ نگاہ سے بیگانہ نہیں رہتی) (ز ع: ۴۱۸)

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں کچھ واقعات کی روایات پیش کی گئی ہیں اور پھر فرمایا گیا ہے کہ اے عقل والو! فلاں بات کو سمجھو۔ قرآن نے بار بار فرمایا کہ یہ لوگ عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ اسی لیے علامہؒ نے اپنے علم اور عقلِ سلیم کو تسلیم کیا ہے:

علم را مقصود اگر باشد نظر می شود ھم جادہ وھم راہبر
(علم کا مقصود اگر نظر ہو جائے تو یہ راستے کی رفیق اور راہنما بن جاتی ہے)

Marfat.com

علم تفسیرِ جہانِ رنگ و بو دیدہ و دل پرورش گیر دازو

(علم اس دنیائے رنگ و بُو کی تفسیر ہے اور اس سے قلب و نظر پرورش پاتے ہیں)

(ج ن:٦:٧٧٦،٧٧٧)

ایک اور مقام پر علامہؒ نے فرمایا ہے کہ اپنے دل کے ساتھ عقل کو رکھو کیونکہ ایسی عقل جس نے دل (روح) سے ادب سیکھا ہو، وہ باطل کے ساتھ کبھی الحاق نہیں کرے گی۔ ادب تو دل کی خوراک ہے۔

نقشے کہ بستہ ہمہ اوہامِ باطل است عقلے بہم رساں کہ ادب خوردۂ دل است

(وہ نقوش جن کے ساتھ تم نے دل بستگی کی ہے تمام باطل ہیں، ایسی عقل پیدا کرو جو دل کی تربیت یافتہ ہو)

(پ م:٣٧٧)

بچشم عشق نگر تا سراغ اُو گیری جہاں بچشم خرد سیمیا و نیرنگ است

(عشق کی نظر سے دیکھو تا کہ تمہیں اس (خدا) کا سراغ مل سکے، یہ جہاں عقل کی نگاہ میں سفید جادو اور مکر و فریب ہے)

(پ م:٣٢١)

مغربی فلاسفر برگساں نے بھی وجدان کو عشق ہی کہا ہے اور مانتا ہے کہ یہ عشق ہے جو انبیاء اور اولیاء کے ہاں پایا جاتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ وجدان زمانی ہے اور نہ مکانی۔ اس کے اندر جو زمان ہے اس میں نہ تو ماضی ہے اور نہ ہی اسے حال و مستقبل سے کوئی واسطہ ہے۔ وہ ایک تخلیقی میلان اور سیلان ہے۔ فرماتے ہیں کہ مادہ آلود عقل یا جزوی عقل کا کام چوہے کی طرح ہے کیونکہ اس کا تعلق خاک یعنی زمین سے ہے نہ کہ آفاق سے۔ اہل مغرب نے جزوی عقل کے ذریعے مادی دنیا میں ہی محنت کی ہے جسے ہم خرید و فروخت یا تجارت کہہ سکتے ہیں۔ عقل کا وجدان تو ایسی نادر چیز ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام بھی حیرت کناں ہیں اور پہلے پہل حضرت خضر علیہ السلام کے کاموں کی تاویل کو نہ سمجھ سکے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ عقلِ بہانہ جُو راہ نہیں دکھا سکتی، چنانچہ اعمال اور علم کی بنیاد عشق پر رکھو۔

Marfat.com

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ
(ب د:۲۸۲)

بہ خرد راہِ عشق می پوئی؟ بہ چراغ آفتاب می جوئی؟
(عقل سے تم عشق کا راستہ تلاش کرتے ہو؟ معمولی چراغ لے کر سورج کو ڈھونڈتے ہو؟)

علم بر بیم و رجا دارد اساس عاشقاں را نے اُمید و نے ہراس
(علم کی بنیادِ خوف اور اُمید کے درمیان ہوتی ہے اور عاشقوں کے لیے نہ اُمید ہوتی ہے اور نہ خوف) (پ م:۳۷۲)

علم ترساں از جلالِ کائنات عشق غرق اندر جمالِ کائنات
(علم کائنات کی ہیبت سے ڈرتا ہے جبکہ عشق کائنات کے جمال میں غرق ہے)

عشق آزاد و غیور و ناصبور در تماشائے وجود آمد جسور!
(عشق آزاد، غیرت مند اور ناصبور ہے، وہ وجود کا مشاہدہ کرنے کی ہمت رکھتا ہے)
(ج ن:۷۰۸)

•

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ وجدان کو عقلِ بہانہ جُو (تلاش) نہیں کرسکتی اور نہ ہی حقائق کا ادراک کرسکتی ہے۔ اہلِ وجدان دوسروں کو سمجھانے کے لیے قال (باتوں) سے پرہیز نہیں کر سکتے اور نہ ہی اُن کی بات زبان پر آ سکتی ہے لہٰذا انہیں تشبیہ اور تمثیل (مثالوں) سے کام لینا پڑتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب زبان کام نہ کرے اور تمثیلات سے بھی ادراک پیدا نہ کیا جاسکے تو بات کہنے والے کی بھی تسلی نہیں ہوتی اور نہ ہی سننے والے کی تسلی ہوسکتی ہے۔ اگر کیفیت یوں ہو تو وجدانِ حقیقت کس طرح بیان ہوسکتی جبکہ اس کا تعلق نہ حواس سے ہے اور نہ ہی اس دنیا کے زمان و مکان سے ہے۔ آخر تنگ آ کر مولانا رومؒ فرماتے ہیں ”کاش کہ ہستی کی کوئی زبان ہوتی تا کہ جلوے کے دیدار میں مست لوگ اپنے خیالات سے پردہ اٹھا سکتے۔“

کاش کہ ہستی زبانے داشتے تا زمستاں پردہ ہا برداشتے
(کاش کہ ہستی کی کوئی زبان ہوتی تا کہ وہ عاشقوں سے پردہ اٹھا دیتی)

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام کاندر آں بے حرف می روید کلام

Marfat.com

(اے خدا! تو روح کو وہ مقام عطا کر کہ جہاں بغیر حروف کے کلام جاری ہو جائے)

دراصل وجدان کی حالت سکوت وسخن دونوں سے ماورای ہے کہ نہ تو وہ خاموش رہ سکتا ہے اور نہ گویا، یا یوں کہیے کہ وہ خاموش بھی ہے اور گویا بھی۔ البتہ اگر کسی شے کو سمجھنے کی بات ہو تو وجدان سے بہتر کوئی چیز اس کی ہمسری نہیں کر سکتی۔

اشیاء کے ظاہر اور باطن کا علم

انسان کو اللہ تعالیٰ نے کیا کیا جوہر ملکوتی عطا فرمائے ہیں، اس راز سے خود انسان بھی شناسا نہیں۔ انسانوں کی اکثریت تو ظاہری دنیا کی ظاہری شکل سے ہی قدرے آشنا ہے اور دنیا کی ہر چیز کو محض ظاہری نظر سے ہی پہچانتی ہے۔ اس کور نگاہی کی وجہ انسان کی قوانین الٰہی اور چشم بصیرت سے لاعلمی اور لاتعلقی ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہماری ایک بہت بڑی اکثریت باطنی علوم تو کیا ظاہری علوم سے بھی سراسر محروم ہے۔ یورپ کے علماء نے ظاہری علوم کو حاصل کرنے میں کافی تحقیق کی ہے، چنانچہ ان کا شعبہ سائنس نت نئی ایجادات کو معرض وجود میں لا رہا ہے اور پوری دنیا سے دادِ تحسین حاصل کر رہا ہے۔ اگر ہم اشیاء کی باطنی صورتوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تحقیق کا یہ پہلو تو یکسر ویرانی کا شکار ہے کیونکہ باطنی علوم کا یہ حصہ نہ صرف تحقیقاتی کاوشوں اور محنتوں کا محتاج ہے بلکہ اس قلزم خاموش کو کھولنے کے لیے ضرب کلیمی اور وجدان کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ باطنی علوم کی کشائش سے آگاہ ہیں ان کی تعداد تو مذکور بالا ظاہری علوم کے جاننے والوں سے بھی بہت قلیل بلکہ اقل ہے۔

ہم ہر روز، اپنی زندگی میں استعمال ہونے والی بہت سی اشیاء کا ملاحظہ کرتے ہیں اور آگے گزر جاتے ہیں مگر ان اشیاء کے عظیم صانع نے جو کمالات اور اسرار ان میں مخفی کر دیے ہیں ان کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ قرآن عظیم مسلمان کو اسی عرفان کے حاصل کرنے کی تاکید کرتا ہے اور جا بجا فرماتا ہے کہ اے انسان! کائنات میں جو کچھ پیدا کیا گیا ہے اس پر غور کر اور اپنی دنیائے فکر کو ان پوشیدہ اسرار کے کھولنے میں استعمال کر۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عموماً یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی! ہمیں ان تمام اشیاء کے

Marfat.com

حقائق کا علم عطا فرما جس طرح کہ وہ ہیں۔ (ربنا ارنا الاشیاء کما ھی) (تفسیر کبیر: ج ۲۱) اسلام مسلمانوں کو کائنات پر اس قسم کے حقائق پر غور کرنے کی اہمیت جتاتا ہے۔ چنانچہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے قدرت کے ان اسرار کو فاش کیا، حتیٰ کہ انہوں نے خود خدا کی معرفت حاصل کرنے میں بھی اپنی قوتوں کے مطابق کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ علامہ اقبالؒ درج ذیل اشعار میں انسان کی ان ہی عرفانی کوششوں کو بروئے کار لانے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

گاہ میری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں!
تو نے یہ کیا غضب کیا! مجھ کو بھی فاش کر دیا میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں!
(ب ج: ۲۹۷)

علامہ اقبالؒ کے نزدیک انسان کا وجود اس کی خودی کے ذریعے ہی پہچانا جاتا ہے۔ اگر انسان میں جوہر خودی ہے تو اس جوہر کو آپ اس کی شکل وصورت سے ظاہر ہوتا ہوا پائیں گے یعنی جہاں خودی کے جوہر بدل گئے انسان کی شکل بھی بدل گئی۔ انسان کی یہ زندگی ایک شرر کی مثل دیرپا نہیں لیکن اس عرصے میں زندگی کو اعلیٰ معیار پر لانے کے لیے خودی کی تعمیر کرنا ضروریاتِ زندگی سے ہے۔

اے کہ ہے زیرِ فلک مثلِ شرر تیری نمود کون سمجھائے تجھے کیا ہیں مقاماتِ وجود
وجود کیا ہے؟ فقط جوہرِ خودی کی نمود کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا
(ض ک: ۵۷۶)

اپنے دیدار کے بغیر زندگی موت ہے

جب تک انسان اپنی قوتوں، خوبیوں اور صلاحیتوں سے بیگانہ اور ناآشنا ہے اس وقت تک انسان اپنی فعالیت (کام کرنے کی قوت) سے آگاہ نہیں ہوتا۔ ایسا غیر فعال شخص مردہ حالت میں ہی زندہ رہتا ہے۔ گویا اپنے کندھوں پر اپنی لاش اٹھا کر چلتا پھرتا ہے۔ جو شخص اپنی صلاحیتوں کا اندازہ کر لیتا ہے وہ اپنی مخالف قوتوں کے ساتھ مدافعت کرنے میں

Marfat.com

کامیاب ہو جاتا ہے اور ایک کامیاب انسان کہلاتا ہے۔ اسلام بھی اپنے ماننے والوں کو یہی سبق دیتا ہے اور صاف طور پر کہتا ہے کہ جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ایسے لوگوں کا آخرت میں بھی کوئی مقام نہیں جو دنیا میں ضعیفوں کی سی زندگی گزارتے رہے۔ آخر دین کا جاننا بھی خودی کے اسرار سے واقف ہونا ہے۔ خودی کا عرفان ہنر کے تمام مرحلوں کی انتہا ہے۔ زندگی کا کمال بھی اپنی حقیقت کی پہچان کرنے پر منحصر ہے۔

چیست دیں؟ دریافتن اسرارِ خویش　　زندگی مرگ است بے دیدارِ خویش

(پ چ: ۸۵۴)

(دین کیا ہے؟ اپنی مخفی طاقتوں کے دریافت کرنے کا نام ہے، جب اپنا دیدار نہ ہو سکا تو زندگی موت ہے)

بیا بر خویش پیچیدن بیاموز　　بناخن سینہ کاویدن بیاموز

(اٹھ! اور اپنے آپ پر توجہ مرکوز کرنا سیکھ، اپنے ناخن سے اپنا سینہ زخمی کرنا سیکھ)

اگر خواہی خدا را فاش بینی　　خودی را فاش تر دیدن بیاموز

(اگر اللہ تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنا چاہتا ہے تو اپنی خودی کو فاش تر دیکھنا سیکھ)

مذکور بالا اشعار میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنی خودی کی پہچان کرنے کے لیے کاوشیں بروئے کار لاتے ہیں اور اپنے سینے کو اس محنت سے داغ دار کر لیتے ہیں تو وہی لوگ حتی الامکان حق تعالیٰ کی بھی پہچان کر لیتے ہیں۔

Marfat.com

باب ۱۷

عقل ہم عشق است واز ذوقِ نگاہ بیگانہ نیست

(عقل بھی عشق کی طرح ہو جاتی ہے اور ذوقِ نگاہ سے بیگانہ نہیں رہتی)

العقل

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں عقل بہانہ ساز یعنی عقل استدلالی جو مادیات میں الجھی ہوئی ہے اور ارادت سے ناآشنا ہے، لذتِ جسمانیہ کی تگ و دو کو سمجھتی ہے۔ یہ عقل مکار، حیلہ ساز، بزدل اور جھگڑالو ہے۔ اس کی انتہا حیرت ہے جبکہ عقلِ نورانی وہ عقل ہے جو سوز و مستی میں نورانی، نیاز و گداز میں غرق اور ایمان و یقین کی امین ہے۔ وجدان میں اگرچہ قلبی کیفیت اور جذبۂ عشق کو بہت دخل ہے لیکن اگر عقل اپنے کمال کو پہنچ جائے تو وجدان میں بدل جاتی ہے۔ یعنی عقل اگر جذبات کی غلامی سے آزاد ہو جائے اور جادۂ حیات کی مسلسل راہنمائی کرتی رہے تو عقل کی منزل اور عشق کا حاصل ایک ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ایسی عقل کو عقلِ سلیم کہا گیا ہے۔ عقل اگر عشق کا ساتھ دینے لگے تو عشق اس کا مددگار و معاون ہو جاتا ہے۔ ایسی عقل ذوقِ نگاہ سے بیگانہ نہیں رہتی۔

Marfat.com

ع عقل ہم عشق است واز ذوقِ نگاہ بیگانہ نیست

(عقل بھی عشق بن جاتی ہے اور وہ ذوقِ نگاہ سے بیگانہ نہیں رہتی) (ز ع: ۴۱۸)

یہی عقل مسلمان کو اعلیٰ درجے پر پہنچا دیتی ہے اور اس عقل کی مدد سے مسلمان کی عبادات کا درجہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اگر عام عبادت کا اجر ایک مچھر کے پر کے برابر ہو تو ایسی عقلِ سلیم والے کی نماز کا درجہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے جیسا کہ اس سے گزشتہ باب میں بیان ہوا۔ قرآن مجید میں اسی لیے بار بار زور دیا گیا ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔

عقل کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ صاحب ''قاموس'' علم کو عقل کہتے ہیں اور ''کتاب المحکم'' میں ہے کہ ''عقل حماقت کی ضد ہے'' یا عقل اشیاء کی صفاتِ حسنہ اور سیئہ اور ان کے نفع اور نقصان کو جاننے کی قوت ہے، یا عقل خیر اور شر میں تمیز کرنے کا نام ہے، یا مطلقاً تمام امور میں حسن اور قبح کو معلوم کرنے کی قوت کا نام عقل ہے، نیز انسان کی حرکات اور اس کے کلام کی محمود ہیئت پر عقل کا اطلاق ہوتا ہے۔ (القاموس المحیط: ۱۳۳۶)

وہ قوت جو قبولِ علم کے لیے تیار ہو اسے عقل کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان اس وقت کی بدولت جو کچھ مستنبط (حاصل) کرتا ہے وہ بھی عقل ہے، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: عقل کی دو قسمیں ہیں: (۱) عقلِ مطبوع (پسندیدہ) (۲) عقلِ مسموع (جو سننے میں آئی) سو عقلِ مطبوع اس وقت تک بیکار ہے جب تک عقلِ مسموع نہ ہو۔ جیسا کہ آفتاب کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ آنکھ کی روشنی نہ ہو۔

ان میں سے پہلے معنی کی طرف حدیث پاک میں یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا اَكْرَمَ مِنَ الْعَقْلِ — اللہ تعالیٰ نے عقل سے زیادہ مکرم مخلوق کوئی پیدا نہیں فرمائی

اور دوسرے معنی کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

مَاكَسَبَ اَحَدٌ شَيْئًا اَفْضَلَ مِنْ عَقْلٍ يَهْدِيْهِ اِلٰى هُدًى اَوْ يُرْدِىْ عَنْ رِدًى — کسی شخص نے عقل سے افضل کوئی چیز نہیں کمائی، وہ عقل جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرے اور ضلالت سے منع کرے۔ (المفردات للاصفہانی)

علامہ محمد فرید وجدی کہتے ہیں: ''عقل انسان میں ادراک کرنے (جاننے) کی

Marfat.com

قوت ہے اور یہ روح کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اس کا مقام مُخ (مغز) ہے جیسا کہ ابصار روح کے خصائص میں سے ایک خاصہ ہے اور اس کا آلہ آنکھ ہے۔ (دائرۃ المعارف القرآن العشرین: ج ٦ ص ٥٢٢)

علامہ میر سید جرجانی لکھتے ہیں، ''عقل وہ قوت ہے جس سے حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے۔'' ایک قول یہ ہے کہ ''اس کا محل (مقام) سر ہے،'' اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''اس کا محل قلب ہے۔'' (کتاب التعریفات: ص ١٠٩)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: ''عقل وہ قوت ہے جس میں علوم اور ادراکات کی صلاحیت ہو اور ایک قول یہ ہے کہ عقل ایک جوہر ہے جس سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے۔'' (شرح العقائد: ص ١٦)

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: ''امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا، عقل ایک فطری چیز ہے اور حارث محاسبی سے بھی اسی طرح منقول ہے، نیز محاسبی سے یہ قول بھی منقول ہے کہ عقل ایک نور ہے اور دیگر اہل علم نے کہا عقل ایک قوت ہے جس سے معلومات کی حقیقتوں میں تمیز کی جاتی ہے، ایک اعرابی سے عقل کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا، یہ ایک نچوڑ اور خلاصہ ہے جو میں نے تجربات سے پایا ہے۔''

علامہ ابن جوزی نے مختلف اقوال درج کرنے کے بعد اپنی رائے یوں ظاہر فرمائی ہے۔ عقل ایک نام ہے جو آپ کے بیان کردہ چار مشترک معانی کے لیے بولا جاتا ہے۔

علامہ مجدالدین فیروز آبادی فرماتے ہیں: ''حق یہ ہے کہ عقل ایک روحانی نور ہے جس کے ذریعے نفس علوم ضروریہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے۔ اس کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں چھپا ہوتا ہے، پھر یہ مسلسل بڑھتا رہتا ہے اور بلوغ کی عمر تک کامل ہو جاتا ہے۔

عقل پر علامہ اقبالؒ کا نظریہ جاننے کے لیے ہماری تصنیف ''عقل و عشق اور علامہ اقبالؒ کا فلسفہ خودی'' جو عنقریب شائع ہونے والی ہے، سے رجوع فرمائیں۔

عقل کی فضیلت میں ارشادات

(١) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے ام المومنین! ایک شخص قیام کم کرتا ہے اور سوتا زیادہ اور دوسرا شخص قیام زیادہ کرتا ہے اور سوتا کم ہے، ان دونوں میں سے آپ کے نزدیک زیادہ بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس طرح تم نے مجھ سے پوچھا اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان دونوں میں سے زیادہ عقل مند شخص افضل ہے۔'' میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے ان دونوں کی عبادت کے بارے میں پوچھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، اے عائشہ! ان دونوں کی عقل کے بارے میں پوچھا جائے گا، پس جو شخص زیادہ عقل والا ہے وہی دنیا اور آخرت میں افضل ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا، پھر ''نون'' یعنی دوات کو پیدا فرمایا، پھر اسے حکم فرمایا، لکھ! اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے، پھر عقل کو پیدا فرمایا اور اس کو ارشاد فرمایا مجھے میری عزت کی قسم یقیناً میں تجھے اس شخص میں زیادہ رکھوں گا جس سے میں محبت کروں گا اور اس شخص میں کم رکھوں گا جو مجھے ناپسند ہوگا۔ (کچھ لوگ عقلمند نظر آتے ہیں مگر وہ عقلمند نہیں ہوتے کیونکہ وہ صرف چند باتوں کا علم جانتے ہیں۔ مثلاً انگریز بھاپ اور مشینوں کا علم جانتے ہیں مگر عقل مند نہیں کیونکہ اگر عقل مند ہوتے تو اسلام کو قبول کر لیتے)

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے اسلام کے بارے میں تعجب نہ کرو یہاں تک کہ تم اس کی عقل کی گرہ کو جانو۔

(۴) حضرت وھب بن منبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا اے بیٹے! اللہ عز و جل سے عقل طلب کرو، بے شک زیادہ عقل مند شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ اچھے عمل والا ہوتا ہے اور بے شک شیطان عقل مند شخص سے دور بھاگتا ہے اور اسے بہکانے میں کامیاب

Marfat.com

نہیں ہوتا۔ اے بیٹے! عقل سے افضل اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی چیز کے ذریعے نہیں کی گئی۔

(۵) حضرت ابو العلاء کہتے ہیں کہ حضرت مطرف نے فرمایا، ایمان کے بعد کسی بندے کو عقل سے افضل کوئی چیز نہیں دی گئی۔

(۶) خلیل بن درعلج کہتے ہیں میں نے معاویہ بن قرۃ کو کہتے ہوئے سنا، بے شک قوم حج کرتی ہے، عمرہ کرتی ہے، جہاد کرتی ہے، نماز پڑھتی ہے اور روزے رکھتی ہے لیکن قیامت کے دن انہیں ان کی عقلوں کے مطابق اجر عطا ہوگا۔

(۷) عبد اللہ بن ضریس کہتے ہیں کہ حضرت ابوزکریا نے فرمایا: جنت کی نعمتوں کی لذت انسان کو ان کی عقل کے مطابق حاصل ہوگی (کتاب الاذکیاء، ص ۹ تا ۱۱)

نفس اور اعمال کا عقل پر اثر

عقل پر نفس کا اثر وہی ہے جو قلب پر ہوتا ہے نیز علامہ ابن جوزی کے بیان کردہ معانی میں چوتھے معنی (یعنی جس میں عقل انسان کی شہوت کو دبا دے) میں غور کرنے سے آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ نفس جب کسی لذت کے حصول میں جلدی کرتا ہے اس وقت عقل پر کس قدر برا اثر پڑتا ہے اور اسی طرح نفس جب حرص و ہوس کی دلدل میں انسان کو پھنساتا ہے اس وقت عقل بہت متاثر ہوتی ہے۔

عقل انسانی

عقل انسانی ایک محدود قوت ہے جو حواسِ خمسہ ظاہر کی پابند ہے۔ جب حواس خمسہ خود اپنی قوت اور اپنے فعل میں محدود ہوں، تو عقل کی لونڈی جو حواس خمسہ کی بھکاری ہے کیونکر قید سے آزاد ہو سکتی ہے۔ اس لیے علوم عقلی کے اندر انہماک رکھنے والے (جو کشف الحقائق سے محروم ہیں) تصوف کی اصطلاحات کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

عالم کبیر (کائنات) میں بہت سے مظاہر اور اسماء ہیں، مثلاً عقل اول، قلم اعلیٰ، نور، نفس کلی اور لوح محفوظ وغیرہ تو عالم صغیر (یعنی انسان) میں بہت سے اسماء کے اصطلاحی

Marfat.com

نام یہ ہیں:

سِرّ، خفی، روح، قلب، کلہ، فواد، صدر، روح، عقل، قفس

عقل موجودات سے صحیح تجربہ سے حاصل ہوتی ہے۔ عقلِ اوّل حضور ﷺ کو کہا جاتا ہے کیونکہ آپ ہی خلق اول، تعین اول اور برزخ کبریٰ اور آپ ہی نورِ نبوت ہیں۔ آپ اللہ کا نور ہیں جو سب سے پہلے چمکا، جس سے تمام کائنات کی تخلیق ہوئی۔ عقل کلی ایک مدرکہ نور یہ ہے جس سے ان علوم کی صورتیں جو عقل اوّل سے موجود ہیں، ظاہر ہوتی ہیں۔ جب سالک روحِ حیوانی کے تسلط سے کسی قدر آزاد ہو جاتا ہے تو روح قلب سے لطیف تر اور سِرّ عقل سے روشن تر ہو جاتی ہے، قلب کا کام وجد ہے، روح کا کام الفت، عقل کا کام یقین اور سِرّ کا کام مشاہدہ ہے۔ روح کا کام خود سے نفس کو اثر پذیر کرنا ہے۔

عقل کی مزید وضاحت

عقل نور کا ایک شجر ہے جس سے محبت، علم، حلم، انس، بقاء حیات کی کلیاں چٹکتی ہیں اور ہر کلی سے مختلف سمع، بصر، تکلم، شوق، طلب، صدق ارادت، معرفت، وفا، حیا، تحمل، سکون، شفقت، رحمت، ثبات، دوام، فہم، فراست کے پھول کھلتے ہیں۔ پس جو عقل سے محروم ہے وہ ان تمام نعمتوں سے بے نصیب رہا۔ ''تاویلاتِ نجمیہ'' میں ہے کہ رجس سے مراد عذاب حجاب ہے (وَ یَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ: اور (لعنت الٰہی یہ ہے کہ) وہ ڈالتا ہے (گمراہی کی) آلودگی ان لوگوں پر جو بے سمجھ ہیں) اس سے وہ بے عقل مراد ہیں جن کے پاس نورِ ایمانی کے پہچاننے والی عقل نہیں ہے۔ یہی عقل توحید اور معرفت کا راستہ دکھاتی ہے۔ عقل مجردہ کو یہاں تابِ قیام نہیں (روح البیان) سنن الٰہیہ کے سامنے عقلیں حیران ہیں۔ بعض کو انوارِ ولایت سے مزین فرمایا اور بعض کو محروم کر دیا تاکہ محبوبوں کی پہچان اور خاصیت باقی رہے۔ کسی ذی روح کی یہ طاقت نہیں کہ اس کی قبولِ محبت اور لطفِ معرفت کا مزہ لے، تاوقتیکہ اس کے حکم ازلیہ سے اس کو حصہ عطا ہو۔ عقل سے انسان دنیا میں کچھ غور و فکر تو کر سکتا ہے مگر ایمان تو صرف محمد مجتبیٰ ﷺ کے دامن سے منسلک ہونے سے ملتا ہے۔

Marfat.com

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑩ وہ کہیں گے کاش ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔(الملک)

عقل کا تعلق دماغ سے ہے اور بصیرت کا تعلق دل ہے۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اُوست، جیسی عقل ویسا ہی تدبر وفکر ہوتا ہے۔

عقل وہ پرزہ ہے جو صرف دنیا کو سمجھنے کے لیے بنایا گیا ہے۔اس سے دین اور ایمان کو نہ پرکھو۔

عقل کی قسمیں

عقل حقیقی

اس کو منطقی لوگ عقل اول کہتے ہیں اس سے تمام عالم کا وجود ہے۔ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا۔اس عقل کو فرش والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں۔

عقل عزیزی

جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں پیدا فرمائی ہے۔اس کے ذریعے اچھے برے کام میں فرق ہوتا ہے۔اسی وجہ سے انسان جانوروں سے اعلیٰ اور ممتاز ہے۔

عقل مجازی

اللہ تعالیٰ نے یہ عقل ہر انسان کو عطا فرمائی ہے۔اس میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے۔ یہ عقل کبھی کبھی ختم بھی ہو جاتی ہے اور کبھی بداعمالیوں کی وجہ سے چھین لی جاتی ہے۔ صفائی قلب کی وجہ سے اس میں زیادتی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ فراستِ مومن کا لقب پاتی ہے۔ حلال غذا اور صحبتِ صالح اس کی غذا ہے۔حرام غذا اس کے لیے موت ہے اور زہر قاتل ہے۔ لَا يَعْقِلُوْنَ سے یہی لوگ مراد ہیں۔

عقل الہامی

بعد بلوغت یہ عقل انسان کو عطا ہوتی ہے اور لحظہ بلحظہ ملتی ہے۔اس کے ذریعے خالق اور مخلوق کے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔اس سے حق تعالیٰ کی صفتیں اور قدرتیں جانتا ہے۔

Marfat.com

اسی کے ذریعے قرآن و حدیث اشیاء عالم اور خود اپنی خلقت میں غور کرتا ہے۔ کفار اس سے محروم ہیں اور لَا یَعْقِلُوْنَ سے یہی مراد ہیں۔ (''ارشاد السالکین'' لامام بلخی)

عقل والے کون ہیں؟

یہ تو ایک عام فہم بات ہے کہ عقل والا وہ ہے جو خسارے کا سودا نہیں کرتا۔ سودا خواہ دنیا کا ہو یا آخرت کا، دونوں میں عقل مند خسارہ نہیں اٹھاتا۔ فقہ کا مسئلہ ہے کہ جو شخص اتنا بدھو ہو کہ ہر بار ہی سودے کی خرید وفروخت میں نقصان اٹھاتا ہو اس کی امامت مکروہ (یعنی ناپسندیدہ) ہے اور آخرت میں خسارے اٹھانے والا وہ شخص ہے جو کوڑیوں کے عوض ہیرے جواہرات دے دے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو دنیاوی عیش وعشرت یعنی راگ و رنگ کی خاطر نماز وروزہ جیسی عظیم عبادتوں کو چھوڑ بیٹھیں۔ چند دنیاوی ٹکوں کی خاطر آخرت کی بڑی بڑی نعمتوں کو ترک کر دیں۔ یہ لوگ عقل مند ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح انگریز لوگوں نے سٹیم انجن اور بڑی بڑی مشینیں تو ایجاد کی ہیں مگر یہ پہچان نہ سکے کہ اللہ کے نزدیک حقیقی معنوں میں صحیح مذہب کون سا ہے۔ اگر عقل مند ہوتے تو خدا کو اور اس کے پسندیدہ مذہب دین اسلام کو پہچان لیتے۔

عقل مند انسان کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ جانتا ہو کہ اگر برے کام کرے گا تو اس پر عتابِ الٰہی نازل ہوگا۔ بلیک مارکیٹ، چور بازاری، بے ایمانی کی تجارت، منافع خوری، ذخیرہ اندوزی اور دیگر گناہوں کے کام اسلام میں ممنوع ہیں اور اس کا علم ہونے کے باوجود بھی ایسے کام کرتا رہے تو یقیناً وہ عقل مند انسان نہیں ہوسکتا۔ علامہ اقبالؒ کے درج ذیل شعر کے تناظر میں اگر سوچا جائے تو ان تمام ممنوع کاموں کا کرنا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم　　که دانم مشکلاتِ لَا اِلٰه را

(جب میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں تو لرز اٹھتا ہوں کیونکہ میں لا الہ کی مشکلات کو جانتا ہوں)

(ا ج:۹۴۱)

جب ایک مسلمان دولفظی کلمہ لا الہ کا اقرار کر لیتا ہے تو وہ اپنے آپ تمام اسلامی

Marfat.com

قوانین کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے اسلام کے اوامر ونواہی کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا عقل مند آدمی وہی ہے جو اسلامی احکام کا احترام کرے اور خود کو شریعت کے قوانین کے تابع بنا لے۔ اس راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔ فقط یہ بات کہ حرام (چوری، جھوٹ، زنا، بے حیائی وغیرہ) کا ارتکاب نہ کرے اور ماموراتِ اسلام (نماز و روزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ) پر سختی سے کاربند رہے۔ یہ دونوں باتیں اتنی مشکل تو نہیں کہ انسان ان پر عمل پیرا نہیں ہوسکتا۔ صرفِ احتیاط کی ضرورت ہے مگر ان کا اجر بہت بڑا ہے۔

آخر میں ایک اور حقیقت پیش کی جاتی ہے کہ جو لوگ اپنی زندگی کو اسلامی احکام کے سپرد کر دیتے ہیں وہ نہ صرف جنت کے حقدار ہو جاتے ہیں بلکہ قبر اور حشر کے عذاب سے بھی بچ جاتے ہیں۔ ہمارے مشاہدے میں ایسے کئی واقعات آ چکے ہیں کہ اللہ کے نیک بندوں کے جسم قبر میں محفوظ رہتے ہیں اور ان کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے۔ جبکہ گنہگاروں کے جسم قبروں میں گل سڑ جاتے ہیں اور آخرت میں جہنم کی سزا کے حقدار ہو جاتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو عقلمند وہی ہے کہ جو ایسے اعمال اختیار کرے جس سے گلنے سڑنے اور جہنم کے عذاب سے بچ جائے۔

مذکورہ بالا عبادات میں عقل مند انسانوں کی پہچان کروا دی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون عقل مندوں جیسے کام کرتا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ

دنیاوی عقل کا تعلق عشق سے کیوں نہیں؟

اوپر کی روایات میں عقل کی بہت زیادہ بڑائی بیان کی گئی ہے۔ مولانا رومؒ نے (دفتر سوم ''تشبیہات رومی'' ص ۳۱۸ میں) فرمایا ہے کہ انسان محض عقل استدلالی کے ذریعے عشق الٰہی کو جاننے کی فضول کوشش کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک گھریلو مرغ نے ایک اونٹ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ زیادہ اصرار کرنے پر اونٹ مرغ کے ڈربہ کے قریب آیا اور جونہی اس پر پیر رکھا تو اس کا ڈربہ ٹوٹ گیا۔ اس سے آپ یہ ثابت کرتے ہیں کہ دنیاوی عقل عشق الٰہی یا عرفان کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ مرغ کا ڈربہ ہماری ہوش یا دنیاوی عقل کی طرح ہے، اس کے لیے ایسے مہمان کو دعوت نہ دو جو اس کا صفایا کر دے۔ عشق الٰہی کا مذہب دنیاوی عشق کے بہتر فرقوں سے الگ ہے۔ فرماتے ہیں کہ عشق کا رابطہ

Marfat.com

اللہ کی بندگی سے نہیں ہے۔ بندگی تو ذریعۂ عشق ہے۔ اصل بات تو عشق الٰہی ہے۔ غایت حیات نہیں۔ خدا کے متعلق بندگی میں اگر کوئی الجھ کر رہ جائے تو عاشقی (جو عقل سلیم عطا کرتی ہے) تو عاشقی (خدا کی محبت) اس سے روپوش ہو جاتی ہے۔ عشق کی کوئی زبان نہیں جو طرز عبادت بھی اختیار کرو گے وہ حقیقت کو بے نقاب نہ کرے گی، بجز عقل سلیم اور عشق خدا کے۔ عقل استدلالی کے متعلق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

بگذر از عقل و در آویز بہ موج یم عشق
کہ دراں جوئے تنک مایہ گہر پیدا نیست

(عقل استدلالی سے گزر اور عشق کے دریا کی موج سے ٹکرا جا کہ اس ہلکی نہر (عقل استدلالی) میں موتی نہیں)
(پ م: ۳۴۰)

علامہ اقبالؒ کے عقل پر نظریات

علامہ اقبالؒ کے خطبات میں کچھ اس قسم کا مضمون ملتا ہے کہ "ایمان محض ایک جذبہ نہیں بلکہ اس میں ایک خاص قسم کی عقل بھی پائی جاتی ہے۔ جو ایک زندہ اور پائیدار عنصر ہے۔ اسی عقلِ خصوصی سے مہاجر پرندے ہزار ہا میل کی مسافت طے کرتے اور نحل یعنی شہد کی مکھی شہد تیار کرتی ہے۔ اسلام اور یورپ نے عقل کو ہی سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ کانٹ (جرمنی) نے کہا کہ خدا کو عقل سے نہیں سمجھ سکتے مگر غزالی نے کہا کہ خدا کو وجدان کی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ مادے سے وابستگی انسان کو مادی بنا دیتی ہے اور مادہ سے بے تعلقی رہبانیت کی طرف لے جاتی ہے۔ قرآن مجید نے کہا کہ دنیا کے مظاہر آیاتِ الٰہی ہیں جن کے مطالعہ سے روح بیدار، دل زندہ اور آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ یہی عرفان گریۂ نیم شبی کے ساتھ مل کر وجدان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

وجدان

وجدان پر ہم نے ایک مکمل باب اس کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ یہاں اتنا لکھنا کافی ہے کہ اللہ نے جسم کو دو آنکھیں دی ہیں، ایک آنکھ روح کو جس کا نام وجدان ہے، یہی وہ آلۂ بصارت ہے جس کی زد میں لامکان اور صاحبِ لامکان بھی ہے۔ اسی

Marfat.com

آنکھ سے وہ مخفی ہاتھ نظر آتا ہے جو کائنات کو چلاتا ہے۔ وجدان نوعِ انسان کا ایک وسیع تجربہ ہے۔ ظاہر کی آنکھ محسوسات کو دیکھتی ہے اور باطن کی آنکھ (وجدان) خدا کو اور اس کی مخفی قدرت کو دیکھتا ہے۔ روح کو سرّ خفی اور اخفیٰ کے ذریعے نئے قسم کے تجربات و مشاہدات سے واسطہ پڑتا ہے۔

عقلِ استدلالی

علامہ اقبالؒ نے بے شمار کلام عقلِ استدلالی کے خلاف لکھا ہے کیونکہ عقل ناقص ہے اور صرف دنیا سے متعلق ہے۔ جہاں آپ نے عقل کی خامی کے متعلق اشعار لکھے ہیں وہاں آپ کی مراد اس عقل سے ہے۔

نشانِ راہ زعقل ہزار حیلہ مپرس بیا کہ عشق کمالے زیک فنی دارد

(اللہ کی راہ کا نشان اس عقل ہزار حیلہ پرست سے نہ پوچھ، آؤ کہ عشق اس ایک فن میں کمال رکھتا ہے)

رہِ عاقلی رہا کن کہ بہ اُوتواں رسیدن بہ دل نیاز مندے، بہ نگاہِ پاک بازے

(تو عقل کی راہ سے خدا تک نہیں پہنچ سکتا، مگر ایک دلِ نیاز مند سے اور نگاہِ پاک باز سے)

(پ م: ۳۲۰،۳۳۳)

عقلِ برہانی اور عقلِ نورانی

عقل برہانی: علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ عقل دو قسم کی ہے: ایک عقل برہانی جو مادیات میں الجھی ہوئی یا عالم ماوراء سے قطعاً بے خبر اور ارادت سے ناآشنا اور لذات جسمانیہ کو نہایت تگ و دو سے سمجھتی ہے اور عقل برہانی کی انتہا حیرت ہے اور ساتھ ہی مکار، حیلہ جُو، بزدل اور جھگڑالو ہے۔

عقل نورانی: دوسری عقل نورانی ہے۔ یہ عقل نورانی سوز و مستی میں غرق، نیاز و گداز اور ایمان و یقین کی امین ہے۔

Marfat.com

اک دانشِ نورانی، اک دانش بُرہانی ہے دانشِ برہانی، حیرت کی فراوانی
(ب ج:۳۱۱)

عقل نورانی اور وجدان ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ ایک کا تعلق مظاہر سے ہے اور دوسری کا قلبی واردات سے۔ اہل مغرب کے پاس نہ عقل نورانی ہے نہ وجدان اور نہ عشق، اس لیے منزل مقصود سے کوسوں دُور ہیں۔
علامہ اقبالؒ اہل مغرب کے لیے فرماتے ہیں:

جلوۂ او بے کلیم و شعلۂ اُو بے خلیل عقلِ ناپروا متاعِ عشق را غارت گر است
(ان کا جلوہ بغیر کلیم کے ہے اور شعلہ بغیر خلیل کے، ان کی لاپروا عقل متاعِ عشق کو برباد کر دیتی ہے)

عقلِ خود بیں دِگر و عقلِ جہاں بیں دِگر نیست بالِ بلبل دِگر و بازوے شاہیں دِگر است
(اپنے آپ کو دیکھنے والی عقل اور ہے اور جہاں پر نگاہ رکھنے والی عقل اور ہے، بلبل کے پر اور ہیں اور شاہیں کا بازو اور ہے) (پ م:۳۷۸، ۳۵۹)

عقل مقامِ فکر ہے، ہماری کشادِ کار فکر میں نہیں بلکہ ذِکر میں ہے۔ جو کرشمۂ عشق ہے، علم مقامِ خبر، عشق مقامِ نظر ہے۔ رازی حکمتِ قرآں کا درس تو دے سکتا ہے مگر رومیؒ و عطارؒ کی نظر عطا نہیں کرسکتا۔

مقامِ ذِکر کمالاتِ رومی و عطار مقام فکر مقاماتِ بو علی سینا
مقامِ فکر ہے پیائشِ زمان و مکاں مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ
(ض ک:۴۸۵)

زرازی حکمتِ قرآں بیاموز چراغے از چراغِ اُو بر افروز
(رازی سے قرآن پاک کی حکمت سیکھ، اس کے چراغ سے اپنا چراغ جلا)
ولے ایں نکتہ را زمن فرا گیر کہ نتواں زیستن بے مستی و سوز
(لیکن مجھ سے یہ نکتہ سمجھ لے، کہ مستی و سوز (عشق) کے بغیر زندہ نہیں رہا جا سکتا)
(ا ح:۹۵۱)

Marfat.com

عقلے کہ جہاں سوز دیک جلوۂ بے باکش — از عشق بیاموزد آئینِ جہان تابی
(عقل جس کا ایک جلوۂ بے باک دُنیا کو جلا دیتا ہے، اس نے جہان کو روشن کرنے کا طریقہ عشق سے سیکھا ہے)

عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد — از تاب و تب رومیؒ تا حیرتِ فارابیؒ
(عشق ہی ہے کہ جو تیرے دل میں ہر کیفیت پیدا کرتا ہے، رومی کی تڑپ اور چمک سے فارابی کی حیرت تک)

ایں حرفِ نشاط آور، می گویم و می رقصم — از عشق دل آساید با ایں ہمہ بے تابی
(میں یہ پرُسُرور حرف (شعر) کہتا ہوں اور رقص کرتا ہوں، کہ عشق کی ساری بے تابیوں کے باوجود دل سکون پاتا ہے) (پ م: ۳۰۳)

قلب سے مراد نورانی دل ہے

دل کو لغتِ عرب میں قلب کہتے ہیں اور اس کے حسی اور معنوی لحاظ سے متعدد معانی ہیں۔ حسی طور پر قلب سے مراد گوشت کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا ہے جو سینے کی بائیں جانب موجود ہے۔ اس کا عمل یہ ہے کہ یہ پورے جسم میں خون کو گردش میں رکھتا ہے اور ایک آن کے لیے بھی اس کی حرکت بند نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ خون کو پمپ کرنے کے لیے ہر وقت متحرک رہتا ہے اسی لیے یہ جسم کے دیگر اعضاء سے زیادہ گرم رہتا ہے بلکہ یہ سارے جسم کے لیے بمنزلہ انجن ہے اور انجن گرم ہو جائے (یعنی اعتدال سے زیادہ گرم ہو جائے) تو خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پھیپھڑوں کو دل کے لیے پنکھا بنا دیا ہے جو اسے ہوا بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ طب اور میڈیکل سائنس کی تمام تر بحث کا تعلق اسی قلب صنوبری سے ہوتا ہے۔ لیکن صوفیہ جب قلب کی بات کرتے ہیں تو ان کی مراد یہ قلب صنوبری نہیں ہوتا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ اس قلب صنوبری کے اندر ایک اور نورانی دل ہے جس کو اصلی دل کہا جاتا ہے۔ یہ گوشت کا دل اصلی دل کا گھر ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

"گوشت کا صنوبری (صنوبر چلغوزے کو کہتے ہیں اور دل بھی چلغوزے کی طرح لمبا اور گول ہوتا ہے۔ اسی لیے دل کو قلب صنوبری کہتے ہیں) ٹکڑا جو سینے کی بائیں جانب ہے اور اس میں ایک طلا ہے، اور اس طلا میں ایک سیاہ خون ہے اور وہی خون روح کا منبع

Marfat.com

اور مخزن ہے اور ہمارا مقصود یہاں اس کی شکل اور ہیئت پر بحث کرنا نہیں ہے۔ یہ بحث اطبا کے ساتھ مخصوص ہے اور اس بحث کا مقاصدِ دینیہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ قلب تو جانوروں کو بھی حاصل ہے بلکہ میت میں بھی ہوتا ہے، سو جب ہم اپنی کتاب (''احیاء علوم الدین'') میں لفظ قلب استعمال کریں تو اس سے ہماری مراد گوشت کا یہ ٹکڑا نہیں ہوگا کیونکہ اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ یہ عالم شہادت (دنیا) کی چیز ہے اس کا ادراک سر کی آنکھ سے کیا جاتا ہے۔''

قلب کی معنوی وضاحت

یہ ایک لطیفۂ ربانی ہے اور یہ روحانی چیز ہے، اس کا جسمانی دل یعنی قلبِ صنوبری کے ساتھ تعلق ہے اور یہی لطیفۂ انسان کی حقیقت ہے۔ انسان کے اندر ادراک کرنے، جاننے اور پہچاننے کی قوت یہی لطیفہ ہے اور خطاب، عتاب، عقاب اور مطالبہ کا تعلق اسی سے ہوتا ہے۔ (''احیاء علوم الدین''، ج ۳ ص ۴، نیز کتاب التعریفات للجرجانی: ص ۱۲۶)

علامہ سید محمد مرتضٰی الزبیدی لکھتے ہیں کہ بعض علمائے لغت کہتے ہیں کہ قلب کو قلب اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ہر وقت اپنی حالت بدلتا رہتا ہے اور ابن سیدہ کہتے ہیں کہ قلب سے مراد ''فواد'' ہے، علامہ لحیانی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ صاحبِ ''قاموس'' کہتے ہیں کہ قلب فواد سے خاص ہے کیونکہ یہ حقائق میں سے ایک خاص حقیقت ہے اور اس کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے:

اَتَاكُمْ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ قُلُوْبًا وَاَلْيَنُ اَفْئِدَةً	تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں جو قلوب کے لحاظ سے رقیق اور فواد کے لحاظ سے نرم ہیں۔

اس حدیث پاک میں قلوب کو رقت کے ساتھ اور فواد کو لین (نرمی) کے ساتھ متصف کیا ہے۔ اس لیے کہ قلب فواد سے مخصوص ہے اور اس بات کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ قلب سے مراد وہ سیاہ خون ہے جو دل کے اندر ہوتا ہے اور ہمارے شیخ نے کہا کہ بعض کا قول ہے کہ فواد، قلب کا برتن ہے اور قلب کو عقل سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام فراء نے ''اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ'' (ق: ۳۷) (بے شک اس میں نصیحت ہے

Marfat.com

اس کے لیے جو دل (بینا) رکھتا ہو) میں قلب سے مراد عقل لی ہے۔ (تاج العروس: ج ۲)

علامہ زبیدی کی بیان کردہ یہ بات کہ قلب بول کر عقل مراد لی جاتی ہے، ہم اس کی توضیح مشہور محقق علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کی تحریر میں پیش کر رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں عقل اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے، دماغ کی طرف نہیں کی گئی، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ عرف اور ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے اور روزمرہ کی گفتگو، عرف، محاورات اور ادبی زبان میں علم و ادراک، سوچ و بچار، احساسات، جذبات و خیالات بلکہ تقریباً دماغ کے تمام افعال کو سینے اور دل کی طرف کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ جب کوئی چیز یاد آئے تو کہتے ہیں کہ وہ تو میرے سینے میں موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا، میرا دل یہ کہتا ہے کہ میرا دل اس کو نہیں مانتا، حالانکہ دل تو صرف خون پمپ کرنے کا ایک آلہ ہے۔ سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی پڑھے لکھے ادیب اور سائنس دان اپنی گفتگو میں الفت و محبت اور علوم و ادراک کی نسبت دل کی طرف کرتے ہیں۔ دماغ کی طرف نہیں کرتے۔''

قرآن مجید میں عام لوگوں کے عرف اور محاورے کے مطابق خطاب ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً'' اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا (البقرہ: ۲۲)، حالانکہ یہ پانی بخارات کی صورت میں زمین سے اوپر جاتا ہے اور بارش کی صورت میں نازل ہوتا ہے لیکن چونکہ عرف اور محاورے میں کہا جاتا ہے کہ آسمان سے بارش ہوئی، اس لیے اس عرف کے مطابق ارشاد فرمایا۔ نیز ایک اور مقام پر ارشاد ہے: ''حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ'' یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے تو انہوں نے اس (سورج) کو سیاہ دلدل کے چشمے میں غروب ہوتا ہوا دیکھا۔ (الکہف: ۸۶) حالانکہ عقل اور سائنس کے نزدیک سورج کبھی غروب نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ اپنے مدار میں گھومتا رہتا ہے اور یہ تو بالکل بدیہی بات ہے کہ سورج چشمہ میں غروب نہیں ہو سکتا۔ لیکن عرف میں ایسا ہی کہتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں ''سورج پہاڑ کے پیچھے ڈوب گیا'' اسی طرح عرف کے مطابق عقل کی جگہ قلب بول دیا گیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم: ج ۴، ص ۴۱۴)

Marfat.com

غور وفکر کی اضافت قلب کی طرف کرنا حقیقت ہے، مجاز نہیں

مشہور حدیث ہے کہ سیدِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ

سنو! بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ یاد رکھو! گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۰۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹۹)

اس حدیث میں قلب کو مضغہ کہا گیا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ (گوشت کا ٹکڑا) عقل نہیں، دل ہی ہو سکتا ہے۔ بہر کیف قلب بول کر عقل مراد لی گئی ہو تب بھی بات سمجھ آ سکتی ہے۔ کیونکہ قلب تمام جسم انسانی کا بادشاہ ہے۔ قلب اگر دماغ کی طرف خون سپلائی نہ کرے تو دماغ میں عقل کام کرنا چھوڑ دے گی۔ یہاں ایک لطیف نکتہ ذہن میں آ رہا ہے جسے ہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

بڑھاپے میں ارذل العمر کا ہونا ہر ایک کے لیے نہیں کہا گیا

درج ذیل قرآن کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام لوگوں کا قانون عام لوگوں کے لیے ہے لیکن عبادت گزار اور خواص کے لیے لچک ہے۔ اہل ایمان، صاحبِ قرآن، صاحبِ عمل کے پیکر حضرات ارذل العمر کی حالت سے مستثنیٰ رہتے ہیں۔

اس معاملے کو ایسے سمجھا جا سکتا ہے کہ غور وفکر اور سوچ و تدبر دل کا نہیں عقل کا کام ہے لیکن جب انسان کفر و شرک اور معصیت و غوایت اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے تو قلب کا عقل پر صحیح کنٹرول ہو جائے اور وہ اس کے تعاقب میں لگ جائیں اور یہ بھاگ کر کسی جگہ پناہ لے لے تو ایسی صورت حال میں اس کے قلب کی دھڑکن بہت تیز ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے عقل بھی کما حقہٗ اپنی صلاحیتیں بروئے کار نہیں لا سکتی۔ اسی طرح جو لوگ قوانین فطرت کے خلاف زندگی گزارتے ہیں تو وہ ایک نامعلوم خوف، اضطراب، بے چینی

Marfat.com

اور بے سکونی کی کیفیت میں مبتلا رہتے ہیں، اسی لیے ان کا قلب اس مسلسل پریشانی کے باعث دماغ کو خالص مواد فراہم نہیں کر پاتا یہاں تک کہ ان کے دماغ میں عقل کی کارکردگی ماند پڑنے لگتی ہے۔ بالآخر ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ (النحل: ۷۰)

اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تمہیں، پھر جان قبض کرے گا تمہاری اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف تاکہ وہ کچھ نہ جانے جان لینے کے بعد۔

سورۃ الحج کی آیت نمبر ۵ میں اور سورۃ یٰسین میں بھی یہی مضمون ہے۔ مگر اہل ایمان، صاحبان قرآن اور اعمال صالحہ کے پیکر حضرات ارذل العمر کی اس حالت سے مستثنیٰ رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عطا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ خلل کامل مسلمانوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ مسلمان کی عمر جوں جوں بڑھتی ہے اسی قدر وہ رب کی بارگاہ میں عزت اور معرفت میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ اہل قرآن کو بے عقلی کی عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا کہ وہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے اور اس کی تائید اس فرمانِ الٰہی سے ہوتی ہے:

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (والتین: ۵ اور ۶)

پھر ہم نے اسے (انسان کو) نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے (یعنی جنہوں نے قرآن پڑھا)

(شعب الایمان للبیہقی: ج ۲، ص ۵۵۶، زادالمسیر لابن الجوزی: ج ۴، ص ۳۵۶، الفتوحات الالٰہیہ ج ۴ ص ۲۴۷)

حضرت عبدالمالک بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے دور میں کہا جاتا تھا کہ تمام لوگوں سے بڑھ کر بقائے عقل قرآن پڑھنے والے لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

(شعب الایمان، ج ۲ ص ۵۵۶)

ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ

Marfat.com

مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ مَتَّعَ اللّٰهُ بِعَقْلِهٖ حَتّٰى يَمُوْتَ	جو شخص قرآن پاک کی بکثرت تلاوت کرے (یا قرآن حفظ کرے) اللہ تعالیٰ اسے مرتے دم تک اس کی عقل سے نفع دے گا۔

(جامع صغیر، رقم الحدیث: ۸۶۲۰)

قرآن مجید پر عمل پیرا حضرات ہی کامل مومنین ہیں۔ یہ حضرات چونکہ محرکات اور ممنوعات سے بچتے ہیں اور حلال ہی تک خود کو محدود رکھتے ہیں اور اپنے بدن کو حرام خوری سے محفوظ رکھتے ہیں اس لیے ان کا قلب اعتدال پر قائم رہتا ہے اور دماغ کو صحیح مواد فراہم کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کی عقل تاحیات قائم رہتی ہے۔

ہمارے اس استدلال کی تائید متذکرہ بالا حدیث کے پہلے حصہ سے ہوتی ہے۔ یہاں ہم مکمل حدیث کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ امام مسلم لکھتے ہیں "حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے اپنی دو انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں جن کا بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہے، سو جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا اور جس شخص نے امور مشتبہ کو اختیار کر لیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔ جس طرح کوئی شخص کسی چراگاہ کی حدود کے گرد جانور چرائے تو قریب ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں بھی چر لیں۔ سنو! ہر بادشاہ کی چراگاہ کی ایک حد ہوتی ہے اور یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی حدود اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور سنو! جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے۔ اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو وہ گوشت کا ٹکڑا قلب ہے۔" (متفق علیہ)

خود غور فرمایئے! حلال و حرام اور مشتبہ امور کے بیان کے بعد قلب کے ذکر کرنے میں آخر کیا حکمت ہے؟ یقیناً وہی کہ اگر حرام اور مشتبہ چیزوں سے نہیں بچو گے تو قلب فساد کا شکار ہو جائے گا اور قلب کے فساد کا اثر پورے جسم کے ساتھ عقل پر بھی پڑے گا۔ پھر حدیث پاک کے یہ الفاظ نہایت غور طلب ہیں۔ "سو جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا" انسان اپنے اندر یا اپنے گرد و پیش کے ان لوگوں پر نظر کرے جو حرام خوری سے، مشتبہات اور ممنوعات سے نہیں بچتے، ان کی عزتیں

Marfat.com

کس طرح پامال ہوتی ہیں۔ خدا کی پناہ بعض ایسے گھرانے جن کی روزی حلال ذرائع سے نہیں ہوتی ہم نے ان کا مشاہدہ کیا ہے کہ ان کی عزتیں پامال ہوتی رہتی ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا کیونکہ ضمیر مردہ ہو چکا ہوتا ہے اور ضمیر اس لیے مردہ ہو چکا ہوتا ہے کہ قلب کو خالص خون فراہم نہیں ہوتا اور قلب کو خالص خون کیونکر فراہم ہو سکتا ہے۔ جب جسم میں حلال پہنچایا ہی نہیں گیا۔

ایسے ہی لوگ پھر آہستہ آہستہ پورے معاشرے کے لیے دردِ سر بن جاتے ہیں اور جو جتنا حرام خوری اور حرام کاری کا مرتکب ہوگا وہ اتنا ہی بے عقل ہوگا اور پھر جس قدر بے عقلی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اسی قدر حیوانیت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا حتیٰ کہ انسان درندہ بن جائے گا، ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن نے ارشاد فرمایا:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ یہ لوگ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ (الاعراف:۱۷۹)

یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے لیے درندہ بن جائے۔ اس تفصیل کے بعد آپ سے گزارش ہے کہ آپ سورۃ التین کی آیت نمبر ۵ کی تفسیر ''ضیاء القرآن میں'' ملاحظہ فرمائیں۔ آپ پر واضح ہو جائے گا کہ قرآن وسنت سے روگردانی کرنے والے اور ممنوعات ومحرمات کے مرتکب ہونے والے لوگ کس طرح عقل سے پیدل ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نفس کی ناجائز خواہشات کی تکمیل کرنے سے قلب پر نہایت برا اثر ہوتا ہے۔ ایک حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ کر لے اور اس گناہ سے باز آ جائے تو قلب صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ بار بار گناہ کرتا رہے تو وہ نقطہ بڑھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ پورے قلب پر چھا جاتا ہے۔ یہ وہی نقطہ ہے جسے قرآن نے ''رَیْن'' کہا ہے۔ (مشکوۃ شریف، رقم الحدیث: ۲۲۳۳)

Marfat.com

باب ۱۸

وہ نماز جس کے لیے کہا جاتا ہے: تجھے کیا ملے گا نماز میں؟

ایک حدیث شریف (بخاری شریف) میں ہے کہ بہت سے نمازی ایسے ہیں کہ نماز ان کے چہرے پر ماردی جاتی ہے یعنی وہ قبول نہیں کی جاتی۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر اختیار کرتا ہے جس کے پراگندہ اور غبار آلود بال ہوں اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے پروردگار، حالانکہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام اور حرام ہی میں پرورش کیا گیا ہے۔ پھر اس کی دعا کیسے قبول ہوگی (مشکوۃ نمبر ۲۶۴۰)۔ ایسے ہی ظاہری حالت کے متعلق مولانا رومیؒ نے لکھا ہے کہ اندھے شخص کی امامت جائز نہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ (یہ کراہت اس لیے ہے کہ کپڑوں کی نجاست کا اندھے کو علم نہیں ہوسکتا) آپ اس بات سے استدلال قائم کرتے ہیں کہ جب ظاہری نجاست کا یہ حکم ہے تو باطن کی نجاست تو

Marfat.com

اس سے بھی زیادہ خطرناک اور قابلِ کراہت ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کی امامت تو بدرجہ اولیٰ ناجائز ہے۔ یہی وجہ ہے علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے" ایسے امام سے بھی گزر اور ایسی نماز سے بھی گزر۔"

حضرت حسن بصریؒ کی روایت کے مطابق جب مسلمان نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو فرشتے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی گھٹا بن کر چھا جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نمازیوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ مگر جب انسان دنیا کی چیزوں کی طرف دھیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نمازی کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔ ایسے آدمی کی نماز تو ہو ہی جاتی ہے اس پر بہت کم اجر ملتا ہے۔ ایسے میں جو لوگ ہر وقت دنیاوی خیالات کے پیچھے لگ جائیں تو ان کی نماز کہاں رہتی ہے۔ یہ کیفیت جو درج ذیل اشعار میں دی گئی ہے، وہ ایسے مسلمانوں کی نماز سے تعلق رکھتی ہے۔

تُو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں
نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں
جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

(ب د:۲۸۱)

طائرکِ بلند بال، دانہ و دام سے گزر

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اے خدا! تیرے بندوں کے لیے ہر طرف مشکلات و پریشانیوں اور مصائب کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ بس یہ تیری ہی ذات ہے جو ہم کو ان پریشانیوں سے بچا سکے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ انسان بلند پرواز پرندہ ہے جس کی نظر

Marfat.com

سدرۃ المنتہیٰ سے بھی اوپر جاتی ہے مگر یہ بات افسوس ناک ہے کہ وہ دنیا کے مصائب اور پریشانیوں میں کھویا ہوا ہے اور اپنی نماز اور دیگر عبادات کا رنگ ضائع کر دیتا ہے۔ مسلمان کا دنیا کی ان تمام دل فریبیوں میں الجھنا ایسے ہے جیسے ہیرے اور موتی چھوڑ کر اس نے کوڑیوں پر قناعت کر لی ہو۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی ہمت کو بلندی کی طرف ہی مرکوز رکھے۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں

علامہ اقبالؒ نے یہاں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اگرچہ گرم جوش ہیں لیکن گرم جوشی اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت آئے اور ان کو جھنجھوڑے یا جوش ایمان سے کوئی ان کو للکار دے تو یہ بڑے سے بڑے کام پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے بعد نفسانی قوتیں ان کو پھر سے سلا دیتی ہیں۔ جب کبھی کوئی مشکل وقت آ جائے تو اللہ اللہ کرنے لگتے ہیں لیکن یہ رونا عارضی نظر آتا ہے اور ان کا دل پرانا پاپی ہونے کے باعث ٹس سے مس نہیں ہوتا۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا
تری آنکھیں تر ہو جاتی ہیں، پر کیا لذت اس رونے میں
جب خونِ جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا
(ب د:۲۹۱)

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا، تو بھی نمازی میں بھی نمازی

جہاں امارت آ جائے وہاں دین کی لگن اور تڑپ سرد پڑ جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے مسلمانوں سے صرف اس بات کا خطرہ ہے کہ جب ان کے دلوں میں دولت کی محبت آ گئی اور موت سے ڈرنے لگے تو ان کو زوال آ سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کا دل دین کی محبت سے سرد ہو گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ اس بات کو اجاگر کرتے ہیں کہ جو لوگ نمازی ہیں ان کا دل بھی اسلام سے بہت دور ہے۔ نمازیں پڑھ کر

Marfat.com

جھوٹ بولنا، غلط بیانی سے روپیہ پیسہ جمع کرنا، یہ سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ مسلمان اسلام پر پابند ہو کر بھی اسلام سے دور ہے۔

''جس معرکے میں مُلّا ہوں غازی'' سے مراد ہے کہ جو کام ان کے سپرد کر دیا جائے تو وہ اپنے دل کی مراد پر اس کو چلاتے ہیں نہ کہ اسلام کی خاطر قربانیاں دیتے ہیں۔ ایسے جذبے سے کیا فائدہ کہ جو بے روح اسلام کہلاتا ہے اور مسلمان خود مسلمان ہو کر پھر اسلام کو فروغ نہیں دے سکتے کیونکہ ان کے دلوں سے خلوص مفقود ہو چکا ہے۔

روشن ہے جامِ جمشید اب تک — شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی!
دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا — تو بھی نمازی، میں بھی نمازی!
میں جانتا ہوں انجام اس کا — جس معرکے میں مُلّا ہوں غازی!
(ب ج: ۳۶۳)

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

جن مسلمانوں کو امامت کا منصب سونپا جاتا ہے وہ عموماً اپنے فرائض کی انجام دہی میں ریاکاری سے کام لیتے ہیں۔ امامت تو کیا جس دینی فریضے کی ادائیگی کے لیے لوگ تعینات کیے جاتے ہیں وہ نہایت بددلی سے اس کام کو کرتے ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ: ''صفیں کج، دل پریشاں، سجدے بے ذوق، کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان دنیا کی دوڑ میں دنیا کی سب قوموں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس بددلی کی مثال علامہ اقبالؒ ''ضرب کلیم'' میں 'غلاموں کی نماز' کے عنوان سے فرماتے ہیں کہ ایک ترکی مجاہد ہندوستان میں آیا تو اس نے مسجد میں نماز پڑھی۔ اس نے نوٹ کیا کہ یہاں کے امام نماز کو بہت طویل کرتے ہیں کیونکہ ان کو اپنی ڈیوٹی کے اوقات پورے کرنے کے لیے مسجد میں ہر حال میں ٹھہرنا ہے اس لیے وہ لوگوں کے وقت کا خیال نہیں کرتے اور سجدوں کو لمبا کر دیتے ہیں۔ علامہؒ نے فرمایا:

Marfat.com

کہا مجاہدِ ترکی نے مجھ سے بعدِ نماز
طویل سجدہ ہیں کیوں اس قدر تمہارے امام؟
وہ سادہ مردِ مجاہد، وہ مومن آزاد
خبر نہ تھی اسے کیا چیز ہے نمازِ غلام
طویل سجدہ اگر ہیں تو کیا تعجب ہے
ورائے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام
خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام
(ض ک: ۶۲۰)

ایک اور مقام پر حضرت علامہؒ نے فرمایا کہ ہمارے اکثر امام محض دو رکعت کے امام ہیں ان کو قوموں کی امامت کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام!
(ض ک: ۴۸۷)

Marfat.com

باب ۱۹

نکتۂ غیب و حضور

(کردار سازی اور عبادات کا انحصار حضورِ قلب پر ہے)

نکتۂ غیب و حضور۔

حضورِ قلب میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بھی انسان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اپنے انعامات سے سرفراز کرتا ہے۔ ایسا ہو تو انسان میں اللہ تعالیٰ کا فیضان وارد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور جس سے اس کی شخصیت میں ایک بے مثل کمال و جمال پیدا ہو جاتا ہے اور اسرارِ الٰہی کا سمندر اس پر کھلنے لگتا ہے جو موت کے بعد بھی مومن کو حاصل ہوتا ہے۔

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے!
(ض ک:۵۲۶)

دل حضور کا نشیمن ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے نور

Marfat.com

سے نوازا ہے جس کے باعث اس میں بہت سی خوبیاں اور صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان صلاحیتوں کے باعث اس کے لیے غیب کی باتیں سامنے آ جاتی ہیں یعنی اس کے لیے غیب بھی حاضر ہو جاتا ہے۔ اس عطا سے دل میں نار کی آمیزش سے برہان یا دلیل کی خوبی مل جاتی ہے اور کبھی نورِ وحی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ نور اس کی روح کو چمکا دیتا ہے اور اس نور کی ایک شعاع پورے آفتاب کی تمازت سے بڑھ کر روشن ہے۔ اس کی فکر مکانی ہونے کے باوجود لامکان تک پہنچتی ہے۔ ایسا انسان روز و شب میں گرفتار ہونے کے باوجود مکان اور زمان سے آگے نکل جاتا ہے۔ اس کی فکر بلند مقاصد تک پہنچتی ہے اور بہت سے تصرفات کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہی نکتۂ غیب و حضور ہے۔

درونِ سینۂ آدم چہ نور است! چہ نور است ایں کہ غیبِ اُو حضور است

(آدم کے سینے میں یہ کیا نور ہے کہ اس کے لیے غیب بھی حاضر ہو جاتا ہے)

من اُو را ثابت و سیار دیدم من اُو را نور دیدم نار دیدم!

(میں اسے جامد بھی دیکھتا ہوں اور متحرک بھی، مجھے اس میں نور بھی نظر آتا ہے اور نار بھی)

گہے نارش ز برہان و دلیل است گہے نورش ز جانِ جبرئیل است

(کبھی برہان اور دلیل اس کی نار بن جاتی ہے۔ کبھی وہ وحی جبرئیل سے نور حاصل کرتا ہے)

چہ نورے جاں فروزے سینہ تابے نیرزد باشعاعش آفتابے

(یہ کیا نور ہے جو سینے کو چمکا دیتا ہے، جو روح کو چمکا دیتا ہے اور سینے میں گرمی پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی ایک شعاع سورج سے زیادہ ہے)

بخاک آلودہ و پاک از مکان است بہ بندِ روز و شب پاک از زمان است

(یہ فکر مکانی ہونے کے باوجود مکان سے آزاد ہے۔ یہ روز و شب کے بندھن میں ہوتے ہوئے ماورائے زمان ہے) (زع: ۵۴۰)

حضرت علی الہجویریؒ "کشف المحجوب" میں فرماتے ہیں، حضور کا متضاد غائب ہے اور حضور سے مراد حضورِ دل ہے کہ یہ یقین کے ساتھ حاضر ہو۔ تصوف میں غَیبت سے مراد دل کی غیوبیت ہے یعنی غیر اللہ سے اس طرح غائب ہو کر خود کو غائب کر دے، اور اس کی علامت یہ ہے، رسم و رواج سے روگرداں ہو جائے یعنی رسمی طریقوں کو چھوڑ کر حقیقی طریقوں

Marfat.com

کی طرف آ جائے۔ مقصود یہ ہے کہ طالب اس طرح اپنے سے غائب ہو کر حضورِ حق میں حاضر ہو گا کہ وہ خود سے لازمی غائب ہو گا۔ اس کے دل کا مالک حق تعالیٰ ہے۔ جب حق تعالیٰ کی کشش طالب کو مقہور کر لے تو غیبت دل حضور کی طرح ہوتی ہے۔ اس حالت میں طالب کی کوئی حرکت یا فعل اس کی اپنی جانب منسوب ہونا منقطع ہو جاتا ہے۔ اور یہی معنی سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۹۴ میں موجود ہے جس کا ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

''اور بے شک آ گئے ہو تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ تنہا پیدا فرمایا۔''

گویا ایسی حالت میں حاضر ہونا حضور ہے۔

حضرت علی الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ جو اپنے آپ سے غائب نہیں وہ حاضر بحق نہیں ہو سکتا اور جو حق میں حاضر ہے وہ یقیناً غائب ہے۔ آپ فرماتے ہیں جنیدؒ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک وقت ہم پر ایسا ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان والے میری حیرت پر روتے ہیں پھر وہ وقت آیا کہ مجھے ان کی غیبت پر رونا پڑا، اور نہ ہی مجھے ان کی خبر ہوتی ہے نہ اپنی۔ یہ حضور کی طرف عمدہ اشارہ ہے۔

حضرت علی الہجویریؒ نے فرمایا کہ اپنی ذات سے غائب ہونا حضورِ حق کی راہ ہے۔ اگر منزل پر پہنچ جائے یعنی حضور حاصل ہو جائے تو راہ درکار نہیں۔ غیبت کا حاصل حضور ہے اور غیبت بے حضور بے کار ہے۔ غیبت حضور کے لیے ذریعہ ہے اور حصولِ مقصد کے بعد ذریعہ کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ (خود بخود حضور ہو جاتا ہے) فرماتے ہیں کہ غائب وہ نہیں جو اپنے شہر سے غائب ہو بلکہ غائب وہ ہے جو اپنی ہر آرزو سے غائب ہو۔ حاضر وہ نہیں جس کی کوئی آرزو نہ ہو بلکہ حاضر وہ ہے جس کے دل میں دورنگی نہ ہو اور اس کی آرزو فقط ذاتِ باری تعالیٰ ہو۔

کردار سازی

عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور نیت کی درستی کا دل سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ایک حدیث پاک کے مطابق اگر قلب کی اصلاح ہو جائے تو پورے بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ بدن کی اصلاح سے اعمال اور کردار میں ایک انوکھا رنگ پایا جاتا ہے جس سے انسان

Marfat.com

کے اعمال کا معیار بلند ہو جاتا ہے۔نفسانی اور روحانی مریضوں کے اعمال اور کردار میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا کسی صحت مند عامل اور بیمار عامل کی صحت میں فرق ہوتا ہو۔ روحانی اعمال بھی قلبِ سلیم اور ارادت کی عظیم پیداوار ہیں۔ نیک روح کے اعمال بھی نیکی سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ بدروح انسان کے اعمال اس کی روح کی گراوٹ سے منتج ہوتے ہیں۔

رنگِ عبادت

عبادت کا گہرا تعلق حضورِ قلب سے منسلک ہے۔ وہ اعمال جو حضورِ قلب کے ہوتے ہوئے سرزد ہوتے ہیں وہ کسی بے حضور انسان سے سرزد نہیں ہو سکتے۔ اس سلسلے میں ایک باب ''باجھ حضوری نئیں منظوری'' کے عنوان سے اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جس سے حضورقلب کی نماز کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ عبادت جو حضورِ قلب سے ادا کی جائے اس کا منظور ہونا ممکن نہیں۔

حضورِ قلب کیا ہے؟

حضورِ قلب عام لوگوں کو کبھی کبھی اور خواص کو اکثر اور خاص الخاص لوگوں کو ہر وقت حاصل رہتا ہے۔ ہر ایک کیفیت ہے جسے باقی کیفیات کی طرح بیان کرنا ممکن نہیں۔ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ حضورِ قلب میں خدا تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کا قرب محسوس ہوتا ہے۔ اس قرب کی تجلیات حاصل ہو جانے پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس میں کام کرنے کا جوش و ولولہ، عشق، جذبہ، محبت، امنگ، سرور کی ملی جلی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر حضورِ قلب حاصل ہو جائے تو کچھ دیر بعد سالک کو مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے اور چیزوں کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں جو اپنے آپ سے غائب ہو گا وہ لامحالہ حق تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو گا۔ حضوری والے کو خود اپنا پتہ نہیں ہوتا۔ حضور یا حضوری کے معانی قلب کا مخلوق سے ہٹ کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی طرح حاضر ہونا ہوتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ دل و دماغ میں نہ ہو۔ اسے مقام وحدت بھی کہتے ہیں۔ ایک

Marfat.com

صوفی کا قول ہے کہ جب حق ظاہر ہو جائے، مخلوق فنا ہو جائے، حواس جاتے رہیں، اخلاص مٹ جائے تو مشاہدۂ حق شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوالحسن نوری فرماتے ہیں: ''جب میں غائب ہوتا ہوں تب وہ (اللہ) ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ظاہر ہوتا ہے تو مجھے غائب کر دیتا ہے''۔ حضرت داتا گنج بخش نے فرمایا کہ خالص یقین کے ساتھ قلب کا اس غائب کے لیے حاضر رہنا اعیان (آنکھ ناک وغیرہ) سے غائب ہونا حضور کہلاتا ہے۔ اگر سالک کو اس طرح کی کیفیت حاصل ہو تو غائب بھی اس کے لیے حاضر کی مانند ہو جاتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اس بات کے متعلق مختلف مقامات پر لکھا ہے کہ اگر دل میں آہ و زاری ذوق وشوق اور اپنا مقصود حاصل کرنے کی پُر اضطراب لگن پیدا نہ کی جائے تو مقصود کا حاصل ہونا بہت دُور کی بات ہو گی جو لوگ اللہ کے حضور میں خود کو آتشِ عشق سے پگھلا دیتے ہیں وہ ہی ذاتِ باری تعالیٰ کا سراغ لگا سکتے ہیں۔

حضور یہ ہے کہ اپنے سینے کو اپنی منزل بنایا جائے

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ اہل اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے اندر ہی دیکھتے ہیں، حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے ہم آئینہ داری کرتے رہے ہیں اور ہمارے آئینے نے کبھی غلطی نہیں کی۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اولیائے کرام جو کچھ بھی دیکھتے ہیں وہ اس نور کے باعث دیکھتے ہیں جسے نورِ فراست کہا جاتا ہے اور یہ نور اللہ کی طرف سے ایک عطا ہوتی ہے جو عموماً ان لوگوں کو ملتی ہے جو خود کو مجاہدات سے مزین کرتے ہیں جس کے باعث ان پر حضورِ قلب کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اسی بات کو یوں فرمایا ہے کہ تم اپنی ہی طرف رجوع کرو اور ہمہ وقت (جب تم کاروبارِ حیات سے فارغ رہتے ہو) اپنے سینے کو اپنی منزل بنالو۔ فرماتے ہیں کہ یہ سینہ بھی کھیتی کی طرح ہے۔ اس کھیتی کو میں نے تیار کر کے حضورِ قلب کا بیج ڈال دیا ہے۔ اب اس کی پیداوار کو تم خود کاٹو۔

بخود باز آ و دامانِ دلے گیر درون سینۂ خود منزلے گیر

(تم اپنی ہی طرف رجوع کرو اور اپنے دل کا دامن تھام لو اور اپنے سینے کو ہی اپنی منزل بنالو)

Marfat.com

بدہ ایں کشت را خونابۂ خویش فشاندم دانہ من تو حاصلے گیر!
(اس دل کی کھیتی کو اپنے خون سے سینچ، دانہ تو میں نے (کھیتی میں) ڈال دیا ہے اب پیداوار کو تُو سمیٹ) (ا ح:۹۸۶)

علامہ اقبالؒ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مجاہدات میں قدم رکھنا تو بڑے بڑے اولیاء کا کام ہے۔ بایزیدؒ اور جنیدؒ کی طرح مجاہدات کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ایسے مجاہدات کی طاقت نہ تُو رکھتا ہے اور نہ میں، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اگر ہم دل میں چھپے ہوئے چراغ کی حفاظت کر لیں تو اتنا کام کرنے سے ہی ہم کو نورِ فراست عطا ہو سکتا ہے اور یہ حضورِ قلب کی طرف آپ کا لطیف اشارہ ہے۔

نماز میں خشوع وخضوع ذاتی محنت ومجاہدہ پر منحصر ہے

مذکورہ حدیث میں اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ لوگوں کے اعمال ان کی عقل اور شخصیت کے مطابق ہوتے ہیں، چنانچہ کسی کی نماز کا اچھا یا بہت اچھا ہونا اس کی شخصیت پر منحصر ہے۔ حضرت جنیدؒ اور بایزید بسطامیؒ کی نمازوں اور دین میں کمال حاصل کرنے کی مثال دی جاتی ہے کیونکہ ان حضرات نے ابتدائے عمر سے اخیر تک نہایت محنت، مشقت اور جانفشانی سے دین کو سیکھا اور پھر اس کے احکامات پر عمل کیا۔ ان کے مقابلے میں اگر آج کسی نوجوان کو دیکھا جائے تو دونوں کے دین میں بے تحاشا فرق نظر آئے گا۔ یہ اس لیے کہ آج کا آزاد جوان جو بھول کر بھی دین کا کوئی حرف سیکھنا پسند نہیں کرتا وہ جنیدؒ اور بایزید بسطامیؒ کی نماز کہاں اور کب سیکھنے کے لیے تیار ہوگا۔ اگر وہ نماز پڑھے تو بمشکل نماز کی صورت ہی بنائے گا۔ حقیقی نماز پڑھنے کی توفیق تو خال خال ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہم نماز کو نماز کے طور پر ہی ادا کرنا چاہتے ہیں تو نماز کے آداب سیکھنے ہوں گے۔ اس سلسلے میں یہاں ضرورت سے زیادہ تفصیل دے دی گئی ہے، اس کا مطالعہ کریں، اس کے خلاصے کو ذہن میں رکھیں بلکہ ایک کاپی میں اس کے لطیف اشارات کو یادداشت کی صورت میں اختصار سے لکھ لیں۔ انہیں بار بار پڑھیں اور اپنائیں۔ اگر کمی رہ جائے تو اس وقت تک کوشش کو نہ چھوڑیں جب تک نماز میں وہ تمام

Marfat.com

باتیں پیدا نہ ہو جائیں جو اس کتاب میں مذکور ہیں۔ اس کے دسویں یا بیسویں حصے پر راضی نہیں ہونا چاہیے بلکہ مکمل طور پر اپنانے کی کوشش کریں، خواہ قسطوں میں ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مواد جو دیا جا رہا ہے برسوں کی محنت سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اسے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ وَمَا التَّوْفِيْقُ اِلَّا بِاللّٰهِ

حضرت سہیل بن عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ بندہ تکمیل فرائض کے لیے سنتوں کا محتاج ہے۔ (فرض میں کمی سنتوں کی ادائیگی سے پوری کی جاتی ہے) اور تکمیلِ سنت کے لیے نوافل کا اور نوافل کی تکمیل کے لیے آداب کا محتاج ہے اور ادب میں ایک چیز ترک دنیا ہے۔ جب تک نماز میں دنیا کے خیالات ترک نہ کرے اس کے آداب پورے نہیں ہوتے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک خلاصہ ہوتا ہے اور برگزیدہ ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ ایسے ہی نماز کا ''صفوہ'' تکبیرِ اولیٰ ہے کیونکہ وہ محلِ نیت ہے۔

ابو نصر سراجؒ نے حضرت سالمؒ سے سنا کہ نیت اللہ کی طرف سے اور اللہ کے واسطے ہوتی ہے اور وہ آفتیں جو نماز میں نیت کے بعد آئیں اگرچہ کتنی ہی زیادہ ہوں نیت کے برابر نہیں ہو سکتیں، چنانچہ بزرگوں نے فرمایا کہ خشوع اگر بوقت نیت موجود ہے تو تمام نماز خشوع میں شمار ہو گی اور اگر بعد میں کچھ وسوسے آئیں تو نمازی معذور تصور کیا جائے گا۔

خشوع کا معنی و مفہوم

''لسان العرب'' میں خشوع کا معنی بدن کا جھکا ہوا ہونا، آواز کا پست ہونا، آنکھیں نیچی ہونا، خدا کے سامنے ہر ادا سے عاجزی، بیچارگی، افتادگی، مسکنت، ذلت اور تواضع کا ظاہر ہونا ہے اور یہی نماز کا اصل مقصود ہے۔

لسانِ فقہ میں خشوع کے معنی دب جانا، عاجزی سے جھک جانا، دل و دماغ اور سب کچھ خدا کے حضور جھکا ہوا ہونا، دل میں خدا کی ہیبت چھائی ہونا اور ماسویٰ پر گزر نہ ہونا بھی شامل ہے۔

مولانا مودودی نے فرمایا دل کا خشوع یہ ہے کہ آدمی کسی کی ہیبت یا عظمت سے مرعوب ہو اور جسم کا خشوع یہ ہے کہ جب اس کے سامنے جائے تو سر جھک جائے، اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں جیسے کوئی کسی زبردست اور باجبروت ہستی کے حضور میں پیش ہو رہا ہو۔

Marfat.com

حضور ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں داڑھی سے کھیلتا ہوا دیکھا تو فرمایا لَوْ خَشَعَ قَلْبُهٗ خَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ (السلسة الضعیفة للالبانی: ١١٠ ٢، درمنثور ج ۴، ص ۵) یعنی اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو جسم میں خشوع ہوتا۔ حضرت عمرؓ اگر کسی کو نماز میں گردن لٹکائے ہوئے دیکھتے تو اسے کوڑا مارتے اور فرماتے "تیرا بھلا ہو خشوع تو دل میں ہوتا ہے۔" علامہؒ فرماتے ہیں:

آہ! وہ دل کہ ناصبور نہیں! ناصبوری ہے زندگی دل کی
زندہ ہو تُو تو بے حضور نہیں بے حضوری ہے تری موت کا راز
(ب ج: ۳۳۵)

شیخ عبد القادر جیلانیؒ "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں کہ عجز و انکسار، خوف و خشیت الٰہی، رغبت اور شوق سے نماز ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے، نماز کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور مناجات کے لیے پڑھنا چاہیے۔ دورانِ رکوع و سجود یہ جانے کہ میں اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں، نماز قابل قبول ہوگی یا نہ ہوگی، اس نماز کے بعد زندہ رہوں گا یا شاید یہ زندگی کی آخری نماز ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو نماز خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھی جاتی ہے آسمان کے دروازے اس کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ نماز بہت نورانی ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے لوگوں کی نمازوں میں سے خشوع اٹھایا جائے گا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ خالص یقین کے ساتھ قلب کا اس غائب کے لیے حاضر رہنا جو اس کی اعیان (یعنی آنکھ، ناک وغیرہ) سے غائب ہو، حضور کہلاتا ہے۔ اگر سالک کو اس طرح کی کیفیت حاصل ہو تو غائب بھی اس کے لیے حاضر کی مانند ہو جاتا ہے۔

کیا گوارہ ہے تجھے ایسے مسلمان کا سجود؟ (فرمودۂ اقبالؒ)

انسان جس شعبۂ حیات میں بھی ہے اسے محنت، کوشش، ایمان داری اور پاک بینی کے بغیر نمایاں مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ علامہؒ فرماتے ہیں:

Marfat.com

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد
(ض ک: ۵۹۳)

زمانۂ عروج میں مسلمانوں نے دُنیا کو جدید علوم وفنون سے نوازا ہے جو آج بھی پوری دنیا کے لیے ان کی عظمت کی دلیل بن کر روزِ روشن کی طرح تابندہ کرتا ہے۔ اسلام میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کہ مومن کا ہر عمل اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق ہو اور اس کی سوچ اور فکر توحید اور رسالت کے جذبات سے سرشار ہو۔ یہی وہ جذبہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے: ''عاشقاں را بر عمل قدرت دہد'' (یعنی عاشقوں کو عمل پر آمادہ ہونے کی قوت دیتا ہے)، یہ جذبہ اسے فطرت کی غلامی (اندھی تقلید) کی بجائے فطرت کا حریف ہونا سکھاتا ہے۔ اہرام مصر کو دیکھ کر علامہؒ نے فرمایا کہ بیابانوں میں فطرت اپنی تند ہواؤں سے صرف ریت کے چند ٹیلے ہی تعمیر کرتی ہے مگر اہرام کی تعمیر کسی کاریگر کی ایسی صناعی کی دلیل ہے کہ جو حوادث زمانہ کے باوجود ابھی تک ابدیت کی تصویر بن کر کھڑی ہے، چنانچہ جہاں تخلیق و تعمیر کے لیے دوام حاصل کرنے کے لیے محنت پیہم کی ضرورت ہو وہاں لازمی ہے کہ اس کے خالق کے دل میں داخلی اضطراب (یعنی خودی کی بیداری) موجود ہو جو اس کام کے لیے محرک ثابت ہوتا ہے۔ اسی لیے علامہؒ نے فرمایا:

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا!
(ض ک: ۵۶۲)

علامہؒ کے مطابق ایسی تخلیق و تعمیر میں جن چیزوں کو اہمیت حاصل ہے وہ اس کے محرک یعنی بنیادی جذبہ اجمالی خاکہ مجموعی تصویر (image) اور اس کا باعث (cause) اور غایت (end) کے معانی بھی شامل ہیں اور ان سب میں سے عشق کو تمام محرکات پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ عشق کی دولت آزاد قوموں کے افراد میں ہی پائی جاتی ہے جو ہر بند سے آزاد ہوں، چنانچہ شاہ جہاں کا تاج محل، قطب الدین کی مسجد قوت الاسلام اور عربوں کی مسجد قرطبہ وغیرہ ایسے آزاد، بلند حوصلہ، عالی ہمت اور عاشق لوگوں کی یادگاریں ہیں۔ علامہ اقبالؒ کا پیش کردہ فلسفۂ تخلیق ہماری تصنیف ''رابطۂ شیخ'' کے ایک باب میں کافی تفصیل سے شامل کر دیا گیا ہے۔ زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

Marfat.com

تخلیق اور تعمیر کے یہی پہلو عبادات کی ادائیگی میں بھی اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں جس طرح حیاتِ انسانی کے باقی کارہائے نمایاں کے لیے ان کا اثر پایا جاتا ہے۔ یہ محرکات ہر عبادت کے لیے بھی جز ولاینفک ہیں اور ان کے بغیر عبادات فقط رسمی نوعیت تک محدود رہتی ہیں۔ پچھلے صفحات پر بھی خشوع وخضوع کے بیان میں علامہ اقبالؒ کا نظریہ پیش کیا جا چکا ہے کہ جذبۂ عشق کے بغیر نماز اور عبادات ادھوری رہتی ہیں۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام ۔۔۔ میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب!
(ب ج: ۵۰۴)

علامہ اقبالؒ نے ''ضرب کلیم میں'' 'مسجد قوت الاسلام' کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے جس میں آپ نے مسلمانوں کی موجودہ ''انا'' کی کمزوری، ذوقِ نمود کی کمی، ان کی تخلیقی قوتوں کا جمود، عدم یقین، عدم استحکام، خیالات کی بے ربطگی، ایمان اور ذوق کی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رنج وملال کا اظہار کیا ہے۔ اس میں آپ نے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کی بے روح عبادت مطلوب نہیں اور ایسی عبادت شاید ہی اس کے حضور قبول ہو سکے۔ یہ اشعار مسلمانوں کی موجودہ کیفیت کا اظہار کر رہے ہیں:

ہے مرے سینۂ بے نور میں اب کیا باقی ۔۔۔ لا الٰہ مردہ و افسردہ و بے ذوق نمود!
چشمِ فطرت بھی نہ پہچان سکے گی مجھ کو ۔۔۔ کہ ایازی سے دگرگوں ہے مقامِ محمود!
کیوں مسلماں نہ خجل ہو تیری سنگینی سے ۔۔۔ کہ غلامی سے ہوا مثلِ زجاج اس کا وجود!
ہے تیری شان کے شایاں اسی مومن کی نماز ۔۔۔ جس کی تکبیر میں ہو معرکۂ بود و نہ بود!
اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ گداز ۔۔۔ بے تب وتابِ دروں میری صلوٰۃ اور درود!
ہے میری بانگِ اذاں میں نہ بلندی نہ شکوہ ۔۔۔ کیا گوارہ ہے تجھے ایسے مسلماں کا سجود؟
(ض ک: ۵۶۷)

علامہؒ نے مسجد قرطبہ سے متاثر ہو کر ایک نہایت معرکہ آراء نظم لکھی جس میں فلسفہ حیات اور تصورِ فن کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعیہ کے بہت سے تاریخی، نفسی، جمالاتی اور کائناتی عظمت کے پہلو ظاہر ہوتے ہیں۔ آپ نے اس مسجد کے وجود کو بھی محض دولت عشق کی وجہ سے قائم ہونا قرار دیا ہے اور اسی عشق کو اس کے دوام کی وجہ

Marfat.com

بیان کیا ہے۔ علامہؒ نے اس مسجد کی عظمت کو اس وقت کے مسلمانوں کی عظمت شمار کیا ہے اور فرمایا "تو بھی جلیل وجمیل وہ بھی جلیل وجمیل"۔ اسی نظم میں فرماتے ہیں:

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز — اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند، اس کا خیال عظیم — اس کا سرور، اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
(ب ج:۳۸۹)

حضوری میں پڑھی جانے والی نمازیں

کچھ نمازی اس قدر حضورِ قلب میں ڈوب کر نماز پڑھتے ہیں کہ وہ عرش پر مصلیٰ گزارتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو نماز میں بہت مسرت محسوس کرتے ہیں۔ اولیاء کا کہنا ہے کہ نماز کی غرض لذت حاصل کرنا نہیں ہونا چاہیے اور مرید کو کہتے ہیں کہ بندۂ خدا باش بندۂ لذت مباش (یعنی خدا کے بندے بنو لذت کی غلامی نہ اختیار کرو) اصل میں نماز کا مقصود خدا کا قرب حاصل کرنا اور اس کی رضا کو حاصل کرنا ہے۔ ایسے محسوس کرے کہ وہ خدا کے سامنے حاضر ہے اور اس سے گفتگو کر رہا ہے۔ قربِ الٰہی ہو تو رحمت الٰہی کا ورود نمازی پر رہتا ہے اور اس کے اندر چھپے ہوئے اسرار پھوٹنے لگتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ نماز سے قبل سماع یا وجد کا اہتمام کرتے ہیں اور ان پر کئی کئی دن تک وجد طاری رہتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سماع اور وجد اس جماعت کے لیے نفع مند ہوتا ہے جس کے اوقات کے مطابق احوال بدلتے رہتے ہیں، جو کبھی تو حاضر رہتے ہیں اور کبھی غائب اور جو کبھی اپنے مقصود کو پا لیتے ہیں اور کبھی گم کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ اربابِ قلب ہوتے ہیں جو تجلیاتِ صفاتیہ میں سے ایک مقام سے دوسرے مقام میں بھی ایک اسم سے دوسرے صفاتی اسم میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کبھی قبض میں ہوتے ہیں اور کبھی بسط میں۔ ان کو ابن الوقت کہا جاتا ہے۔ یہ کبھی عروج پر ہوتے ہیں اور کبھی نزول ان کا نصیب ہوتا ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ تجلی ذاتیہ والے ہیں جو مقام قلب سے مکمل طور پر باہر آ چکے ہیں اور مقلب القلوب سے پیوستہ ہو چکے ہیں اور احوال کی غلامی

Marfat.com

سے نکل کر احوال میں تبدیل کرنے والے رب کے ساتھ آزادی حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے لیے کچھ وقت اور حال نہیں۔ یہ لوگ ابوالوقت اور اصحاب تمکین ہوتے ہیں اور مقام استقرار (ایک ہی حال) پر رہتے ہیں یہ واصل غیر مرجوع ہیں۔ ان کا مقصد ان سے گم نہیں ہوتا۔ جب عدم اور یافت ان کے لیے متصور نہیں تو یافت، اور وجد بھی ان کے لیے نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ کامل اولیاء وہ ہیں جن کو ولایت میں وصول کے بعد ان کے نفوس مقامِ بندگی میں اتر آئے ہیں۔ ان کا نفس مطمئنہ ہر وقت مقام بندگی میں راسخ ہو چکا ہے اور ان کی روح کو مدد پہنچتی رہتی ہے اور ان کو عبادت میں آرام ملتا ہے اور اطاعت میں تسکین ملتی ہے۔ ان کی طبیعت میں عروج کی طرف رغبت کم ہوتی ہے اور بلندی کی طرف جانے کا رجوع کم ہوتا ہے۔ ان کی پیشانی متابعت شریعت سے روشن رہتی ہے۔ اہل سماع وجد ان کی عظمت سے واقف نہیں ہوتے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے فرمایا مبتدی اربابِ قلوب نہیں ہوتے لہٰذا ان کے لیے وجد اور سماع مضر ہے اور عروج کے منافی ہے۔ منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو۔ ایسے لوگ واصل کامل ہوتے ہیں۔ سماع صرف متوسط اور منتہی حضرات کے لیے فائدہ مند ہے وہ بھی اگر شرائطِ سماع کے مطابق ہو۔

Marfat.com

باب ۲۰

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(کن لوگوں کے نام تا قیامت زندہ رہیں گے)

رفعتِ دوام

کچھ لوگوں کے نام ان کی حیات کے دوران خوب چمکتے ہیں اور جونہی ان کی عزت کی خصوصیت ختم ہوئی تو ان کا کوئی شخص نام لیوا نہیں رہتا۔ بعض ایسے نام بھی ملتے ہیں کہ جن کا نام قدرے طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے لیکن جب مشہوری کی وجہ سرد پڑ گئی تو ان سے زیادہ درجے کے لوگ ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ دنیا میں بغیر خصوصیتِ دین وملت بھی بہت سے نام آتے ہیں جن کا شہرہ باقی تمام نامور لوگوں سے زیادہ عرصے تک رہتا ہے مگر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ ان کے ناموں کی شہرت بھی بھلا دی جاتی ہے۔ ان تمام گروہوں سے الگ تھلگ ایک ایسا طبقہ دنیا میں ظاہر ہوا ہے جن کے نام نہ صرف رہتی دنیا میں پوری آب وتاب سے چمکتے ہیں بلکہ اس دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد ان کے حسن وکمال کی روشنی آخرت میں بھی ان کی زندگی کی شہرت سے زیادہ ضوفشانی کرتی رہے گی اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں میں انسانیت کی خدمت کی اور ان کو اندھیروں

Marfat.com

سے نکال کر اجالوں میں لا کھڑا کیا۔ یہ اللہ کی برگزیدہ ہستیاں ہیں۔

انسان کو تخلیق کرنے کا مقصد

جب سے یہ دنیا بنی ہے لوگ پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ آج کل اسلامی گھروں میں اگرچہ دینی تعلیم بہت کم ہے مگر ہر شخص کو بالخصوص مسلمان کو یقین ہے کہ اس نے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے زندگی میں کیے کا حساب دینا ہے۔ مرنے کے بعد ایک ایک چیز کی پوچھ گچھ ہو گی اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے اچھے برے کاموں کا حساب دینا ہو گا مگر اس کے باوجود بھی لوگ کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں۔ عام لوگوں کو اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اپنے گناہوں کا حساب کیسے دیں گے۔ علامہ اقبالؒ کے ایک فارسی شعر کا یہ مطلب ہے کہ ایک دن موت کے فرشتے نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ”الٰہی! یہ مٹی کا انسان تو نے کیا بنایا ہے کہ جب میں اس کی روح قبض کرتا ہوں تو مجھے اس بات کو دیکھ کر شرم آتی ہے کہ اس کے پلے کوئی عمل نہیں مگر انسان بوڑھا بھی ہو جاتا ہے اور اس کو موت کے قریب آ کر بھی شرم نہیں آتی اور گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے۔

ہر شے اپنا فرض انجام دینے کے لیے بنائی گئی ہے

یہاں اس بات کا احساس دلانا مقصود ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ مومنون کی آیت ۱۱۶ میں یہ فرمایا ”کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔“ (یعنی کیا تمہیں اپنے اعمال کا جوابدہ نہیں ہونا ہو گا) قرآن مجید میں ایک مقام پر انسان کی تخلیق کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ عبادت کرے اور عبادت کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ ہر شے اپنا فرض ادا کرے۔ قرآن مجید میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ فرض سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دعا اور اپنی تسبیح کو۔ (النور:۴۱) جس چیز کو جس کام کے لیے پیدا کیا ہے، وہ اسی فرض کو ادا کرے۔ مثال کے طور پر سورج کی نماز یہ ہے کہ وہ مطلوبہ گرمی پہنچائے اور مقررہ وقت پر طلوع و غروب ہو۔ ہر جانور کا فرض یہ ہے کہ جس کام کے لیے اسے پیدا کیا گیا اسے پورا

Marfat.com

کرے مثلاً کچھ جانور دودھ دیتے ہیں اور کچھ انسان کے لیے گوشت مہیا کرتے ہیں۔ غرضیکہ ہر شے اپنا فرض ادا کر رہی ہے مگر تمام مخلوق میں سے انسان اور جنات کی ایک اچھی خاصی تعداد اپنے فرائض کو انجام نہیں دے رہی۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر کیے ہیں اس کی انسان کو قطعاً پروا نہیں اور جس چیز کی فکر نہ کرنے کا اسے کہا گیا ہے وہ اس کی رات دن فکر کرتا ہے یعنی رزق کمانے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کرم سے پورا کرنے کا وعدہ کیا ہے مگر وہ رات دن رزق کے چکر میں ہی سرگرداں رہتا ہے۔ یہ بات بہت حیران کن ہے کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو پیدا فرمایا ہے اور انسان کو اپنے لیے پیدا فرمایا۔ گویا کائنات کا نصب العین انسان ہے اور انسان کا نصب العین اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کو اپنے فرائض کی ادائیگی کی فکر ہونی چاہیے۔ رزقِ دنیا اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔ ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ جو رزق اس کا مقدر ہے وہ اسے ضرور مل کر رہے گا۔ خواہ پوری دنیا اس کی مخالفت کرے کوئی اس کے رزق کو ذرّہ برابر بھی کم نہیں کر سکتا۔ افسوس کا مقام ہے کہ جو ذمہ خدا نے اپنے لیے مقرر کیا ہے انسان کو اس کی فکر رہتی ہے اور جو چیز انسان کے ذمے ہے وہ اس کی چنداں پروا نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا بندوں سے وعدہ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تمام مشکلات کو دور کرنے کے بہت سے قوانین قرآن اور حدیث میں بیان فرمائے ہیں (جن کا ذکر ہماری دیگر کتب بالخصوص ''حسن نماز'' اور ''اقامۃ الصلوٰۃ'' میں ملتا ہے)

یہاں صرف ایک حدیث کا ذکر کیا جا رہا ہے جسے حضرت امام شعرانیؒ نے ''طبقات الکبریٰ'' (صفحہ ۵۰) میں حضرت امام صادقؒ کے قول کی صورت میں نقل کیا ہے۔ اس کا ترجمہ یوں ہے: ''اللہ تعالیٰ نے دنیا پر وحی فرمائی (کہ اے دنیا) تو اس کی خدمت کر جو میری تابعداری کرے اور اس کو تھکا دے جو تیری تابعداری کرے۔''

اس وحی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرتے ہیں تو تمام کائنات ان کی تابعدار ہو جاتی ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جن

Marfat.com

بندوں نے تابعداری کی تو واقعی دنیا ان کی تابعدار ہو گئی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تابعداری سے کیا مراد اور اس میں بندے کو کیا کچھ کرنا ہوتا ہے۔ تابعداری سے یہ مراد نہیں کہ بندہ دن رات اللہ کے لیے عبادت، تسبیح، نوافل، وظائف یا لمبے چوڑے کام کرے۔ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ کی تابعداری بہت آسان کام ہے جس میں زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی۔ صرف پانچ وقت کی نماز (وہ بھی اختصار کے ساتھ) اور سال میں ایک ماہ کے روزے رکھنا بھی اس میں شامل ہیں۔ زکوٰۃ اور حج تو صاحب استطاعت لوگوں کے لیے ہے اور وہ بھی مخصوص اوقات میں۔

افسوس ہے کہ لوگ نماز کو بہت بڑی مصیبت سمجھ کر ترک کر دیتے ہیں حالانکہ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ عشاء کی نماز میں بجائے ۱۷ رکعت کے صرف ۹ رکعت ادا کریں (چار فرض، دو سنت اور تین وتر) باقی ۸ رکعتیں اگر نہ پڑھی جائیں تو گناہ نہیں) مغرب، عصر اور فجر کی نمازیں ویسے ہی بہت مختصر ہیں۔ ظہر میں صرف دو نفل چھوڑ سکتے ہیں مگر نماز کی مستقل عادت ہو جائے تو پوری نماز پڑھیں۔ (آج بھی ہمارے خاص مرید روزانہ ۷۰ نوافل ادا کرتے ہیں) اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تابعداری کے لیے روزانہ ۳۰۔۴۰ منٹ کی پانچ نمازوں سے ہی واسطہ رہتا ہے، اس مختصر عبادت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا کون سی عقل مندی کی بات ہے اور لوگ خدا کے اتنے بڑے بڑے انعامات سے کیوں محروم ہوتے ہیں۔ کیوں نہ ذرا سی کوشش سے اللہ تعالیٰ کو خوش کر لیا جائے۔ اگر کوئی نماز کی عادت سے محروم ہے تو وہ راقم الحروف کے پاس آئے تو قلیل عرصے میں اسے نمازی بنا دیا جائے گا۔ ہمارے بعض مریدین کو بھی یہ سعادت حاصل ہے کہ (ایک دو گھنٹوں کی مجلس میں) بے نمازیوں کو نمازی بنا دیتے ہیں۔

خدا کے باغیوں کا کیا حال ہوتا ہے؟

اگر اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ جو لوگ خدا کی عبادت سے غافل رہتے ہیں ان کو دنیا اور آخرت میں کیا کیا عتاب و عذاب برداشت کرنا پڑتے ہیں اس کے بیان کے لیے بہت وقت درکار ہے۔ ایسے انسان جو خدا سے غافل ہو کر اپنی زندگی گزار دیتے ہیں خدائی قہر جان کنی کے وقت اور قبر میں عنقریب دیکھیں گے۔ کئی لوگوں نے قبر کا عذاب اس

Marfat.com

دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر اس قدر کثیر التعداد واقعات بیان کرنا ممکن نہیں اس کے لیے متعلقہ کتب مثلاً ''عذاب قبر کے متعلق احادیث''، ''موت کا منظر، مرنے کے بعد کیا ہوگا''، ''کتاب الروح'' اور دیگر کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ دو واقعات جو ہماری دید و شنید میں آئے، ذیل میں بیان کیے جا رہے ہیں۔

پہلا واقعہ: راقم الحروف کے بڑے بھائی نے جو دہلی کے اضلاع میں سے ایک ضلع کے ڈاکٹر تھے بیان کرتے ہیں کہ وہ ریل گاڑی میں ایک شخص سے سفر کے دوران ملے جس کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی تھی۔ اس نے بتلایا کہ اس نے ایک اونٹنی خریدی جو مجنون تھی اور اس نے اپنے مالک کو مارنے کے لیے اس کا پیچھا کیا اور جان بچانے کے لیے وہ شخص قبرستان کی ایک ٹوٹی ہوئی قبر میں گھس گیا جس میں مردے کو ایک بچھو منہ پر ڈنگ مارنے کے بعد پاؤں پر ڈنگ مار رہا تھا۔ مگر اس بچھو نے مجھے نہ ڈسا۔ جب اونٹ نے قبر میں منہ ڈالا تو اس کو بچھو نے ڈس لیا اور فوراً اونٹ مر گیا۔ اس اونٹ کا گوشت پانی کی طرح پگھل گیا۔ اس شخص نے ایک تنکا لے کر اس کی کھال میں گھسایا تو وہ کھال پھٹ گئی جس کے پھٹنے سے اس پانی کا ایک قطرہ اس کی ٹانگ پر آ گرا۔ یہ پانی اتنا زہریلا تھا کہ اس کے جسم میں آگ لگ گئی اور وہ چیخیں مارنے لگا تو لوگ اس کو اٹھا کر ہسپتال لے گئے مگر آرام نہ آنے کی وجہ سے اس کی ٹانگ کاٹنی پڑی۔ وہ شخص کہتا تھا جب سے میں نے عذاب قبر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اس وقت سے نماز، روزہ کا پابند ہو گیا ہوں۔

دوسرا واقعہ: ایک تھانیدار جو گنگا رام ہسپتال میں داخل تھا اس نے راقم الحروف کو اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا کہ ہندوستان کے ضلع فیروز پور میں اس کے ایک دوست نے ایک رسالہ جاری کر رکھا تھا۔ مگر ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اس کا آفس ۲۴ دن کے لیے بند رہا۔ تشویش ہوئی تو اس کا تالہ توڑ کر دیکھا کہ کسی نے اس کو قتل کر کے سب سے اوپر والی منزل میں پھینک دیا تھا اور جب دیکھا تو اس کے جسم کے گوشت کو کیڑے کھا چکے تھے اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ وہاں موجود تھا۔ اس وقت تک جن کیڑوں نے اس کا گوشت کھایا تھا وہ بھی مر چکے تھے۔ اس کا سونے کا دانت دیکھ کر نعش کو پہچانا گیا۔

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ وہ بندہ جس کے عمل ٹھیک نہ تھے (یعنی ایک عام دنیا دار انسان خدا سے غافل تھا) جب مرا تو اس کا جسم کیڑے کھا گئے اور پھر خوراک نہ

Marfat.com

ملنے سے کیڑے بھی مر گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو انسان خدا سے غافل ہو اس کا ایسا ہی حشر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ دیکھے کہ اس نے اپنی آنے والی زندگی کے لیے کیا کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ؀ (الحشر: ۱۸)

اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خود آگاہ ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔

ایسا نہ ہو کہ تمہارا بھی اسی قسم کا حشر ہو، لہٰذا اس بات کا خیال رکھو کہ خدا کی عبادت سے غافل زندگی نہ گزاری جائے۔

جو لوگ دینی زندگی نہیں اپناتے ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ؀ (الانبیاء)

قریب آ گیا ہے لوگوں کے لیے ان کے (اعمال کا) حساب اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

اس آیت کا اشارہ اس طرف ہے کہ تم لوگ اپنی زندگی کے معمول میں اس قدر غرق ہو چکے ہو کہ تمہیں خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا خیال تک نہیں آتا حالانکہ تمہارے اعمال اور روزینہ اشغال میں صرف کردہ لمحات کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایک منٹ کے اعتبار سے شمار ہو رہا ہے اور تمہیں علم نہیں کہ غفلت اور سیہ کاری میں گزارے ہوئے تمام اوقات کا نقشہ لمحہ بہ لمحہ تیار ہو رہا ہے۔ افسوس ہے انسان پر کہ وہ غفلت اور بے علمی میں تمام عمر گزار دیتا ہے اور اس کو مرنے کے بعد کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اس کا اسے کوئی خوف نہیں۔ جب اچانک مرنے کے بعد اس کو اس کے اعمال کا ذرّہ ذرّہ دکھایا جائے گا تو اس وقت کوئی چیز اس کی مدد نہیں کر سکے گی اور اس عذاب سے اس کی قطعاً رہائی نہ ہو سکے گی۔ اس وقت انسان کو احساس ہو گا کہ اس نے اپنی تمام عمر غلط کاریوں اور خدا سے غفلت میں گزار دی ہے۔ اس بات کو ہم خلاصے کے طور پر ہی بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلی

Marfat.com

بات یہ کہ ایسا شخص دنیا میں بھی خسارے میں رہتا ہے اور آخرت میں بھی اس کو خسارہ ہی ملتا ہے۔ (خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ (الحج:۱۱) اس شخص نے برباد کردی دنیا اور آخرت)

اگر دنیا میں اس کو مال و دولت بھی مل جاتا ہے تو وہ مال بھی اس کے لیے وبالِ جان ہوتا ہے اور آخرت تو لازمی طور پر خراب ہو گی۔ قیامت کے دن امیر لوگ اپنا منہ چھپاتے پھریں گے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے عبادت کی اور مال کو ٹھیک جگہ پر خرچ کیا۔

دوسری بات یہ کہ جب تک یوم حساب نہیں آئے گا، اس کو قبر اور حشر میں عذاب ملتا رہے گا۔ تیسری بات یہ کہ اس کی اولاد کو بھی نیک راہ کی ہدایت نہ دی جائے گی کیونکہ وہ خود نیک ہوتا تو یہ حشر نہ ہوتا۔ تمام زندگی اس کی مصائب، پریشانیوں اور مشکلات میں گزرے گی اور دنیا و آخرت میں وہ رسوائی کی زندگی بسر کرے گا۔ چوتھی بات یہ کہ نیک آدمی اگر اس کے لیے دعا کریں تو ان کی دعا قبول نہ ہو گی۔ پانچویں بات یہ کہ اس کی زندگی سے برکت اٹھالی جائے گی اور چھٹی بات یہ کہ وہ بیماریوں میں اپنی زندگی گزارے گا اور بالآخر مرنے کے بعد جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

انسان کے لیے کون سی زندگی بہتر ہے؟

یہ مضمون تو طویل اور بحث طلب ہے مگر اس جگہ اختصار سے کام لیا جا رہا ہے۔ مذکورہ مضامین سے معلوم ہوا کہ جو لوگ خدا کے باغی ہیں اور اس سے غافل ہیں وہ لوگ جھوٹے طور پر زندگی سے مطمئن ہیں۔ مگر حقیقتاً ان کی جھوٹی خوشی صرف اس لیے ہے کہ وہ مال و دولت کے خرچ کرنے سے خوش ہیں اور یہ جھوٹی خوشی ان کو جہنم میں لے جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ (یونس:۷)

بے شک وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی اور خوش و خرم رہے دُنیوی زندگی سے، اور مطمئن ہو گئے ہیں اس (ساز و سامان) سے اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں۔

(اس سے اگلی آیت میں ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی سزا جہنم ہے)

Marfat.com

خدا اور رسول اللہ ﷺ (یعنی قرآن اور احادیث نبویہ) کے مطابق نجات پانے والے وہی لوگ ہیں جو اوپر لکھے گئے آسان طریقے سے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی عزت ملتی ہے اور آخرت میں بھی عزت ملتی ہے۔ وہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اگر نماز روزہ کریں گے تو رزق تنگ ہو جائے گا یا کاروبار میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے دُنیا کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو گی اور وہ دنیا اور آخرت میں بامراد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا دنیا کو حکم ہے کہ اے دنیا! جو میرا تابعدار ہو تو اس کی تابعدار ہو جانا اور جو تیری تابعداری کرے تو اس کو تھکا دینا۔

سب سے اعلیٰ اور ارفع زندگی کون سی ہے؟

اللہ تعالیٰ کی سب سے اعلیٰ اور ارفع مخلوق انبیائے کرام ہیں اور اس کے بعد بالترتیب صدیقین، شہداء اور صالحین کے گروہ ہیں۔ یہ تمام گروہ اسی لیے قابل ستائش ہیں کہ یہ لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے منسلک رہتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی زندگیاں ایسی ہیں کہ اگر ان کے نقش قدم پر چلا جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب سے بڑا اعزاز ہے۔

ایک مختصر بات میں یہ قصہ طے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کو کس طرح انعام یافتہ لوگوں کے رنگ اور طرزِ زندگی میں ڈھال سکتا ہے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف اپنی ہی مثال پیش کرتا ہے جس سے میری زندگی سدھر گئی اور پڑھنے والے بھی اسی طرز عمل کو اپنا کر سیدھی راہ پا سکتے ہیں۔ راقم الحروف نے سائنس کی تعلیم حاصل کی اور محکمہ موسمیات میں ایک افسر کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا۔ تنخواہ اُس زمانے کے اعتبار سے معقول تھی۔ دنیا میں کسی غم اور مشکل کا سامنا نہ تھا۔ بظاہر دین کی تھوڑی بہت اتباع کرتا تھا مگر زیادہ انہماک نہ تھا جو بعد میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اصل اس قصے کی یوں ہے کہ جب راقم الحروف دورے پر جاتا تو دینی کتب سٹالوں سے خرید کر مطالعہ کرتا۔ ماں باپ نیک تھے مگر جو کچھ بزرگوں کی سوانح کی کتابوں میں مطالعہ کیا اس سے یہ اندازہ ہوا کہ اصل انسان اور صحیح

Marfat.com

بلندی پر فائز ہونے والے لوگ تو مشائخ اسلام ہی ہیں۔ ان مشائخ میں سے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، جنید بغدادیؒ، بایزید بسطامیؒ، مولانا رومیؒ، معین الدین چشتیؒ، بابا فرید الدین گنج شکرؒ، بہاؤ الدین نقشبندیؒ، شہاب الدینؒ سہروردی اور دیگر بہت سے مشائخ کی زندگیوں کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے خوب راضی ہے۔ ان لوگوں کی راہ پر چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ پر چلنے کے مترادف ہے۔ دل میں بلا مبالغہ یہ خیال راسخ ہو گیا کہ میں بھی انشاء اللہ انہی بزرگوں کی راہ پر چلوں گا کیونکہ اس راہ سے بہتر اور کوئی راہ نہیں ہے۔

وقت گزرتا گیا اور بزرگوں کی زندگیاں میرے سینے میں مچلتی رہیں۔ نیک لوگوں کی تلاش مین رہا اور بہت سے بزرگوں کی صحبت اختیار کی۔ ہر جگہ جس بزرگ کے پاس بھی جاتا تو میرے علم میں اضافہ ہوتا گیا اور بزرگوں کی تقلید کا شوق بھی بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ نقشبندی سلسلہ میں حضرت پیر علاؤ الدین صدیقی نقشبندی غزنوی مدظلہ، کی بیعت کی۔ بیعت کر کے معاملے کو وہیں نہیں چھوڑ دیا (جیسا کہ عموماً بیعت کرنے والے وعدہ بیعت کو بھول جاتے ہیں) بلکہ معاملہ قدم بہ قدم بڑھتا ہی چلا گیا۔ (اس روحانی سلسلے کو حاصل کرنا اور اس کو چلانے کی بات بہت طویل ہے۔ شاید کوئی سوانح عمری کی قسم کی اگر کوئی کتاب تحریر کی تو وہاں یہ تفصیل انشاء اللہ العزیز آئے گی۔ (مگر میرا خیال ہے کہ سوانح عمری کی کتاب کی ضرورت نہیں ہے) المختصر یہ کہ ہر شخص کو ان ہی نکات پر اپنی زندگی کی سوچ کو ڈھالنا چاہیے۔ ان حالات سے گزرنے کے بعد راقم الحروف کو علامہ اقبالؒ اور مولانا رومؒ کے ساتھ گہری عقیدت ہو گئی اور خاص طور پر علامہ اقبالؒ کے نظریات اور کلام کی گہرائیوں میں بہت زیادہ مصروف ہو گیا۔ حتیٰ کہ علامہ اقبالؒ اور دیگر بزرگوں سے بذریعہ کشف القبور بہت سے معاملات طے ہوئے۔ علامہ اقبالؒ اور دیگر مشائخ سے گفتگو کے دوران جو بات چیت ہوئی شاید کسی کتاب میں اس کا تذکرہ لوگوں کے افادے کے لیے کیا جائے۔ علامہ اقبالؒ نے ایک گفتگو کے دوران راقم الحروف کے کام کی بہت تعریف فرمائی اور فرمایا کہ اگرچہ اقبالیات پر بہت لوگ کام کر رہے ہیں مگر جس مشن کو میں اپنی زندگی میں لے کر نکلا تھا اس کو فقط آپ ہی نے جاری رکھا ہے۔ آپ کی مراد تھی کہ جس طرح آپ لوگوں کو اپنا

Marfat.com

کلام پہنچاتے تھے اسی طرح ان کے کلام کو اصلاح کے لیے عوام میں پیش کیا ہے۔

یہاں انسانی زندگی کو سدھارنے کی ایک مثال یاد آتی ہے کہ محمود غزنویؒ کے غلام ابو النجم ملک ایاز غزنوی (م:۱۰۵۷ء) سترہ سال کی عمر میں محمود غزنوی کے خریدے ہوئے غلاموں میں سے تھے لیکن انہوں نے محمود غزنویؒ کے ساتھ اس طرز سے درویشانہ زندگی گزاری کہ انہوں نے ایازؒ کو معتمد اعلیٰ اور امیر الملک کا خطاب دیا اور تمام وزیروں سے زیادہ اپنا مقرب بنالیا۔ ان کی زندگی قابل مطالعہ ہے۔ ایک دن محمود غزنویؒ نے انہیں اپنا تاج پہنا کر اپنے تخت پر بٹھایا۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ ''منطق الطیر'' میں ایازؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آں ایازِ خاص رامحمود خواند تاجدارش کرد برتختش نشاند

(محمود نے اکیلے غلام ایاز کو بلایا، اور اس کے سر پر تاج رکھ کر تخت پر بٹھا دیا)

ہر کسے می گفت شاہے با غلام در جہاں ہرگز نداد ایں احترام

(اس وقت ہر ایک نے یہ کہا کہ دنیا میں کسی بادشاہ نے اپنے غلام کی اس قدر عزت افزائی نہیں کی)

لیک آں ساعت ایازِ ہوشیار میگریست از کارِ سلطاں زار زار

(لیکن ایاز اس وقت بھی ہوشیار (حقیقت آشنا) تھا، سلطان کی اس قدر عزت پر زار و قطار رو رہا تھا)

گر تو مردِ طالبی وحق شناس بندگی کردن بیاموز از ایاض

(اگر تو اپنی طلب میں صادق ہے اور واقعی مردِ حق شناس ہے تو ایاز سے بندگی کا طریقہ سیکھ)

جو لوگ درویشانہ اور روحانی زندگی گزارتے ہیں ان کے نام رہتی دنیا تک تاریخ میں محفوظ رہتے ہیں۔ ہر آدمی کو ایسے لوگوں کی زندگیوں سے ذوق اور ولولہ حاصل کرنا چاہیے۔

ہمیشہ زندہ رہنے والی ہستیاں کون ہیں

یوں تو دنیا میں لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ لوگوں میں

Marfat.com

سے ہر ایک کے ساتھ اعمال اور کردار کے مطابق سلوک کرتا ہے مگر کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں کہ ان کی زندگیاں خدا کے لیے وقف ہو چکی ہیں۔ وہ اس لیے زندہ نہیں رہتے کہ دنیا میں عیش وعشرت کرنے کے بعد قبر کے عذاب میں ٹھونس دیئے جائیں گے بلکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی رضا کی خاطر گزرتا ہے، ان کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا اور جینا مرنا صرف اللہ ہی کے لیے ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوتے ہیں اور اللہ ان کے قریب ہوتا ہے۔ وہ اپنے دل میں ہر وقت اللہ کا خیال رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ہر وقت ان کا خیال رکھتا ہے۔ وہ خدا کے لیے اپنی مرضی کو قربان کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی مرضی کو ان کی مرضی پر چھوڑ رکھا ہے۔ مولانا رومؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ایسے بندوں کا بولنا یا کوئی بات کہنا حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی بات بن جاتی ہے۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(اس کا کہنا خدا کا کہنا بن جاتا ہے اگرچہ وہ اللہ کے بندے کے حلق سے نکلتا ہے)

اللہ اللہ گفت، اللہ می شوی   ایں سخن حق است باللہ می شوی

(اللہ اللہ کہتے رہو تو خود اللہ میں فنا ہو جاؤ گے، یہ بات سچ ہے خدا کی قسم ایسے ہی ہو جاؤ گے) (مثنوی)

وہ تمام کلام جو ولایت اور طریقت سے تعلق رکھتا ہے ایسی باتوں سے بھرا ہوا ہے (اس کے لیے ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' کا مطالعہ فرمائیں) غرض یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے زیادہ کون خوش قسمت ہے جو دنیا اور آخرت میں خدا کی نگاہ میں محبوب رکھے گئے۔ ان کی باتوں کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لیے تو خال خال لوگ ہی روحانیت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مگر ہمارا منشا یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس روحانی دنیا کی طرف مائل ہوں۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ہو گئے اللہ ان کا ہو گیا، یہ وہی لوگ ہیں جن کا نام ہمیشہ کے لیے رہتی دنیا تک اور آخرت میں زندہ رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی زندگی کے لیے چناؤ کرنا چاہے تو خوش قسمت ہے وہ جس نے اپنے نام کو اس فہرست میں شامل کر لیا،

Marfat.com

ایسے لوگوں کی فہرست تیار کرنا بہت مشکل ہے۔ البتہ سیرت اولیاء کی کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ اللہ کے لیے وقف کر دیا ہے۔ ان کا عزیز ترین مشغلہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرتے رہنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا بھی یہ شعار ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ (محمد: ۱) چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک تمام اولیائے امت کا یہی مقصدِ حیات رہا ہے کہ مخلوقِ خدا کو جہنم میں جانے سے روکا جائے تا کہ قیامت کے دن شیطان یہ بات نہ کہہ سکے کہ چونکہ وہ انسان کو خلیفہ فی الارض بنانے کے حق میں نہ تھا چنانچہ وہی بات اب ثابت ہو گئی۔

شیطان تو صرف شر کی طرف مائل کرتا ہے۔ چنانچہ جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جہنم سے کھینچ کر جنت میں داخل کرے گا، وہ خدا کے زیادہ قریب ہو گا۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اصحاب رسول ﷺ اور اولیائے امت نے یہی کام کیا اور اصلاح امت ان کا شعار رہا ہے۔ مسلمانوں کے لیے بھی یہی بات فائدہ مند ہے کہ وہ بھی اس مشن کو اپنائیں کیونکہ اس مشن کو اپنانے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ایسے کام کرنے والوں کی مدد کرے گا۔ خوب سمجھ لیں کہ آپ کی ہر تکلیف، دکھ، درد اور پریشانی میں اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا۔ لوگوں نے ایسے کام چھوڑ دیئے ہیں اور دنیا کی جھوٹی محبت میں گرفتار ہو گئے ہیں تو یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا میں بدنام ہو چکے ہیں۔ کافر اگرچہ تبلیغِ اسلام اور عبادت نہیں کرتے مگر انہوں نے اسبابِ دنیا کے اصولوں کو اپنا لیا ہے تو ان کو عارضی ترقی اور عروج مل گیا۔ لیکن خدا کے ہاں ان کا کوئی درجہ نہیں۔ ان کے اصولوں کا اجر ان کو دنیا میں ہی مل جائے گا۔ آخرت میں ان کا کوئی صلہ نہیں ہے۔ یاد رکھیں جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس زندگی کو اپنا کر آپ اپنے لیے دین، دنیا اور آخرت کی خوشیوں کے مالک بن سکتے ہیں جو بہر صورت آپ کے لیے بہتر ہے۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

Marfat.com

باب ۲۱

عجز کے باعث خاکی انسان کی پرواز

بنی نوعِ انسان کو سجدے کے عجز سے اوجِ ثریا سے زیادہ بلندی نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کو عاجزی اس قدر پسند ہے کہ جس کی گردن خدا کے آگے جھک گئی تو اسے کسی دوسرے کے آگے سر جھکانے کی نوبت نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی یہ عاجزی سربلندی کا پروانہ بن جاتی ہے۔

حضرت آدمؑ کو تمام مخلوق پر بلندی محض اس لیے عطا کی گئی کہ اس کو سجدے جیسی نعمت سے نوازا گیا اور اپنی سجدہ ریزی سے ہی وہ خدا کے مقرب بن گئے۔ عارفانِ الٰہی خوب جانتے ہیں کہ تمام سربلندیاں مقربانِ الٰہی کا مقدر بن چکی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ وہ علم، دولت اور حکومت میں سے ایک چیز اپنے لیے مانگ لیں تو آپ نے عاجزی کی وجہ سے علم کا انتخاب کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کی وجہ سے دولت اور حکومت بھی عطا کر دی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی فرشتوں پر برتری اسی علم کی وجہ سے عطا فرمائی جس کو قرآن نے علم الاسماء کا نام دیا ہے۔ اسی علم کے باعث دولت، عزت اور قوت عطا فرمائی۔ اسی عطا کو اہلِ علم تصوف کی اصل قرار دیتے ہیں۔ علم الاسماء کا

Marfat.com

ذکر اسی باب میں کیا جائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مخلوق پر برتری

جن اوصاف کی بدولت انسان کو دیگر مخلوق پر برتری عطا فرمائی ہے، علامہ اقبالؒ نے انسان کی اُن صفات اور قوتوں کا بھرپور بیان اردو اور فارسی کلام میں کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس موضوع کو اس قدر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اس پر ایک بہت دقیق کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں تخلیقِ انسان پر کافی تفصیلات درج کی گئی ہیں اور دوسری کتاب ''نشانِ منزل'' میں کمپیوٹر کے فراہم کردہ اعداد وشمار بھی دیئے گئے ہیں۔

انسان تو ایک مشتِ خاک ہے لیکن ایک یکتائیت اور جامعیت کے اعتبار سے تمام اجرامِ فلکی اس پر حسد کرتے ہیں۔ فرشتے جو کہ خیر وشر کو آزادانہ اختیار کرنے کے قابل نہیں ہیں وہ بھی اس انسان کے مقام پر تعجب کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ یہ کائنات انسان کے لیے تسخیر کی گئی ہے۔ علامہؒ نے فرمایا ہے کہ انسان کی خودی جو اس کی ذات کا جزو ہے، اس عالمِ آب وگل سے تعلق نہیں رکھتی جس سے انسان کی ظاہری تشکیل ہوئی ہے مگر انسان کی اصل علوی (سماوی) ہے۔ خواجہ فریدؒ کوٹ مٹھن والوں نے فرمایا ہے:

اک لامکان مقام اساں دا ایتھے آن بتاں وچ پھاسے

علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

فرشتہ گرچہ بروں از طلسم افلاک است نگاہِ اُو بہ تماشائے ایں کفِ خاک است
(اگرچہ فرشتہ دنیا کے چکر سے الگ ہے، اس کی آنکھ تو آدمؑ کی کوشش اور محنت پر ہے)
فرشتہ را دگر آں فرصتِ سجود کجاست کہ نوریاں بتماشائے خاکیاں مستند!
(فرشتوں کو سجدوں کی فرصت کہاں، وہ تو خاکیوں کی تگ وتاز کے نظارے میں محو ہیں)
(زع:۴۶۹،۵۰۱)

ملائکہ اپنی بلند مقامی کے باوجود انسانوں کے ذوق وشوق کو دیکھ کر مسحور ہوتے ہیں

Marfat.com

کیونکہ غلامانِ محمدؐ (شاہِ لولاک کے شاہینوں) کی ان پر برتری بالکل واضح ہے۔

واقف ہو اگر لذتِ بیداریٔ شب سے اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پُر اسرار
آغوش میں اس کی وہ تجلی ہے کہ جس میں کھو جائیں افلاک کے سب ثابت و سیار
ناگاہ فضا بانگِ اذاں سے ہوئی لبریز وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دلِ کہسار
(ب ج: ۴۳۷)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی حالت و صورت کے مطابق تخلیق کیا ہے۔ (خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ: الحدیث الاسماء و الصفات للبیہقی: ۲۸۹، ابوعوانہ: ج۱، ص۱۸۸) لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ خدائی صفات کو جذب کرے اور ان کا امین بنے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مرشدِ کامل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی صفات کو طریقۂ مراقبہ اور ریاضت سے جذب کرے۔

اے خدائے مہر و مہ خاکِ پریشانے نگر • ذرّہ در خود فرو پیچد بیابانے نگر
(اے مہر و مہ کے مالک ہم انسانوں کی خاکِ پریشان کی طرف بھی دیکھئے اس کا ایک ایک ذرّہ اپنے اندر پیچ و تاب کھا رہا ہے)
شوید از دامانِ ہستی داغہائے کہنہ را سخت کوشی ہائے ایں آلودہ دامانے نگر!
(آدم اپنے دامن ہستی سے پرانے گناہوں کے داغ دھو رہا ہے۔ ذرا اس آلودہ دامن کی محبتِ سخت کو نظر میں رکھیے) (زع: ۴۵۱)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ظلامِ کائنات میں نئی صبح طلوع ہو چکی ہے جو مردِ حق کی اذان کی اہمیت کو جان سکے، اس کی مشتِ خاک کی بلندی کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا)

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا
(ض ک: ۴۷۶)
ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے کہ خاک زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں
(ب ج: ۳۳۶)

Marfat.com

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشۂ چالاک
رکھتی ہے مگر طاقتِ پرواز میری خاک
وہ خاک، کہ ہے جس کا جنوں صیقلِ ادراک
وہ خاک، کہ جبریل کی ہے جس سے قبا چاک
وہ خاک کہ پروائے نشیمن نہیں رکھتی
چنتی نہیں پہنائے چمن سے خس و خاشاک
(ب ج: ۳۶۱)

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریلؑ و سرافیلؑ کا صیاد ہے مومن!
ہمسایۂ جبریل امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن، نہ بخارا نہ بدخشاں!
(ض ک: ۵۰۷، ۵۲۲)

انسان کی ترقی اور پرورش خودی کی نشو و نما اور پرورش پر ہی موقوف ہے جس کی وجہ سے مٹھی بھر مٹی (انسان) میں ہر شے کو جلانے والی آگ پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ عشق کی وہ آگ ہے جو خدا کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشتِ خاک میں پیدا ہو آتشِ ہمہ سوز!
(ض ک: ۵۳۷)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ خودی کی تربیت کے تین مرحلے ہیں: پہلا مرحلہ اطاعت، دوسرا ضبطِ نفس اور تیسرے کو نیابتِ الٰہی کہا جاتا ہے۔ انسان مشتِ خاک ہونے کے باوجود خودی کے ذریعے اپنے اندر تینوں مرحلوں سے ترقی پاتا ہے اور بالآخر نیابتِ الٰہی کا حقدار بن جاتا ہے اور پوری کائنات پر حکمرانی کرتا ہے۔

نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است
ہستیٔ اُو ظلِ اسمِ اعظم است
(نائبِ حق اس کائنات کی جان کی طرح ہے، اس کا وجود اسمِ اعظم کا سایہ ہے اور اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات منعکس پاتا ہے)

نائبِ حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمراں بودن خوش است
(اس دنیا میں نائبِ حسن ہونا اور عناصر پر حکمرانی کرنا کیا خوب بات ہے)

تمہید ''اسرار و رموز'' میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ خودی کی زندگی مقاصد کی تخلیق و تولید سے ہے۔ جستجو ہی زندگی کا نور ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ نظامِ کائنات کی

Marfat.com

بنیاد خودی ہے۔

طاقتِ پرواز بخشد خاک را خضر باشد موسیٰ ادراک را

(آرزو خاک کو طاقتِ پرواز دیتی ہے۔ ہمارے ادراک کے لیے آرزو اسی طرح راہبر ہے جس طرح موسیٰؑ کے لیے خضرؑ راہبر بنے)

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی است ہر چہ می بینی ز اسرارِ خودی است

(زندگی کا وجود خودی کے آثار (نشانات) میں سے ہے جو کچھ تو دیکھتا ہے یہ خودی ہی کے اسرار کا اظہار ہے)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی مٹھی بھر خاک کی عظمت کو جبریل امیں کہاں پا سکتے ہیں۔ اس کی بلندیٔ نام تو ان کے مقام کی وجہ سے ہے۔ آدم کی جلوت میں تو چاند اور سورج چمک اٹھتے ہیں اور انسان کی خلوت تک تو جبریل امین کی بھی رسائی نہیں۔ انسان کی خاک عام خاک کی طرح نہیں اور نہ ہی اس کی خاک میں بے اختیار دل ہے۔ بلکہ انسان کا دل با اختیار بنایا گیا ہے کہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ حرم شریف تو نظروں کا قبلہ ہے اور اس کا طواف صرف ایک مکان کا طواف نہیں بلکہ انسان اور کعبہ میں کچھ ایسے راز پوشیدہ ہیں کہ جن کی جبریل امین علیہ السلام کو بھی خبر نہیں۔ ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں ایک باب 'مقامِ آدم' کے نام سے دیا گیا ہے جس میں آدم اور فرشتوں کے مقامات کے فرق کی مختصر وضاحت کی گئی ہے۔ درج ذیل اشعار بھی وہیں سے ماخوذ ہیں۔

باوجِ مشتِ غبارے کجا رسد جبریل بلند نامیٔ اُو از بلندیٔ بام است

(جبریل امین اس مشتِ غبار کی عظمت کو کہاں پا سکتے ہیں، ان کی بلند نامی تو بلندیٔ بام کے سبب ہے) (زع:۴۵۸)

آشکارا مہر و ماہ از جلوتش نیست رہِ جبریل را دَر خلوتش

(آدم کی جلوت سے مہر و ماہ آشکار ہیں اس کی خلوت تک جبریل کی بھی رسائی نہیں)

(ج ن:٦٥٦)

نہ خاکِ من غبارے رہگذارے نہ دَر خاکم دلِ بے اختیارے

(میری خاک کسی راہ گزر کی خاک نہیں اور نہ میری خاک میں کوئی بے اختیار دل ہے)

(زع:۵۳۸)

Marfat.com

حرم جز قبلۂ قلب و نظر نیست　　طوافِ اُو طوافِ بام و دَر نیست
(حرم محض قلب و نظر کا قبلہ نہیں ہے، اس کا طواف محض مکان کا طواف نہیں)
میانِ ما و بیت اللہ رمزیست　　کہ جبریل امیں را ہم خبر نیست
(ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان جو راز ہے اس سے جبریل امین بھی باخبر نہیں)
(ا ح:۹۸۶)

حکیمی نامسلمانی خودی کی

علامہ اقبالؒ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خودی کی دولت سے بھی مالا مال کیا۔ حکیمی کے معنی ہیں خرد کی باتوں پر استدلال قائم کرنا اور کلیمی کا مطلب ہے موسیٰ علیہ السلام جیسا شعار اختیار کرنا یعنی خودی کی ان صفات کو اپنانا جن میں مسلمان فرعون جیسے جابر حکمرانوں سے جنگ کرتا اور کلمۂ حق کو بلند کرتا ہے۔ ایسا شخص جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

انسان اگر عقل اور خرد پر کلی انحصار کرنا شروع کر دے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مسلمان نہیں (اسی لیے فرمایا: حکیمی نامسلمانی خودی کی) اور اگر انسان حکیمی صفات کا اظہار کرنے لگے اور جابر بادشاہوں کے سامنے بھی مقابلہ کرنے سے نہ گھبرائے تو وہ عظیم انسان ہے۔ اگر انسان فقیری میں بادشاہی کرنا چاہے تو وہ غریبی میں بھی خودی کی نگہبانی کرے۔ مراد یہ ہے کہ 'خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر'۔ ایسے لوگ جو غریبی میں بھی خودی کی حفاظت کرنا جانتے ہیں تو خودی کی یہ نگہبانی ان کو شہنشاہی کی منزل پر پہنچا دیتی ہے۔ جو عام شہنشاہی سے زیادہ طاقتور اور مضبوط ہے اور ایسے ہی ایک اور جگہ پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے　　زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں!
اگر زمانے میں میرا جوہر آشکارا ہوا　　قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں!
(ض ک:۴۸۲)

''بال جبریل'' کی وہ رباعی حسب ذیل ہے جس کا مفہوم اوپر بیان ہوا ہے:

Marfat.com

حکیمی نامسلمانی خودی کی کلیمی رمز پنہانی خودی کی
تجھے گر فقر و شاہی کا بتا دوں غریبی میں نگہبانی خودی کی
(ب ج:۳۸۱)

انسانوں کے کردار انہی اصولوں کے تحت بنتے اور بگڑتے ہیں۔

میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

علامہ اقبالؒ مسجد قرطبہ کے عشق سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ آپ نے اس مسجد میں ''مسجد قرطبہ'' کے نام سے ایک نظم لکھی۔ آپ کی دعا کا پہلا شعر یہی ہے، میری نماز اور میری نواؤں میں میرے جگر کا لہو ہے کیونکہ مسجد قرطبہ اہل صفا کی صحبت میں رہ چکی ہے۔

ہے یہی میری نماز، ہے یہی میرا وضو میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
صحبتِ اہلِ صفا، نور و حضور و سرُور • سرخوش و پُرسوز ہے لالہ لبِ آبجو!
(ب ج: ۳۸۳)

آپؒ نے ایک مقام پر فرمایا کہ جو چیز بھی عشق کے زیر اثر رہے گی اس پر خود آگاہی کے اسرار کھلتے ہیں، خواہ وہ عاشق غلام ہی کیوں نہ ہو۔ عطارؒ، رومیؒ، رازیؒ اور غزالیؒ جیسے بزرگ بھی اسی عشق کے زیر اثر اپنا نام ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے۔ اگر نماز یا عبادت بغیر عشق الٰہی کے ادا کی جائے تو ایسی عبادت سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

علامہؒ فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں مسلمانوں نے دین پر اپنی گرفت مضبوط رکھی تھی، اس وقت یہ میدانِ جنگ میں بھی نماز کو جانے نہ دیتے تھے مگر افسوس کہ پھر اپنا وہ حال نہ رہا۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے
(ب د: ۱۶۵)

Marfat.com

''بانگ درا'' میں 'شمع اور شاعر' میں علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو آئین خداوندی کی اتباع کے باعث دنیا میں وسیع حکومت دی گئی لیکن رفتہ رفتہ اپنے آئین کو چھوڑ کر وہ برہمن کی غلامی میں مبتلا ہو گئے۔

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر اُن کے مٹ گئے آبادیاں بَن ہو گئیں
سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

''بانگ درا'' میں تضمین بر شعر ابو طالب میں علامہ اقبالؒ اسی بے دینی کی زندگی کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلا رہے ہیں۔

خوب ہے تجھ کو شعارِ صاحبِ یثرب کا پاس
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
وہ نشانِ سجدہ جو روشن تھا کوکب کی طرح
ہوگئی ہے اس سے اب ناآشنا تیری جبیں!
دیکھ تو اپنا عمل، تجھ کو نظر آتی ہے کیا
وہ صداقت جس کی بیباکی تھی حیرت آفریں!

(ب د:۱۸۷،۲۲۱)

اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد جنوں اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ (تعظیمی) کریں۔

سجدۂ آدم کی غرض کیا تھی؟

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ سجدہ نہ تھا بلکہ صرف آدم کے سامنے سر جھکنے کا اظہار تھا۔ امام ابو موسیٰ نے بھی یہی لکھا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سجدۂ توجہ تھا اور زمین پر سر رکھ کر کیا گیا۔ اس میں آدم علیہ السلام مسجود الیہ تھے۔ چنانچہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اُسْجُدُوْا اِلَیَّ مُسْتَقْبِلِیْنَ اِلٰی وَجْهِ اٰدَمَ (اے فرشتو! آدمؑ کی طرف چہرہ کر کے مجھے سجدہ کرو)

بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ بے شک آدم علیہ السلام تمام فرشتوں کی وجہ سے افضل تھے۔ کیونکہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ فضیلت آدم علیہ السلام کے اعتراف کے طور پر تھا اور جو انہوں نے آدم علیہ السلام کے متعلق خیال آرائیاں کی تھیں اس کی معذرت کے طور پر سجدہ کرنے کا حکم تھا لیکن اگر سجدۂ توحید

Marfat.com

خیال کیا جائے جس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا اور آدم علیہ السلام قبلہ بنائے گئے تھے تو یہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ اس میں آدم کی فضیلت واضح نہیں ہوتی۔ جب کسی کو مسجود الیہ مان لیا جائے تو مسجود الیہ کا ساجد سے افضل ہونا ضروری نہیں جیسے کعبہ حضور ﷺ کا قبلہ تھا مگر آپؐ درجے میں کعبے سے افضل ہیں۔ (حضور ﷺ کی قبر مبارک کے وہ ذرات جو آپ ﷺ کے جسم کے ساتھ مس ہیں ہر چیز سے افضل ہیں حتیٰ کہ عرش سے بھی افضل ہیں۔ ''مدارج النبوۃ'') ایک مسلمان کا خون بھی ایک حدیث کے مطابق کعبہ سے افضل ہے۔

قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ سجدہ آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم اور اظہارِ فضیلت کے لیے تھا۔ ابن جریر اور صاحب ''معالم التنزیل'' نے بھی یہی لکھا ہے۔ بہرکیف یہ سجدہ عبادت کا نہ تھا۔ کیونکہ اگر یہ سجدہ خدا کو ہوتا اور آدم علیہ السلام محض قبلہ ہوتے تو شیطان اس سے انکار نہ کرتا۔ اس کے پاس سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہی تھی کہ اس نے خود کو آدم علیہ السلام سے بہتر سمجھا۔ (اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ) ایک اور جگہ بھی اس کا ذکر ہے کہ اس نے کہا هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ کہ یہ انسان ہے جس کو تو نے مجھ پر کرامت اور فضیلت دی۔

آدم علیہ السلام کو علم الاسماء دینے سے مراد

آدم علیہ السلام کے لیے ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ'' (البقرۃ:۳۱) کا لفظ آیا ہے یعنی ان کو تو مکمل علم دیا گیا لیکن فرشتوں سے کہا کہ چلو تم ان چیزوں کی خبر دے دو۔ یہاں ''اَنْۢبِـُٔوْنِیْ'' کا لفظ آیا ہے جو ''علم'' سے ادنیٰ ہے۔ آدم علیہ السلام کے لیے ''الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' تھا یعنی تمام چیزوں کے نام اور یہاں ''بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ'' کہا گیا یعنی جو چیزیں سامنے ہیں ان کے نام ہی بتاؤ۔

''اسماء'' اسم کی جمع ہے جس کے معنی وہ لفظ یا علامت ہے جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔ علماء نے اس سے مراد ملائکہ کے نام یا نسل آدم علیہ السلام کے نام یا لغات کا علم یا اسمائے الٰہی کا علم لیا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے ''عَلَّمَ مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ'' یعنی ان تمام اشیاء کا علم جو اس وقت کائنات میں تھیں اور قیامت تک آنے والی تھیں، مراد لیا ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے ہر چھوٹی بڑی چیز کا علم لکھا ہے۔ احادیث میں اس سے مراد ہر شے کا علم لیا گیا ہے۔

Marfat.com

"عَلَّمَ" کا معنی آہستہ آہستہ علم دینا ہے۔ حضرت آدمؑ کو ایمانیات کا علم ان کی پیدائش سے پہلے ہی دیا ہوا تھا، جیسے کہ مرغی کا بچہ انڈے سے باہر نکلتے ہی ٹھونگیں مارنا شروع کر دیتا ہے یا انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی دودھ پینا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی جب چھینک آئی تو آپ نے "الحمدللہ" کہا جس میں خدا کی ذات اور صفات کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ ساقِ عرش پر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا حضرت آدم علیہ السلام نے پڑھ لیا اور اس کا مطلب بھی سمجھ لیا۔

امام راغب اصفہانیؒ نے لکھا ہے کہ اشیاء کا صرف نام بتانا ہی کوئی کمال نہیں بلکہ آدم علیہ السلام کو ان کے صفات وخواص وافعال کی معرفت بھی عطا کی گئی تھی کیونکہ دنیا میں آ کر انہوں نے خلیفہ کے فرائض انجام دینا تھے اور محض ناموں کا جاننا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

تفسیر "البیضاوی" میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو مختلف اجزاء اور متفرق قویٰ سے پیدا کیا۔ اس میں یہ صلاحیت اور استعداد رکھی گئی کہ وہ طرح طرح کے مدرکات کو خواہ وہ عقل سے جانے جاسکتے ہوں یا حواس سے یا تخیل یا قوتِ واہمہ سے، اپنے علم میں لا سکے۔

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ انسان کے علم میں یہ ملکہ تھا کہ جس سے وہ طرح طرح کی چیزیں تیار کر سکے۔ جیسے ریڈیو، ٹی وی، جہاز، راکٹ وغیرہ۔

علماء نے "عَلَّمَ" پر بہت طویل گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی حد مقرر نہیں کی جاسکتی اور اس میں بے بہا علوم شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انسانوں کے لیے چھوڑ دیا کہ اس پر غور کریں۔ تفسیر "روح البیان" میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانوں کا علم تھا اور ایک ہزار پیشوں میں خوب ماہر تھے۔ شہروں، گاؤں، جانوروں، پرندوں، چرندوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے مگر یہ سب حضور ﷺ کے علم مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہ تھا۔

بنی آدم کو فساد کے ساتھ علم وآگہی کی عطا

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ خیر وکمال کے ساتھ نقص بھی چاہیے۔ حسن وجمال کے لیے نقص کا آئینہ درکار ہے اور آئینہ شے کے مقابل ہوتا ہے لہٰذا خیر کے لیے شر اور کمال کے لیے نقص کا آئینہ ضروری ہے۔ ہر وہ شے جس میں نقص اور شرارت زیادہ ہو

Marfat.com

گی وہ خیر اور کمال کی نمائندگی بھی زیادہ کرے گی۔ اس طرح اس ملاپ نے مدح کے معنی پیدا کر دیئے اور یہ شر، خیر و کمال کا محل بن گیا۔ اسی لیے مقامِ عبدیت تمام مقامات سے بلند ہے کیونکہ یہ معنی عبدیت میں اتم اور اکمل ہیں۔ یہ مقام محبوبوں کے لیے خاص ہے۔

اگر انسان کو فساد اور خونریزی کے ساتھ علم اور آگہی نہ دی جاتی تو وہ فساد اور ظلم کا منبع قرار دیا جاتا لیکن منشاءِ الٰہی تھا کہ یہ جنگ و جدال کے باوجود شر کی طاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہوگا اور ظلم و استحصال کے خاتمہ کے لیے انقلابی جدوجہد کرے گا اور اعلائے کلمہ حق کی خاطر جان کی بازی بھی لگا دے گا۔ جو کفر میں تیز ہوتا ہے وہی اسلام میں بھی تیز ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کے خلاف نازیبا حرکت کرنے والوں کے لیے تلوار سونت لیتے تھے۔ غازی علم دینؒ شہید نے ایک لحظہ میں راج پال کی گردن اڑا دی۔ پاکستان کی تعمیر میں ان غنڈوں اور فتنہ فساد کرنے والوں نے ہی اپنے علاقوں سے ہندوؤں کو نکال باہر کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر خونریزی اور جنگ و جدال کسی قوم میں موجود نہ ہو تو ان کی شخصیت دائمی طور پر ناقص رہ جاتی ہے اور پسماندہ قوموں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اسی لیے جہاد کو اسلام میں ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عرب کی جاہل قوم پر جب خیر و شر میں تمیز کا فرق ظاہر کیا گیا تو وہ دنیا میں سب سے بہترین قوم بن گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اے فرشتو! تم کامل عابد اور انسان کامل عالم ہے۔ عابد کے لیے محراب ہے اور عالم کے لیے خلافت کا تخت و تاج ہے۔ تمہارا تعلق عالم ارواح سے ہے اور آدم کا تعلق عالم اجسام اور ارواح دونوں سے ہے۔ تمہاری عبادت جبری ہے مگر آدم کی عبادت اختیاری ہے اور تمہاری خوراک ہی عبادت ہے، تمہاری عبادت میں کوئی چیز حائل نہیں، مگر ان کی عبادت میں ہزاروں مشاکل، مراحل اور مشاغل حائل ہوں گے اور یہ لوگ ان سب پر لات مار کر میری اطاعت کی طرف آئیں گے۔ اس لیے ان کا ایک سجدہ تمہارے ہزاروں سجدوں سے افضل ہوگا۔ تم میں کوئی گنہگار نہ ہوگا۔ چنانچہ ان کے لیے میری شان ستّاری اور غفّاری ظاہر ہوگی۔ ان (انسانوں) میں بے شک شہوت اور غصہ ہوگا مگر جب یہ میرے لیے ہوگا تو بڑے بڑے نتیجے اخذ ہوں گے۔ ان کے دل میں میرا عشق ہوگا اور ابراہیم علیہ السلام جیسے عاشق، ایوب علیہ السلام جیسے صابر اور

Marfat.com

معروفؒ کرخی، بایزیدؒ بسطامی، جنیدؒ بغدادی، ابوالحسنؒ خرقانی جیسے عارفِ کامل ہوں گے۔ یہ وہ عبادات کریں گے جو تم نہیں کر سکو گے۔ یہ بھوکے رہ کر روزہ رکھیں گے، مسافر بن کر حج کریں گے، غازی اور شہید بنیں گے، میرے قرآن کے مطابق فیصلے کریں گے، ان کے ایک ایک سانس میں میرا ذکر ہوگا، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی بن کر اس کے جاں نثار بنیں گے۔ ان کے طفیل تمہیں ہزار عبادتیں نصیب ہوں گی تم میں سے کوئی وحی لے کر جائے گا اور کوئی جہاد میں شریک ہوگا اور کوئی اعمال نامے لکھے گا اور کوئی ان کی حفاظت کرے گا اور کوئی حج میں ان کے ساتھ شریک ہوگا۔

آدم علیہ السلام کا علم دیکھ کر فرشتوں کی کیفیتِ وجد

ابتدا میں عالم اجسام، عالم ارواح سے الگ تھا۔ عالم امر اور خلق میں رابطہ بھی نہ تھا۔ فرشتے اور جن ان عوالم سے بے نیاز تھے، حق تعالیٰ کی بہت سی صفات ابھی ظاہر نہ ہو سکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ منشا تھا کہ ایسا خلیفہ بنایا جائے جو ملک کو ملکوت سے، خلق کو امر سے، ظلمت کو نور سے، غم کو سرور سے، پست کو بالا سے، رحمت بالا کو سکان زمین سے، ظاہر کو باطن سے ملا دے۔ اس میں ارض وارضیات، دین و دنیا، جمادات اور حیوانات، ملکوت اور ملکوتیات سب جمع ہوں۔ یہ خلیفہ ایسا ہو کہ اپنے وجود سے رب کے وجود (پایا جانا)، اپنی وحدانیت سے رب کی وحدانیت، اپنی زندگی سے خدا کا اثبات، قدرت اور اس کا ارادہ، سمع، بصر، کلام اور علم کو ظاہر کرے۔ فرشتوں کو کیا علم تھا کہ اس مٹی کے چراغ میں اللہ تعالیٰ کی نورانیت کا روغن ہوگا۔ وہ چراغِ قلب کے فانوس میں ہوگا اور وہ فانوس اس کے جسم کے طاق میں ہوگا جس میں اسرارِ الٰہی کی بتی روشن ہوگی۔ اس کو عقل کا نور دے کر نورٌ علیٰ نورٌ کر دیا جائے گا، جس سے اللہ تعالیٰ کی تمام صفاتِ عدل، احسان، محبت، عزت، رحمت، غلبہ، غضب اور انتقام وغیرہ ظاہر ہوں گی۔ علامہؒ فرماتے ہیں۔

تُو نے یہ کیا غضب کیا، مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

(ب ج: ۲۹۷)

فرشتوں نے جب دریافت کیا کہ الٰہی آدم علیہ السلام میں وہ کیا ہوگا جو ہم میں نہیں، اس وقت تو انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ اِنِّیٓ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ (البقرۃ:

Marfat.com

۳۰) (میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) پھر خلیفہ میں روح ڈال کر اپنی تجلیٔ ذات ڈالی اور تین قسم کے علوم دیئے۔

۱) روحانیت اور ملکوتیات (جس کی کسی قدر فرشتوں کو بھی خبر تھی)

۲) جسمانیات (جس سے فرشتے ناواقف تھے) تاکہ یہ خلیفہ دنیا میں جائے تو قدرت والا بھی ہو، اور پورا عالم اس کے سامنے جھک جائے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار خلیفہ کی طاقت سے تھا۔

۳) الٰہیات (جو فرشتوں کے وہم سے بالا تھا) کا علم عطا کیا۔ جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی ایک جھلک دیکھی تو ان پر حالت وجد طاری ہو گئی۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پیدائش کے فوراً بعد ہی علم الاشیاء کا مظاہرہ کیا تو ان پر ایک عجیب وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ علامہ اقبالؒ نے خاکی اور نوری مخلوق میں جو فرق بیان کیا ہے وہ ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں مقامِ آدم علیہ السلام کے باب میں مطالعہ فرمائیں۔

جبریلؑ حضرت آدم علیہ السلام پر رشک کرتے ہیں

انسانوں کو جو دُکھ درد ملا ہے اس کا احترام انسانوں کے دلوں میں نہیں۔ عبد اللہ بن مبارکؒ کے پاس ایک آدمی غربت کی شکایت لے کر آیا اور کہا کہ میرے لیے دعا کریں کہ یہ غربت ختم ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جب تیرے پاس کچھ نہ ہو اور تیری بیوی و بچے تجھ سے کھانا مانگیں اور تو کسی سے قرض بھی نہ لے سکے تو اس وقت اپنے لیے دعا کرنا، تمہاری دعا قبول ہو گی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے انسان کے دکھ درد، سوز و غم اور مصائب میں آنے والے انسانوں کی آہ و فغاں کی لذت کو محسوس کر کے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ الٰہی! مجھے فرشتوں کی یہ طاقت اور تجلیات دیکھنے کی خواہش نہیں۔ مجھے تو انسانوں جیسی لذتِ آہ و فغاں عطا کر۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

بنالد از مقام و منزلِ خویش   بہ یزداں گوید از حالِ دلِ خویش

(جبریل علیہ السلام اپنے مقام و منزلت پر روتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کا حال

Marfat.com

کہتے ہیں)

تجلی را چناں عریاں نہ خواہم نہ خواہم جز غم پنہاں نہ خواہم

(الٰہی میں تجلیات کو اس طرح عریاں نہیں دیکھنا چاہتا، میں تو انسان جیسے غمِ پنہاں کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا)

مرا ناز و نیازِ آدمے دہ بہ جانِ من گدازِ آدمے دہ

(مجھے تو آدمی جیسا ناز و نیاز عطا فرما، میری روح کو انسان جیسا گداز عطا فرما)

درونِ سینۂ آدمی چہ نور است چہ نور است ایں کہ غیب او حضور است

(انسان کے سینے میں یہ کیا نور ہے۔ یہ نور کیسا ہے کہ ان کے مغیبات بھی حضور کی طرح ہیں)

گہے نارش ز برہان و دلیل است گہے نورش ز جانِ جبریل است

(کبھی اس کے دل میں برہان و دلیل کی آگ ہوتی ہے کبھی اس کا نور جبریل کی روح سے ہوتا ہے)

چہ نورے جاں فروزے سینہ تابے نیرزد باشعاعش آفتابے

(یہ نور کیا ہے جو روح افزا اور سینہ گرما دیتا ہے اس کی ایک شعاع کے سامنے سورج ہیچ ہے) (ز ع: ۵۳۹، ۵۴۰)

ما ہنوز اندر ظلامِ کائنات اُو شریکِ اہتمامِ کائنات

(ہم ابھی تک کائنات کے اندھیروں میں پڑے ہیں اور وہ انتظامِ کائنات میں شامل ہے)

(ج ن: ۷۹۵)

آزاد مرد کی ایک یہ علامت ہے کہ اس کے دل و دماغ میں خدا شناسی اور خود شناسی کے اس قدر جذبات ہوتے ہیں کہ جب وہ سجدے میں سر رکھتا ہے تو آسمان اس کا طواف کرنے لگ جاتا ہے۔

مردے آزادے چوں آید در سجود در طوافش گرم رو چرخِ کبود

(آزاد مرد جب سجدے میں گرتا ہے تو یہ نیلا آسمان اس کے طواف میں گرم ہو جاتا ہے)

ما غلاماں از جلالش بے خبر از جمالِ لازوالش بے خبر

(ہم غلام ایسے مرد کے جلال اور اس کے لازوال جمال سے بے خبر ہیں)

(پ چ: ۸۳۳)

Marfat.com

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو وہ سجدہ جس میں ہے ملّت کی زندگی کا پیام!
(ض ک:۶۲۱)

محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید آزاد کا دل زندہ و پُرسوز و طرب ناک
آزاد کی دولت دلِ روشن، نفسِ گرم محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نم ناک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش وہ بندۂ افلاک، یہ خواجۂ افلاک
(ا ح:۶۸۲)

جو کچھ غلامی سے متعلق بیان ہو چکا ہے اس کا علاج افرادِ ملت کی نمود و لذتِ نمود میں ہے۔ خودی پر علامہ اقبالؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے تاکہ ان کو اپنی صلاحیتوں کا علم ہو سکے۔ افسوس ہے کہ مسلمان کے لیے جدید اور ضروری علوم حاصل کرنے کا وقت نہیں ہوتا جبکہ وہ تمام عمر لغو اور بیہودہ اشغال میں وقت ضائع کر دیتا ہے۔ مغرب کے لوگ اپنے نفع و نقصانات کی تجارت سے باخبر ہیں مگر مشرق کے لوگ راہبوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہتے ہیں اور اپنی ناکامی کو اس بات سے ٹال دیتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں یہی کچھ تھا۔

سنا ہے میں نے کہ غلامی سے امتوں کی نجات خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے
(ض ک:۶۲۲)

ضمیرِ مغرب ہے تاجرانہ، ضمیرِ مشرق ہے راہبانہ وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ، یہاں بدلتا نہیں زمانہ
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی؟ عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ
(ا ح:۶۸۷)

Marfat.com

باب ۲۲

اعلیٰ نوعیت کی نماز کے لیے غور طلب نکات

(نماز میں پرواز)

نماز دین کا ایک ایسا اہم رکن ہے کہ جس میں اسلام کے باقی ارکان بھی کسی حد تک شامل ہیں۔ نماز کو اس کے حقوق ادا کرتے ہوئے پڑھنا نماز میں اعلیٰ پرواز حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ نماز میں روزہ بھی شامل ہے کیونکہ روزہ دار اگرچہ لوگوں سے کلام کرسکتا ہے مگر نماز میں کلام، کھانا، پینا اور ہر عمل سے روکا گیا ہے۔ نماز میں حج کے اثرات بھی حاصل ہوتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نمازی اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار کے پردوں سے فیض حاصل کرتا ہے اور خانہ کعبہ کے انوار سے وافر حصہ حاصل کرتا ہے۔ (دیکھیں ہماری تصنیف ''حسن نماز'' میں ابواب کعبۃ اللہ) اس نماز میں زکوٰۃ بھی شامل ہے کیونکہ نماز ادا کرنے سے جسم کے ہر جوڑ کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ (الحدیث)

نماز کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) اسلام میں اس کا سب سے افضل، پسندیدہ اور اہم ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں اور اسی لیے اس کو تمام

Marfat.com

عبادات کی پیش رَد کہا گیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ نماز تمام عبادات کی جامع ہے اور یہ وہ جزو ہے جس نے جامعیت کے سبب کُل کا حکم پیدا کرلیا ہے۔ یاد رہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ نماز کا فرض ''مخلوق سے تعلقات کو توڑنا، قصد کا جمع کرنا اور اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔'' قرآن مجید اور احادیث میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں ہی ہوسکتا ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر نماز کا حکم اس دنیا میں نہ ہوتا تو چہرۂ مقصود سے نقاب کون اٹھاتا اور طالب کی مطلوب تک رہنمائی کون کرتا۔

مذکورہ بالا نکات اور دیگر بہت سی باتیں جو نماز کا خاصہ ہیں، کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے باقی ماندہ ارکان کی فرضیت محض آیات کے نزول کے ساتھ وابستہ رکھی اور نماز کی فرضیت کو واضح کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کے شرف سے ہمکنار فرمایا اور وہاں بلا کر نماز کی فرضیت کا حکم عطا فرمایا۔ اسی اہمیت کے پیش نظر نماز پڑھ لینے پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو نماز ادا کرنے کا طریقہ تعلیم کیا اور اُمت کے خواص اُمت کے عوام کو نماز ادا کرنے کا طریقہ آج بھی سکھاتے آرہے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی اہمیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے وہ نماز کو سیکھنے کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتے اور نماز کی ظاہری صورت پر اکتفاء کر لیتے ہیں مگر نماز میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ امت مسلمہ کی بہت بڑی تعداد تو نماز کو کبھی کبھی رسمی طور پر ادا کرتی ہے اور اس کی برکات اور روحانی ثمرات سے محروم رہتی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے نمازی کے لیے تین خصوصی عزتوں کا ذکر فرمایا (جو احادیث میں بھی مذکور ہیں) ایک یہ کہ جب نمازی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو سر سے لے کر آسمان تک رحمت الٰہی کی گھٹا چھا جاتی ہے۔ اور نیکیاں بارش کی طرح برسنے لگتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ فرشتے نمازی کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے ہیں اور تیسرے یہ کہ جب نمازی نماز کے لیے نیت باندھتا ہے تو رب العالمین سامنے آجاتا ہے اور ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے نمازی! اگر تو دیکھ لے کہ تیرے سامنے کون ہے اور کس سے ہمکلام ہے (اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ: ۴) وغیرہ) تو خدا کی قسم قیامت تک نماز کا سلام نہ پھیرے اور نماز کی حالت میں ہی مر جائے۔

Marfat.com

شاہین کا جہاں اَور ہونے سے علامہ اقبالؒ کی مراد کیا ہے؟

یہ ایک جگہ مضمون میں بیان ہو چکا ہے کہ ''شاہین کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور'' اس کے علاوہ علامہ اقبالؒ کا یہ شعر بھی ہے کہ ''مُلاَّ کی اذان اور ہے، مجاہد کی اذان اور'' ان دونوں اشعار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ مُلاَّ کی اذان اور مجاہد کی اذان میں فرق ہے مگر قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان دونوں مصرعوں میں ''اور'' کا لفظ کیا ظاہر کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس ''اور'' کو اگر کوئی حاصل کرنا چاہے تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ یعنی اس منزل پر پہنچنا کیسا اور کیونکر ہے؟

اگر کوئی اس ''اور'' کو سمجھ لے تو اس کے لوازمات کو مہیا کرنا بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا اس کا مطلب سمجھ لینا مشکل ہے۔ اس کتاب میں اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ یہ دونوں مقاصد یعنی ''اور'' کو سمجھ لینا اور اس کیفیت کو حاصل کرنا کس طرح ممکن ہے۔

یہاں یہ بات اعادے کے طور پر بیان کی جا رہی ہے اگرچہ ایک الگ مضمون میں بھی اسے تفصیل سے سمجھا دیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص مسجد کی طرف جاتا ہے اور نماز پڑھتا ہے مگر اس کو اس نماز کا رائی کے برابر اجر ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دوسرا شخص بھی مسجد میں جاتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے مگر اس کو اس نماز کا اجر احد کے پہاڑ کے برابر ملتا ہے (یعنی ارب ہا گنا ثواب ملتا ہے) آپ ﷺ نے اس فرق کے بارے میں فرمایا ہے کہ بشرطیکہ وہ (دوسرا شخص) اس سے زیادہ عقل مند ہو۔ عقل مندی کی آپ ﷺ نے تشریح فرمائی کہ عقل مند وہ ہے جو ان دونوں میں زیادہ حرام سے بچے اور نیک کاموں کا زیادہ آرزومند ہو خواہ عمل اور نوافل میں اس سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عقل کی تقسیم لوگوں میں بہت مختلف ہے۔ نیکیاں لوگوں کی برابر ہو سکتی ہیں مگر عقل میں اتنا فرق ہوتا ہے جیسے کوہِ احد اور ذرّہ میں فرق ہے۔ (الکنز المدفون للسیوطی: ص ۳۶۶)

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ عقل مند آدمی اپنی عقل کا استعمال کر کے ایسی نماز پڑھ سکتا ہے جس کو علامہ اقبالؒ نے ''اور'' قسم کی ہونا ظاہر کیا ہے۔ زیادہ تر اشخاص عام عقل کے حامل ہوتے ہیں۔ اس لیے جو شخص عقل میں خاصیت کا درجہ رکھتا ہے اس کی نماز بھی درجۂ خاصیت کی متحمل ہو گی۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ ایک تانگہ

Marfat.com

چلانے والے کو زیادہ عقل کی ضرورت نہیں ہوتی مگر ایک بہت اعلیٰ نوعیت کا جہاز چلانے والا ایک غیر معمولی عقل والا انسان ہی ہو سکتا ہے اور ایسا شخص جو جہاز چلانے کے لیے منتخب ہوتا ہے اسے ایک اچھا خاصا عرصہ جہاز چلانے کی تربیت دی جاتی ہے کیونکہ اگر اس نے جہاز رانی میں ایک سیکنڈ کے عرصے کے لیے بھی کوئی معمولی سی غلطی کی تو کروڑوں روپے کے جہاز کے ساتھ ساتھ اس کی اور اس کی سواریوں کی جان بھی جا سکتی ہے۔ تانگہ بان اور جہاز ران کی عقل میں بہت زیادہ فرق ہونا درکار ہوتا ہے۔ اسی لیے ایک عام آدمی کی نماز اور ایک خاص آدمی کی نماز میں بھی اتنا یا اس سے زیادہ فرق ہونے کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبالؒ جب اندلس میں پہنچے تو انہوں نے مسجد قرطبہ میں داخل ہونے کے لیے پروفیسر آرنلڈ کی معرفت حکومتِ ہسپانیہ سے اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا تاکہ وہ مسجد قرطبہ میں چند نوافل پڑھ سکیں۔ آپؒ کو یہ اجازت اس شرط پر دی گئی کہ آپ کے مسجد کے اندر داخل ہونے پر مسجد کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے کیونکہ عرصہ سات سو سال سے نہ تو وہاں کسی کو اذان دینے اور نہ ہی کسی کو نماز ادا کرنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ نے مسجد قرطبہ میں داخل ہو کر اذان بھی دی اور دو نفل بھی ادا کیے (ان کی یہ تصویر کئی کتابوں میں دکھائی گئی ہے) علامہ اقبالؒ نے فرمایا ''مجھ پر دورانِ نماز اس قدر رِقت طاری ہو گئی کہ میں گریہ وزاری برداشت نہ کر سکا اور جب میں سجدے میں پہنچا تو بے ہوش ہو گیا۔'' اس مسجد میں آپ کی یہ نماز سات سو سال کے بعد ادا کی جانے کے باعث آپ پر عجیب کیفیتِ گریہ وزاری طاری ہو گئی۔ ایسی کیفیت کا حاصل ہونا صرف خواص کا ہی حصہ ہے۔ بزرگوں کی نمازوں میں ایسی کیفیات وارد ہونے کا تذکرہ اولیائے کرام کی سوانح حیات میں اکثر ملتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق ہم اپنی تصنیف ''جنیدؒ و بایزیدؒ'' میں صفحہ ۱۴۷ پر نقل کر چکے ہیں کہ ایک بار آپ کے مریدوں نے دیکھا کہ آپ کی نماز کی جگہ کے قریب ایسا تازہ خون پڑا ہوا تھا کہ جیسے بکرا ابھی ذبح کیا ہو۔ آپ کے مریدوں نے کہا کہ حضرت رات کی کیفیت کچھ ہم کو بھی بتلایئے۔ شاید ہم کو بھی کچھ فائدہ پہنچے۔ آپ نے فرمایا کہ رات کو میں نے نماز کی نیت باندھی اور جب میں عرشِ الٰہی کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ عرشِ الٰہی ہانپ رہا تھا جیسے کہ جانور تھک کر ہانپنے لگتا ہے تو میں نے عرش سے پوچھا کہ میرے محبوب (یعنی رب العالمین) کا پتہ بتا کیونکہ ہم کو بتایا گیا ہے کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ

Marfat.com

اسْتَوٰی۝ ''(طٰہٰ: ۵) (وہ بے حد مہربان (کائنات کی فرماں روائی کے) تخت پر متمکن ہوا)، عرش نے جواب دیا کہ اے بایزیدؒ! تم کو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے مگر عرش سے یہ کہا گیا ہے کہ رب العالمین مومنین کے پاس ہے۔ عرش کی یہ بات سن کر مجھ پر وجد اور بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی۔

راقم الحروف گورنمنٹ کی طرف سے لیبیا گورنمنٹ کے ساتھ رئیس المتنبئین (Chief Forecaster) کے طور پر کام کر رہا تھا اور وہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک صاحبِ حلقہ نے بیان کیا کہ ان کے تین برادر نسبتی کراچی میں رہتے ہیں اور رات کو الگ الگ کمروں میں عبادت کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ رات کے آخری حصے میں ان کے کمروں سے عجیب عجیب آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ کوئی چیخیں مار کر روتا اور کوئی دیواروں میں ٹکریں مار کر چلاّ تا ہے۔ غرض کہ ان کی چیخ و پکار کی آوازیں رات کے آخری حصے میں سنائی دیتی ہیں۔ جب غلبۂ حال طاری ہو جائے تو لوگوں پر ایسی کیفیات کا طاری ہونا بڑی بات نہیں۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عاشق لوگ عبادت سے پہلے اپنے اوپر ایک خاص کیفیت طاری کرنے کا اہتمام کرتے ہیں جیسا کہ حضرت معین الدین چشتیؒ کے پیر حضرت عثمان ہارونیؒ نے ایک نظم لکھی ہے (جس کو ہم نے اپنی کتاب ''سوز و سازِ رومیؒ'' کے باب 'وادیٔ عشق' میں نقل کیا ہے) آپؒ فرماتے ہیں:

نمی دانم کہ آخر چوں دمِ دیدار می رقصم مگر نازم باایں ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم

(میں نہیں جانتا کہ میں دیدارِ یار ہونے پر کیوں رقص کرتا ہوں مگر مجھے اس ذوق پر ناز ہے کہ میں اپنے یار کے سامنے رقص کرتا ہوں)

اسی طرح کچھ لوگ شغلِ مے میں بھی اپنی پیشانی کو سجدہ ریز رکھتے ہیں جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

ہے عجب مجموعۂ اضداد اے اقبالؔ تو
رونقِ ہنگامۂ محفل بھی ہے، تنہا بھی ہے
ہم نشیں تاروں کا ہے تو رفعتِ پرواز سے
اے زمیں فرسا! قدم تیرا فلک پیما بھی ہے
عین شغلِ مے میں پیشانی ہے تیری سجدہ ریز
کچھ ترے مسلک میں رنگِ مشربِ مینا بھی ہے
(ب د: ۱۲۲)

Marfat.com

ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' میں صفحہ نمبر ۲۴۹ پر اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ نماز کی کیفیت کا پیدا کرنا لوازماتِ نماز میں سے ہے۔ کچھ بزرگ قوالی کے ذریعے کیفیت پیدا کرتے ہیں اور کچھ قرآن پڑھنے یا ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے سے نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے چند باتیں الگ مضمون میں اپنے آپ کو نماز کے لیے تیار کرنے کے لیے (تین چار صفحات کے بعد) بیان کی جا رہی ہیں۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ نماز کتنی بڑی عبادت ہے مگر ہم نے نماز کو معمولی سمجھ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری بھاری اکثریت نماز کی نعمت اور اس کے ثمرات سے محروم ہے۔ اس محرومیت کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں دولت کی ریل پیل حاصل کرنے کا نشہ بڑے زور و شور سے چل رہا ہے اور تقریباً ہر گھرانے میں بچوں کو چشمہ ہلت سے پانی نہیں مل سکا۔ اس مضمون کو انشاء اللہ دوسری جگہ بیان کیا جائے گا جسے نماز کی فضیلت اور اہمیت معلوم کرنا ہو وہ ہماری تین کتابیں ''نشانِ منزل''، ''حسنِ نماز'' اور ''اقامۃ الصلوٰۃ'' کا مطالعہ کرے۔ ان کتابوں میں بہت دلچسپ معلومات شامل کی گئی ہیں جن کے مطالعے سے لاکھوں مسلمان نمازی بن چکے ہیں۔ لیکن لاکھوں نمازیوں کا اندازہ ہماری کل آبادی کا 0.000000001 فی صد کے قریب ہو گا۔

نماز کا مقام سمجھنے کے چند ضروری نکات

ذیل میں چند ضروری نکات درج کیے جا رہے ہیں تا کہ نماز میں بلند پرواز حاصل ہو سکے۔

۱) اہمیتِ نماز

نماز کی اہمیت کا کچھ ذکر تو گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے اور اس کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی نماز پر لکھی گئی تین کتب کا مطالعہ کیا جائے تو قارئین کو معلوم ہو گا کہ نماز ایسی عبادت نہیں کہ دل چاہے تو پڑھ لی اور اگر دل نہ کیا تو چھوڑ دی۔ یہ تو نماز کا مذاق اڑانے والی بات ہے یعنی جس کو اسلام نے بہت ضروری اور اہم قرار دیا ہے آپ اس کو معمولی سمجھ کر ٹال دیں۔

Marfat.com

نماز نہ ادا کرنے والوں کا حشر ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' میں مطالعہ فرمائیں۔ مسلمانوں کی دنیا میں ذلت اور ملکی تنزل صرف اس لیے ہے کہ لوگوں نے نماز (اور گویا اسلام) کو بھی ترک کر دیا ہے۔ اس کے ترک کرنے پر جو عتاب اور عذاب دینے کا ذکر قرآن اور احادیثِ رسول ﷺ میں ہے، اس کا خلاصہ راقم الحروف کی مذکورہ تین کتابوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔

۱) اس بات کا مطالعہ کہ خدا ہم سے کیا چاہتا ہے؟

آج کا زمانہ تخصص فی العلم کا ہے۔ چنانچہ ہر بات کی (specialisation) والی تہہ تک پہنچنا اسلام کی روح کو سمجھنے کا مقام رکھتا ہے۔ سیدھی سادھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کائنات کو چلانے کے قوانین وضع کیے ہیں ان کا علم حاصل کرنا انسان کی اپنی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے تاکہ اپنے لیے کھرے کھوٹے میں امتیاز کیا جا سکے اور جس چیز میں ہمارا نقصان ہو اس کو ترک کر دیا جائے۔

ہماری تصنیف ''حضورِ قلب'' کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو کیوں پیدا کیا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی دوست و ساتھی چاہتا ہے اور وہ دوست و ساتھی انسان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی انسان سے دوستی کا ہونا اتنا ہی عجیب ہے جیسے کسی بے انتہا بڑی طاقت کا کسی کمزور ترین ہستی سے تعلق کا قائم کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دوستی پیدا کرنے کی راہ میں بہت سی مشکلات حائل تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا اور انسان کو فرمایا کہ اب آؤ، جس کا دل چاہے ہم سے دوستی لگا سکتا ہے۔ (ولی کا مطلب دوستی لگانے کے ہیں) اس دوستی کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اگر خدا سے محبت کرے تو وہ تمام کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے۔ اپنا حکم ہر جگہ اور ہر کائناتی شے پر چلا سکتا ہے مگر اس کی شرط یہ ہے کہ بندہ کلی طور پر خدا کا بندہ بن جائے اور دنیا کی تمام عیاشیوں کو اللہ کی محبت کی خاطر چھوڑ دے۔ مختصر یہ کہ انسان کی نظر سوائے اللہ کے اور کسی کی طرف نہ اٹھے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کا یہ حال کر دیتا ہے کہ تم جدھر بھی رُخ کرو وہیں ذاتِ خداوندی پاؤ گے۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرۃ: ۱۱۵) یہ بات جو بیان کی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ کا رویہ اپنے ولیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس کا

Marfat.com

عاشق اس کی کائنات کا مالک بن جاتا ہے اور ہر طرف اس کا حکم چلتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

اللہ اللہ گفت، اللہ می شوی ایں کلامِ حق است، واللہ می شوی

(جو اللہ اللہ کہتا رہے گا خود اللہ میں فنا ہو جاتا ہے۔ یہ کلام درست ہے، خدا کی قسم ایسا ہی ہوتا ہے)

مولانا رومؒ کی مثنوی میں ایسے اسرار و رموز کا سمندر ہے کہ جس کی سمجھ اسی کو آ سکتی ہے جو اسے اعتقاد کے ساتھ مطالعہ کرے (راقم الحروف نے لوگوں کو مثنوی کی دولت سے مالا مال کرنے کی خاطر ایک کتاب ''سوز و سازِ رومیؒ'' لکھی ہے جو انشاء اللہ اس کتاب کے شائع ہونے سے پہلے عوام کے ہاتھوں میں آ جائے گی)

مختصر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اے انسان! میں نے تمام کائنات تیرے لیے بنائی ہے اور تجھ کو اپنے لیے بنایا ہے۔ تو اِدھر اُدھر منہ مارے گا تو کیا ملے گا؟ صرف چند ٹکے اکٹھے کرے گا اور جو دولت، عزت اور قوت میں تجھے دینا چاہتا ہوں اس کی کوشش کیوں نہیں کرتا۔ ایک بار ادھر آ کے تو دیکھ کہ میں نے اپنے بندوں کو کس کس طرح نوازا ہے۔

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز گرداند ز راہ

(اولیاء اللہ کو خدا کی طرف سے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ کمان سے نکلا ہوا تیر بھی واپس کر سکتے ہیں)

دنیا کی بادشاہی اللہ کی دوستی کے سامنے لاشے کی حیثیت رکھتی ہے۔ جن لوگوں نے اللہ سے دوستی لگائی ان کی حکایات مستند کتابوں میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔ صرف ایک قصہ ہی بیان کر دینا کافی ہے۔ وہ یہ کہ ابراہیم بن ادھمؒ ملک بخارا کے عظیم الشان بادشاہ تھے۔ (قصہ بہت طویل ہے) آپ نے شہنشاہی چھوڑ دی۔ ان کو ایک سینئر وزیر نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ایک دریا کے کنارے گودڑی پہنے اپنی گودڑی سی رہے تھے۔ اس وزیر نے دل میں سوچا کہ یہ شخص اتنا بڑا بادشاہ تھا اور اب یہاں فقیرانہ حال میں بیٹھا

Marfat.com

ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو اس کے دل میں آنے والے اس خیال سے آگہی ہوئی اور اس کو اپنے پاس بلایا۔ آپ نے اپنی سوئی کو دریا میں پھینک دیا اور کہا کہ الٰہی! میری سوئی مجھے لوٹا دی جائے۔ اتنے میں بے شمار مچھلیاں جن کے منہ میں سونے کی سوئیاں تھیں، نمودار ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ الٰہی! مجھے اپنی لوہے کی سوئی چاہیے، اتنے میں ایک مچھلی وہ سوئی لے کر آئی۔ آپ نے اس وزیر سے فرمایا کہ اب بتاؤ کہ وہ بادشاہی بہتر تھی یا یہ بادشاہی بہتر ہے۔ (مولانا رومؒ نے اس واقعہ کو مثنوی میں درج کیا ہے اور دیگر مستند کتب میں بھی اس کا ذکر ہے)

وہ درجات جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان کی ابتدا نماز کو ٹھیک ادا کرنے سے ہوتی ہے۔ جن کی نماز ٹھیک طریقے سے ادا ہو ان کی نماز بھی کچھ "اور" ہی ہوتی ہے، جیسے کہ "شاہین کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور"۔

III) اپنے آپ کو نماز کے لیے کیسے تیار کریں؟

منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اذان کی آواز سنتے تو اپنی چادر سے ہاتھ نکالتے اور فرماتے کہ جس چیز کا بوجھ اٹھانے سے زمین اور آسمان نے انکار کر دیا تھا اس بوجھ کے اٹھانے کا وقت آ گیا ہے۔ اکثر اولیائے کرام کا بھی یہی طریقہ تھا کہ نماز کے وقت سے پہلے ہی نماز کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیتے ہیں۔ بعض اولیائے کرام کے چہروں کی رنگت ہی بدل جاتی تھی۔ ایک حدیث شریف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ ہم سے ایسے لاتعلق ہو جاتے جیسے کہ وہ ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔

اس سے پہلے بھی یہ بیان ہو چکا ہے کہ کچھ لوگوں پر قوالی یا تلاوتِ قرآن سے یا ذکر الٰہی میں مشغول ہونے سے کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

IV) اپنی خودی پر توجہ کرنا سیکھیں

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب معراج پر گئے تو خدا کے سامنے ثابت اور استوار کے طور پر پیش ہوئے اور اپنی خودی کو باقی رکھا۔ مردِ کامل کو بھی یہی شان

Marfat.com

ہوتی ہے۔ انسان کے کامل ہونے کی پہچان یہ ہے کہ وہ خودی کی شمع کو بجھنے نہ دے اور (نما زمیں بھی) ذاتِ خداوندی کے سامنے اپنی ذات اور شخصیت کا اثبات کرے۔ ''ارمغانِ حجاز'' میں حضرت علامہؒ نے فرمایا۔

بیا بر خویش پیچیدن بیاموز بناخن سینہ کاویدن بیاموز
(اٹھ اور اپنے آپ پر توجہ کرنا سیکھ، اپنے ناخن سے اپنا سینہ زخمی کرنا سیکھ)
اگر خواہی خدا را فاش بینی خودی را فاش تر دیدن بیاموز
(اگر تو اللہ تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنا چاہتا ہے تو اپنی خودی کو فاش تر دیکھنا سیکھ)
(اح:۹۹۱)

حضرت علامہؒ فرماتے ہیں کہ خودی کا کمال اس کا فنا ہونا نہیں بلکہ اس کی بقا ہے۔ ''خطبات اقبالؒ'' میں ہے، ''اسلامی تصوف کے اعلیٰ مراتب میں اتحاد و تقرب سے یہ مقصود نہ تھا کہ متناہی خودی لامتناہی خودی میں جذب ہو کر اپنی ہستی فنا کر دے بلکہ یہ کہ لامتناہی کی آغوشِ محبت میں آ جائے۔'' (تشکیل... ص:۱۶۶)
یہ بات علامہ اقبالؒ نے ''اسرارِ خودی'' میں بھی کہی ہے:

در رضائش مرضیٔ حق گم شود ایں سخن کے باورِ مردم شود
(پھر اللہ کی رضا اس کی رضا میں گم ہو جاتی ہے، لوگ اس بات کو کیسے باور کریں گے)
(اسرار و رموز: ۶۲)

اپنی یادداشتوں میں اقبالؒ نے اس نکتے کو مزید واضح کیا ہے۔ ذاتِ الٰہیہ کے انسانی خودی میں جذب ہونے کے ثبوت میں اقبالؒ حدیثِ قدسی کا حوالہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں آسمانوں اور زمین میں نہیں سما سکتا لیکن اپنے بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔'' (احیاء العلوم: ج ۳، ص ۱۲، اتحاف السادۃ المتقین: ج ۷، ص ۲۳۴) وہ رومی کی مثنوی میں بیان کردہ ایک داستان نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے عہد طفلی میں جب حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس تھے تو کہیں کھیلتے کودتے گم ہو گئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ جب ان کی تلاش میں تھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی۔

Marfat.com

غم مخور تا یاوہ گردد اندرو بلکہ عالم یاوہ گردد اندرو
(غم نہ کرو کہ وہ گم ہو گئے ہیں، بلکہ یہ جہان ان کے اندر گم ہیں)

(۷ خدائی صفات کا امین بننا

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی حالت وصورت کے مطابق تخلیق فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (مکتوباتِ امام ربانی: ص ۷۷۷) لہٰذا انسان کو چاہئے کہ دورانِ عبادت وہ خدائی صفات کو جذب کرے اور ان کا امین بنے۔ علامہ ''زبورِ عجم'' میں خدا کے حضور اپنی دُعا میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کی مدد اور نصرت درج ذیل اشعار میں طلب کرتے ہیں تاکہ وہ اس میں حاضری کے قابل ہو سکیں۔

اے خدائے مہر ومہ خاکِ پریشانے نگر ذرّہ درخود فرو پیچد بیابانے نگر!
(اے مہر ومہ کے مالک! (ہم انسانوں کی) خاکِ پریشان کی طرف دیکھیے! ذرا اس بیابان پر نظر ڈالیے، اس کا ذرّہ ذرّہ اپنے اندر پیچ وتاب کھا رہا ہے)

شوید از دامانِ ہستی داغہائے کہنہ را سخت کوشی ہائے ایں آلودہ دامانے نگر!
(یہ بندہ اپنے دامنِ ہستی سے پُرانے گناہوں کو دھو رہا ہے، ذرا اس آلودہ دامن کی محنتِ سخت کو نگاہ میں رکھیے)

خاکِ ما خیزد کہ سازد آسمانے دیگرے ذرّہٗ ناچیز و تعمیر بیابانے نگر!
(ہماری خاک اُٹھتی ہے کہ نیا آسمان تعمیر کرے، دیکھیے کہ یہ ناچیز تعمیر بیابان کا حوصلہ لیے ہوئے ہے)
(زع: ۴۵۱)

مذکورہ بالا اشعار میں اپنے ماحول اور ارادۂ تعمیر کی تکمیل کے لیے دُعا مانگی جا رہی ہے تاکہ اللہ کی مدد اس کی نماز میں شامل ہو جائے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ یہ جہاں میرے تصور کا صنم خانہ ہے یعنی اس میں جو خیالی بُت بنائے جائیں وہ تصور قائم کرنے سے وابستہ ہے۔ اگر خدا کے جہان کا اندازہ کرو اور اس خدا کے جلوے دیکھنا چاہو تو اپنے تصورات میں اس کو موجود پاؤ گے تو اس کا مشاہدہ کر سکو گے۔ زمان ہو یا مکان یہ سب انسان کی شوخیٔ افکار سے نظر آ سکتا ہے۔

Marfat.com

چنانچہ نماز سے پہلے ان جلووں کا تصور کرنا ضروری ہے۔

ایں جہاں چیست؟ صنم خانۂ پندارِ من است جلوۂ اُو گروِیدۂ بیدارِ من است

(یہ جہاں کیا ہے، فقط میرے تصور کا صنم خانہ ہے، اس کا جلوہ صرف میری دید کا رہینِ منت ہے)

ہستی و نیستی از دیدن و نادیدنِ من چہ زمان و چہ مکاں شوخیٔ افکارِ من است

(اشیائے کائنات کا ہونا یا نہ ہونا میرے دیکھنے یا نہ دیکھنے پر موقوف ہے، زمان ہو یا مکان، سب میری شوخیٔ افکار کے مرہونِ منت ہے) (زع:۴۰۹)

علامہ اقبالؒ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ مجھے وہ طاقت اور قدرتِ بینائی عطا فرما کہ ہر چیز میرے سامنے مشہود ہو جائے، گویا کہ میں خود کائنات کی ہر چیز کا مشاہدہ کر سکوں۔ یہ جہاں ہماری روحانی تجلیات کے سوا کچھ بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور کے جلوے بھی ہماری اپنی تجلیات کے باعث نظر نہیں آ سکتے۔

تو اے شاہد مرا مشہود گرداں زفیضِ یک نظر موجود گرداں

(تو اے شاہد مجھے مشہود بنا، اپنی ایک نظر کے فیض سے مجھے موجود بنا)

جہاں غیر از تجلیہائے ما نیست کہ بے ما جلوۂ نور و صدا نیست

(ہماری تجلیات کے بغیر جہاں کچھ نہیں، ہمارے بغیر روشنی اور آواز کا کوئی اظہار نہیں)

(زع:۵۴۴)

(VI) اپنے مخفی اسرار کو پہچانیں

علامہؒ کے نزدیک اپنے اسرار کو دریافت کرنا ہی اصل دین ہے جو اپنے آپ کو پہچان نہ سکا اس کی زندگی موت کے برابر ہے۔ وہ خدا کو کیسے پہچانے گا۔ اسی سلسلہ میں ایک حدیث میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ'' یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا تو گویا اس نے خدا کو پہچان لیا۔ علامہ اقبالؒ نے اسی حدیث کی روشنی میں فلسفہ خودی کو پھیلایا ہے اور اس کو انسان کی تعمیر کے لیے نہایت ضروری

Marfat.com

خیال کیا ہے۔ علامہؒ کے معاصرین اسلام کو مغربی سائنس اور عقلی معیار کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر اقبالؒ مذہبی اصولوں کو عقل یا سائنس کی روشنی میں ثابت کرنے کے قائل نہ تھے۔ کیونکہ حقیقی مذہب عقل اور سائنس کا محتاج نہیں۔

چیست دیں؟ دریافتن اسرارِ خویش زندگی مرگ است بے دیدارِ خویش
(دین کیا ہے؟ اپنے مخفی اسرار کو جاننا ہے، اپنے دیدار (مشاہدہ) کے بغیر زندگی موت ہے)
(پ چ: ۸۵۴)

نہ فلسفی سے نہ مُلّا سے ہے غرض مجھ کو یہ دل کی موت! وہ اندیشہ و نظر کا فساد!
فقیہِ شہر کی تحقیر! کیا مجال میری مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد!
کئے ہیں فاش، رموزِ قلندری میں نے کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد
رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد!
(ب ج: ۳۶۲)

VII) کون سی نماز بارگاہِ حق کے لائق ہے؟

یوں تو حق تعالیٰ نے ہر اس نماز کو جس میں ریاکاری کا شائبہ نہ ہو اپنے حضور میں قبولیت کا شرف عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے مگر صحیح نماز تو وہی کہلاتی ہے جو حقیقتِ نماز کے درجے پر ہو۔ کم درجے کی نمازیں وہ ہیں جن میں صرف نماز کی صورت بنائی جائے۔ صورتِ نماز کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر جنت کا وعدہ فرمایا ہے مگر ایسی نماز کا اجر بھی صورتِ جنت میں ملے گا۔ صورتِ نماز اور حقیقتِ نماز والے جنت کا میوہ تناول فرمائیں گے مگر دونوں جنتوں کے میووں کے ذائقے میں بہت بڑا فرق ہوگا۔ صورتِ نماز میں نمازی کا نفس اس کی نماز میں شامل رہتا ہے۔ (یعنی اذعانِ نفس موجود رہتا ہے) جبکہ حقیقتِ نماز میں نمازی کا نفس اس کی نماز میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ بعض صورت نماز والوں کی پچاس ساٹھ نمازوں سے ایک نماز کا ثواب مرتب ہوتا ہے اور حقیقت نماز کی بعض نمازوں میں سے ایک نماز کا کروڑوں گنا زیادہ اجر ملتا ہے۔ (یہ بات ہم ایک الگ باب میں بیان کر چکے ہیں) یہاں اس کتاب میں نماز کا بیان اس لیے شامل کیا جا رہا ہے کہ نماز ہی دین اسلام کی

Marfat.com

بنیاد ہے اور نماز کی درستی کے لیے جتنی بھی کوشش کی جائے انسان کے درجات کو بڑھانے میں مددگار اور معاون ثابت ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ اس کتاب کی غرض و غایت یہ ہے کہ قارئین اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اس قابل ہو جائیں کہ لوگوں کو (اور خود ان کو) معلوم ہو سکے کہ "شاہیں کا جہاں اور" کی وضاحت کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر انسان کی نماز یا کردار اور عبادات کا رنگ مطلوبہ معیار پر آ جائے تو واقعی وہ "شاہیں کا جہاں اور" کا مصداق ہو سکتا ہے۔

یہاں قابل غور بات تو یہ ہے کہ مسلمان قوم میں (ایک اندازے کے مطابق) تقریباً ۵ یا ۶ فیصد لوگ نمازی ہیں اور باقی تمام بے نمازی کے زمرہ میں شامل ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھنی چاہیے (جس کے متعلق راقم الحروف نے تین چار کتب تصنیف کی ہیں) اور اس سے اگلا مرحلہ یہ ہے کہ نمازیوں کی نماز کا درجہ بھی بلند یعنی Quality کے اعتبار سے بہتر ہونا ضروری ہے۔ یہاں اس کتاب میں نماز کو بہتر حالت میں لانے کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ ایک مسلمان عملی طور پر مسلمان بن سکے جیسے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا (النساء: ۱۳۶)، اے ایمان والو! ایمان لاؤ۔ شاید مسلمانوں کو اس بات کا یقین نہیں کہ اگر وہ کوششِ پیہم کے بعد اچھے مسلمان بن جائیں تو وہ آج بھی صحابہ کرامؓ والا دور واپس لا سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کے دل میں بات ابھی تک نہیں اتر رہی۔

(VIII) مقربینِ حق کی نمازیں

نمازیں کس طرح صحیح معیار تک لائی جا سکتی ہیں اس کی ضروریات کا مطالعہ کیا جائے اور پھر عملی طور پر اس پر گامزن ہوا جائے تو مطلوبہ معیار حاصل ہو سکتا ہے۔ عوام الناس کو صرف کھانا پینا، ہنسنا اور ادھر ادھر دیکھنا نماز سے روکتا ہے۔ مگر خاص لوگوں کی نماز انہیں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف دیکھنے اور خیال میں لے جانے سے روکتی ہے۔ اولیائے کرام اور مقربین الٰہی کی نماز ان کے اجسام میں روح کے تعلق کو روک دیتی ہے۔ ان کے جسم کو روح کا اور روح کو جسم کا کچھ احساس نہیں رہتا یعنی ان کا جسم بھی روح کی طرح لطیف ہو جاتا ہے اور جسم بھی روح کا حکم ماننے لگتا ہے۔ یہ حالت ہو تو جسم کے خواص جسم

Marfat.com

سے ترک ہو جاتے ہیں اور جسم، جسم نہیں رہتا۔ اس کی روح کو مشاہدہ اور دیدارِ الٰہی میسر ہو جاتا ہے۔ جس طرح زنانِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مشاہدے میں چھری سے اپنی انگلیاں کاٹ لیں اور ان کو علم بھی نہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے اللہ کے پاس ہوتے ہیں اور اگر ان کے جسم کو کاٹ بھی دیا جائے تو ان کو علم نہیں ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پنڈلی میں لگا ہوا تیر جو کسی طرح باہر نہ نکل سکتا تھا وہ نماز کی حالت میں فوراً نکل گیا کیونکہ نماز میں ان کو مشاہدہ حاصل تھا۔

نماز میں حضورِ قلب کا ہونا حقیقتِ خضوعِ نماز کے مقام پر لانے میں مدد دیتا ہے۔ تدارک بے حضور، خشوع و خضوع کے حاضر کرنے کے طریقے اور ان سے متعلقہ علوم سے آگہی حاصل کرنا رفتہ رفتہ نمازی کی نماز کو صحت کی طرف لے آتی ہے۔ اس سلسلے میں ہماری کتب ''نشانِ منزل''، ''حضورِ قلب''، ''حسنِ نماز'' اور ''اقامۃ الصلوٰۃ'' کا مکمل اور نیک نیتی سے مطالعہ کرنے سے ان تمام باتوں سے آگہی ہوتی ہے جو نماز کو بہتر حالت میں لانے کے لیے ضروری ہیں۔

قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے سے بہت سی ضروریاتِ نماز کا علم ہوتا ہے اور اس سلسلے میں مشائخ کرامؒ کے اقوال (جو قرآن اور حدیث کی روشنی میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں) نمازیوں کے علم میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کے ذوق و شوق میں اضافہ کرتے ہیں۔ راقم الحروف کا تجربہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کا کلام بھی حقیقت میں قرآن و حدیث کو شعری زبان میں بیان کرتا ہے اور اس کے مطالعہ سے انسان کا روحانی مقام یکدم بلندی کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔ مشائخ عظام کی کتب بالخصوص حضرت داتا گنج بخشؒ کی ''کشف المحجوب'' اور مولانا رومؒ کی مثنوی حقیقتاً ہست قرآں در زبانِ پہلوی'' کا مصداق ہیں۔ دیگر مشائخ عظام نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ سلسلے کی کتب بھی دلوں کو خدا کی طرف راغب کرنے کے لیے تیر بہدف کا کام دیتی ہیں۔ غرضیکہ کسی بزرگ کی روحانی کتب کا مطالعہ ہر قاری کے دل میں ایمانی روح پھونک دیتا ہے۔

IX) اہل اللہ سے نماز کا طریقہ سیکھیں

نماز کو قائم کرنے کے لیے لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ اس لیے ضروری ہے تاکہ نماز

Marfat.com

سے وابستہ علوم کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے اور پھر نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کا طریقہ زیرِ نظر کتاب کے مطالعہ سے اخذ کیا جائے۔ چنانچہ اس کتاب سے وہ لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو نماز کی ادائیگی میں اعلیٰ صلاحیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

نماز کو اعلیٰ صورت میں ادا کرنے کا طریقہ بزرگوں اور مشائخ سے سیکھنے کے بعد ہی سمجھ میں آتا ہے۔ اس لیے مشائخؒ سے تعلق پیدا کرنا اس راہ کے لوازمات میں سے ہے۔ نماز کے متعلق حکمِ الٰہی یہ ہے کہ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰہٰ: ۱۴) (اور ادا کیا کرو نماز مجھے یاد کرنے کے لیے) اس آیت میں مقصود بالذات ذکر (یادِ الٰہی) ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ذکر بھی مقصود بالذات نہیں اور ذکر کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس نماز کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ رابطہ محبت قائم ہو جائے۔ وہ رابطہ جس کے ذریعے بندۂ مومن کا اللہ کے ساتھ ایک غیر مرئی رابطہ ہو جائے تو نماز کے وسیلے سے مومن ہمہ وقت معیت الٰہی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ نمازی محبوبین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ ایسے لوگ خدا سے ایک لمحہ کے لیے بھی الگ ہو جائیں تو (بقول حضرت بایزید بسطامیؒ) وہ خود کو مرتد تصور کرتے ہیں۔

اہل اللہ کی نماز ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب تکبیر تحریمہ ادا کی جائے تو اپنے اوپر ہر چیز کا خیال (محبت و نفرت) ختم یا فنا ہو جائے۔ ذکر نفی اثبات میں جب لفظ ''لا'' سے نفی طاری کر لی جاتی ہے تو اس سے ہر اچھا برا خیال، محبت اور نفرت کے احساسات، اپنے وجود کی نفی، حتیٰ کہ اپنے اردگرد ہر چیز کی نفی کر لی جائے، گویا کہ جب تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھیں تو اپنے خیالات کے ساتھ ساتھ ہر وجود کی نفی کر دی جائے۔ اس حالت کو پہلے پہل کوشش سے طاری کیا جاتا ہے اور بعد میں اس کی مشق ہو جاتی ہے تو پھر سچ مچ ہی آپ کے خیالات سے ہر شے کی نفی ہو جائے گی۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

بخدا خبر نہ دارم چوں نماز می گذارم   کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

(جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بخدا مجھے یہ خبر نہیں ہوتی کہ رکوع کیسے ختم ہو گیا اور یہ کہ کون امام تھا)

Marfat.com

دل کی بیداری

(مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری)

ایسی نماز جو قربِ بارگاہِ الٰہی کی بلند پایہ شان کو حاصل کرنے کی ضامن ہے ان سب سے پہلے دلِ بیدار کی ضرورت ہے۔ مسلمان کو دلِ بیدار اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ ذکر و فکر کی منزلوں کو طے کر لے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب مسلمان کا دل ذکر الٰہی میں مشغول ہو تو ایسے شخص کا دل بیدار کہلاتا ہے اور اگر دل میں بجائے ذکر کے دنیا والوں کی باتیں ہوں تو وہ مردہ دل کہلائے گا۔ بڑے بڑے مشائخ اور اولیائے کرامؒ نے اس حقیقت کی تحقیق کرنے کے بعد تصدیق کی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ان احادیث اور مشائخ کے احوال کو حسب ذیل اشعار میں قلم بند کیا ہے۔

دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کرّاری　　مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک　　نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری
مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا　　ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری
خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں　　کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری!

(ب ج: ۳۲۹)

دل کی بیداری کے چار ممکنہ طریقوں کا ذکر راقم الحروف نے اس کتاب کے ایک باب میں کیا ہے، باب کا عنوان "علامہ اقبالؒ نے جوانوں میں عقابی روح کو بیدار کیا" ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

نماز کا لزوم اور اہمیت

جس قدر نماز کے لازم ہونے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے شاید اس قدر تاکید کسی اور اسلامی رکن کے لیے دیکھنے میں نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں نماز کی پابندی کے لیے کم و بیش سات سو مرتبہ ذکر آیا ہے۔ اس قدر پابندی کے علاوہ دن اور رات میں پانچ سے دس بار تک پڑھنے کی تاکید فرمائے جانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے

Marfat.com

میں ضرور کوئی خاص حکمت مخفی ہے۔ نماز سے متعلق جس قدر احادیث وارد ہوئی ہیں، وہ بھی نماز کے اہم ہونے پر دلیل قائم کرتی ہیں۔ فلسفہ نماز اور حقیقتِ نماز پر غور کرنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ اس کا بندہ اپنی زندگی کے تمام اوقات کو اپنے محبوب خالق کی بارگاہ میں صَرف کرتا رہے حتیٰ کہ اِس کا دل اس بات پر آگاہ ہو جائے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ بندے کو اپنی ذات سے دور دیکھنا چاہتا اور نہ ہی انسان کے لیے یہ بات روا ہے کہ وہ اپنی نمازوں کے اوقات کے علاوہ نمازوں کے مابین اوقات میں بھی حق تعالیٰ سے دُوری اختیار کرے۔

جب انسان کی عبادات کے معمولات شروع ہوتے ہیں تو اس حقیقت میں کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اس کی محبت کے بغیر ایک سانس بھی لے سکے۔ نماز کے لیے قرآن مجید میں یہ حکم موجود ہے کہ نماز کو میری محبت میں ادا کیا جائے اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهُ (جو کسی شے سے محبت کرتا ہے تو اکثر ہی اس کا ذکر کرتا ہے) ذکر الٰہی کے خواص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی چیز کا ذکر اپنی انتہا تک پہنچ جائے تو ذکر ختم ہو جاتا ہے اور اس کا مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے، يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب: ۴۱) (اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے) سے مراد بھی یہی ہے کہ ذکر اس نوعیت سے کرو کہ بجائے تمہارے ذکر کو چلانے کے، ذکر تم کو چلائے۔ جب ذکر کثیر نہ ہو انسان ذکر کو صبح شام اور مخصوص وقتوں پر چلاتا ہے لیکن جب ذکر کثیر شروع ہو جائے تو پھر ذکر اپنے ذاکر کو چلنے پر آمادہ کرتا ہے۔ (برعکس اس کے کہ ذاکر اپنے ذکر کو جاری کرنے کی کوشش کرے) جب ذکر اس نوبت تک پہنچ جائے تو مذکور (یعنی اللہ تعالیٰ) سے ذکر کے انوار نازل ہونے لگتے ہیں اور مشاہدہ کی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ ایسی کیفیت ہو تو نمازی کو قوتِ بصیرت عطا ہو جاتی ہے جس کے باعث اسے دلِ آگاہ نصیب ہو جاتا ہے۔

نماز میں رجوع الی اللہ

نمازی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نماز میں حضورِ قلب پیدا کرنے کی کوشش کرے جس کی توفیق اس کو نماز میں پڑھی جانے والی آیات اور خاص طور پر سورۃ فاتحہ کی تلاوت میں توجہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو سورۃ فاتحہ کو سَبۡعَ مَثَانِیۡ کہنے میں پوشیدہ ہے یعنی یہ سورۃ بار بار (ہر نماز میں اور ہر رکعت

Marfat.com

میں) پڑھی جاتی ہے۔ اس سورت کو بار بار پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ بار بار اس لیے پڑھی جاتی ہے کہ ہر بار پڑھنے سے اس کے کچھ انوار نمازی کو ملتے ہیں۔ (بشرطیکہ توجہ سے پڑھی جائے) اس بات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ جتنی بار یہ سورۃ پڑھی جائے ہر مرتبہ پڑھنے سے اس کے علیحدہ علیحدہ معانی سمجھ آتے ہیں۔ ان تمام معارف کا اگر خیال رکھا جائے تو بہت جلد نمازی کی کیفیت اور نوعیت بدل جاتی ہے اور اس طرح سیکھنے والا نمازی اچھی نماز پڑھنے لگتا ہے مگر کسی رہبرِ کامل کا ساتھ ہو تو یہ بات آسان ہو جاتی ہے۔

یوں تو ہر ایک شخص نماز پڑھ ہی لیتا ہے لیکن نماز کے فوائد صرف اسی صورت میں نمودار ہوتے ہیں جب نماز کے آداب اچھی طرح ملحوظِ خاطر رکھے جائیں۔ اس کتاب کے ایک الگ باب میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ نماز کا اجر نماز کے پڑھنے والے کی کیفیتِ سوچ و بچار پر منحصر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک آدمی مسجد میں جا کر نماز ادا کرتا ہے اور اس کو اس کی اس نماز کا اجر ایک رائی کے برابر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرا شخص بھی مسجد میں جا کر نماز ادا کرتا ہے مگر اس کو اجر پہاڑ کے برابر ملتا ہے اور یہ فرق ان کی عقلوں کے مطابق ہوتا ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ اپنے ساتھی سے کس طرح زیادہ عقل مند ہے؟ فرمایا کہ ممنوعات سے اجتناب کی وجہ سے اور اسبابِ خیر کو اپنانے کی وجہ سے۔ (الکنز المدفون للسیوطی ص ۳۶۶)

نماز کے متعلقات بہت طویل اور عریض ہیں۔ اس کے متعلق بہت سے مسائل، فضائل اور اسرار و رموز کا معلوم کرنا اشد ضروری ہے۔ اس تمام تفصیل کو یہاں بیان کرنا طوالت کا سبب ہوگا اس لیے راقم الحروف کی تین تصانیف ''نشانِ منزل''، ''حسن نماز'' اور ''اقامۃ الصلوٰۃ'' کا مطالعہ کیا جائے۔ نماز کے متعلق عمیق مطالعہ کے بعد یہ حقیقت نظر آتی ہے کہ نماز کا ادا کرنا محض اس کے متعلق تمام معلومات کا علم ہونا اور ان پر عمل کرنے سے نماز کا کمال میسر ہوتا ہے۔ یہ صرف، عقل، فہم، سمجھ، سوچ اور اس کو ادا کرنے کی تمام رموز کو سمجھ کر نماز ادا کرنا اصل بات ہے۔ افسوس کی بات ہے ۹۹ فیصد نمازی آدابِ نماز سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور پھر ان رموز کو سیکھنے کی بھی قطعاً پروا نہیں کرتے۔ اگر روزانہ کچھ نہ کچھ سمجھ لیا جائے اور اسی کو اپنانے کی کوشش کی جائے تو ایک نہ ایک دن نماز کی اصل اور حقیقی شکل بھی پیدا ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

نماز کی جامعیت

ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ نماز تمام عبادات کی جامع ہے یعنی یہ وہ عبادت ہے جس میں تمام عبادات کے نمونے موجود ہیں۔ یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ انسانوں کی نماز تمام ملائکہ کی عبادت کی جامع ہے۔ مختلف فرشتے مختلف قسم کی عبادات میں مصروف رہتے ہیں۔ کوئی قیام میں ہے تو کوئی سجود اور کوئی رکوع میں۔ کچھ فرشتے التحیات میں ہیں اور کچھ تسبیح اور کچھ حمد کر رہے ہیں، کچھ فرشتے تکبیر اور سلام پڑھ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے موقع پر جنت کی سیر کی تو تمام فرشتوں کی عبادات کو ملاحظہ کیا اور تمام فرشتوں کی عبادات کو جمع کر کے مسلمان کی نماز بنا دی اور ایک مسلمان جو عبادت کرتا ہے وہ تمام فرشتوں کی عبادات کو اپنی نماز میں سمو لیتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر فرشتہ جو عبادت کر رہا ہے وہ قیامت تک وہی عبادت کرتا رہے گا اور یہی اس کی عبادت ہے۔ اطاعت سجدہ میں شامل ہوتی ہے اور اس کا اجر سوائے اطاعت کے اور کچھ نہیں۔ فرشتے اگر تمام عمر سجدوں میں گزار دیں تو ان کے درجے بلند نہیں ہوتے۔ جو فرشتہ جس درجے پر پیدا ہوا اسی درجے پر رہے گا اور اس کے برعکس انسان کی عبادت سے اس کے درجے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ فرشتے کے سجدہ میں جذب و مستی اور سوز و گداز نہیں کیونکہ اس میں انسان کی طرح تڑپ، لگن، عشق، محبت، سوز و گداز، آرزو، مفلسی و ناداری کے احساسات نہیں۔ انسان کے دل میں درد و سوز، آرزو، غم پنہاں اور لذتِ آہ و فغاں اس کی دنیا میں مجبوری و محکومی، مصائب اور دل آزاری کے قدم قدم پر مواقع دیکھنے پڑتے ہیں۔ وہ ان تمام باتوں سے دائم الحزن اور پریشان حال رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان مصائبِ دُنیا کی آگ میں جلتا اور اپنے سینے کو ہائے و ہو سے آباد رکھتا ہے۔ جبریل علیہ السلام کو بندۂ خاکی کے نیش و نوشِ آرزو اور مقامِ جستجو کی کب خبر ہے؟ انسان اور فرشتوں کے مقامات پر راقم الحروف کے ایک مختصر تحریر میں مقامِ آدم کے نام سے ایک کتابچہ جاری کیا ہے جسے ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں شامل کر دیا گیا ہے۔ وہاں اسے ملاحظہ فرمائیں۔ اسی کتاب میں مقامِ آدم کے چند اشعار بعض مقامات پر شائقین کے ذوق کے لیے تبرکاً پیش کیے جا چکے ہیں۔

Marfat.com

باب ۲۳

بے حضور نماز

باہجھ حضوری نئیں منظوری

(پئے پڑھن بانگ صلاتاں ھو)

جو کچھ حضور کے لیے کہا گیا ہے اس کے فقدان کو بے حضوری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خشوع و خضوع کی راہ میں جو رکاوٹیں ہوں ان کو دور کرنا نماز کی صحت کے لیے نہایت ضروری امر ہے۔ حضور قلب کے متعلق ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے "لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ" (احادیث مثنوی، ترجمہ اُردو: ص۱۱) یعنی حضور قلب کے بغیر کامل نماز نہیں ہوتی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بغیر حضورِ قلب نماز کی درستگی پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ نماز خواہ کیسی ہی ہو (بشرطیکہ اس میں ریاکاری شامل نہ ہو) اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول کرنے کے بعد نمازی کو جنت دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایسی شکل والی نماز کو آپ نے صورتِ نماز کا نام دیا ہے جس میں نماز جیسی شکل و صورت بنائی

Marfat.com

جاتی ہے (مگر اس میں نفس کا اذعان رہتا ہے) مطلوبہ قسم کی نماز کو آپ نے حقیقت نماز سے موسوم کیا ہے۔ یقیناً اس قسم کی نماز پوری افادیت رکھتی ہے اس لیے آپ نے فرمایا کہ ہلکی اور صورتِ نماز پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ وہ انسان جس نے نماز پڑھنے کا اہتمام کیا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسی نماز ادا کرے جس پر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے انعامات اور اجر کا وعدہ کیا ہے۔

نماز بے حضور کے تدارک کے لیے ہماری تصنیف ''حسن نماز'' اور ''اقامۃ صلوٰۃ'' کا مطالعہ کیا جائے۔ وہ امور جو حضوری کی راہ میں حائل ہوتے ہیں اگر ان کے تدارک کا اہتمام کیا جائے تو معمولی کوشش سے نماز کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ وہ امور جن کی احتیاط کرنا ضروری ہے ان میں سے پہلے نمبر پر نشۂ غفلت طاری ہونا ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو کیونکہ اس میں عقل حاضر نہیں رہتی۔ غفلت سے اس لیے منع فرمایا گیا ہے کہ بہت سے خطرات (نفسانی، شیطانی وغیرہ) کا دل پر اثر ہو تو دل خدا کی بارگاہ میں حاضر نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ نماز میں شیطان کے اثرات اس طرح رونما ہوتے ہیں کہ نماز کی افادیت تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔

وہ آفات جو نماز کو سودمند ہونے سے روکتی ہیں مثلاً کسل مندی، وسوسوں کا دل میں ہونا، تکبیر کے بعد دل میں نفسانی خیالات کا ہونا، مسائل نماز کے متعلق دل میں شکوک ہونا، نماز کے متعلق اپنی کم علمی کو دور نہ کرنا، نماز کی چوری کرنا، دل میں دنیاوی آلائشوں کا دخل ہونا، نماز کی راہ میں حائل ہونے والے تمام معاملات کا دل میں موجود رہنا، ان سب کو دُور کرے۔ اس کے علاوہ اگر نمازی روحانی دنیا یعنی طریقت پر چلنے والا ہو تو نمازی کی روح پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ اسے بہت اعلیٰ درجے پر لے جاتے ہیں۔ مثلاً عالمِ خلق اور عالم امر میں نمازی کی روح پر اثراتِ جذبہ اور کشش کا پیدا ہونا وغیرہ۔

مفکرین اسلام نے مسلمانوں کی موجودہ پسماندگی، دین سے لاتعلقی اور نماز میں بے حضوری کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کی اہم وجوہات اس کتاب میں ''مسلمانوں کے زوال کے اسباب'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ جو اسباب اسلام کے زوال کے لیے دیئے گئے ہیں ان میں اہم سبب مسلمانوں کا اسلام سے فرار اور نماز میں بے حضوری

Marfat.com

کی شکایت کا پایا جانا ہے۔ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں جو ایمان، چاشنی، ولولہ اور عشق حاصل کیا تھا وہ حالاتِ زمانہ کے مطابق کم ہوتا گیا حتیٰ کہ مسلمانوں میں جب فتوحات بڑھ گئیں، مال کی فراوانی ہوئی تو رفتہ رفتہ تن آسانی اور تعیش سے لگاؤ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ یہود اور نصاریٰ جو اب تک مسلمانوں کے ایمان کی طاقت کی تاب نہ لا سکتے تھے باقاعدہ مسلمانوں سے پنجہ آزما ہوئے اور بہت سے علاقے مسلمانوں سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر یہ وقت بھی آیا کہ اکثر علاقوں پر مسلمانوں کی سلطنت تقریباً نابود ہو گئی اور تمام دنیا پر یہود اور نصاریٰ کی ہیبت و دبدبہ کا سورج چمکنے لگا۔ یہ وہ وقت تھا کہ بیچارے مسلمان پوری دنیا میں غلام بن گئے، یہاں تک کہ برسوں غلامی کی حالت میں رہے۔

حضرت سلطان باہوؒ بہت بڑے عارف باللہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے تعلق حضوری سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ جس نے اپنے نفس کو فنا کر دیا حضوری حاصل کر لی، ورنہ عبادت کی سرسری کیفیت رہ جاتی ہے۔ قربِ ربانی حاصل نہیں ہوتا۔ (امیر الکونین)

حضرت سلطان باہوؒ ''عقل بیدار'' میں فرماتے ہیں کہ اہلِ عقل و حضوری محبت کے آئینے میں دیکھا کرتے ہیں۔ آئینۂ محبت کے لیے فرماتے ہیں کہ یہ شرف حضور ہی ہے جو اہل حضور کو حضور ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ جو دیدار حضور کو پہنچ گیا اسے مذہب اور ملت (کی فرقہ بندیوں سے) کیا غرض۔ ایسا شخص مستی کا دوست دار بن جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

باجھ حضوری نہیں منظوری پئے پڑھن بانگ صلاتاں ھُو
روزے نفل نماز گزارن پئے جاگن ساریاں راتاں ھُو
باجھ قلب حضور نہ ہوئے پئے کڈھن سے زکاتاں ھُو
باجھ فنا رب حاصل نائیں، نہ تاثیر جماتاں ھُو

علامہ پانی پتیؒ نے سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۷۲ (اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ) کی تشریح میں فرمایا کہ وہ امانت جو زمین اور آسمان کے درمیان کسی نے قبول نہ کی وہ تھی ''نور العقل اور نار العشق'' کیونکہ انسان نور العقل سے استدلال قائم کرتا ہے اور اس

Marfat.com

استدلال سے خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے۔فرماتے ہیں نارالعشق انسان کے دل میں وہ آگ ہے جو خدا اور بندے کے درمیان ہر قسم کے حجابات کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ خدا کی معرفتِ عامہ تو نورالعقل (یعنی استدلال) سے ہو جاتی ہے مگر معرفتِ ذاتیہ ان دونوں نوروں کے جمع ہونے سے وابستہ ہے۔ یہی آگ بندے کو آقا کے سامنے بے حجاب کر کے واصل باللہ کر دیتی ہے۔ یہ آگ انسان کو ذکر و افکار، اتباع شریعت کے ساتھ ریاضتِ شاقہ اور انجذابِ قلبی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

بے حضوری ہے تیری موت کا راز

ایک حدیث شریف بیان ہو چکی ہے کہ جو شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہے اس کا دل اللہ کے ذکر کی وجہ سے زندہ ہے اور اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہے اس کا دل مردہ ہے۔ عقل اگرچہ استدلال سے عام معرفتِ الٰہی حاصل کر لیتی ہے مگر کوئی مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا اور دلِ بینا اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ جب نورالعقل کے ساتھ ساتھ نارالعشق بھی حاصل ہو سکے۔ انسان کی یہ بے حضوری حقیقت میں اس کے لیے موت کا پیغام ہے۔ جب کوئی حجابات سے نکل کر جلوۂ الٰہی کو دیکھنے کی استطاعت پیدا کر لیتا ہے تو وہ ایسے سیپ کی طرح ہے جس نے خود کو توڑ کر عالمِ ظہور میں آ گیا اور مخلوق کا مطمحِ نظر بنا۔

عقل گو آستاں سے دُور نہیں   اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب   آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں   ایک بھی صاحبِ سرُور نہیں
بے حضوری ہے تری موت کا راز   زندہ ہو تُو تو بے حضور نہیں
ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا   تُو ہی آمادۂ ظہور نہیں
(ب ج: ۳۳۵)

خشوع و خضوع کے لیے کوشش کریں

''عوارف المعارف'' میں خشوع اور خضوع پر کافی طویل کلام موجود ہے۔

Marfat.com

مصنف لکھتے ہیں کہ نماز کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں تا کہ دل میں خوفِ الٰہی طاری ہو جائے۔ اس کا اثر دل پر بھی منتقل ہو گا۔ جلدی میں نماز پڑھنے سے رکوع اور سجدے سے فتوح غیبی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ ایک بزرگ عامر بن عبد اللہؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کو نماز میں کوئی اور خیال آتا ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ تیروں کی نوک سے مجھے چھیدا جائے تو یہ مجھے زیادہ گوارا ہے بمقابل اس کے کہ مجھے نماز میں ان باتوں کا خیال آئے جس کا تمہیں نماز میں دھیان آتا ہے۔ نماز میں انہماک رکھنے والوں کے دلوں میں قرآن کریم کے وہ کلمات گونجتے رہتے ہیں جس کا وہ مطالعہ کرتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ ان کو کوئی اور آواز سنائی نہیں دیتی۔ ان کلمات کے ظاہری معنی ان کے نفسوں کی غذا ہیں اور ان کا تعلق عالم شہادت سے ہوتا ہے، جو نفس کے قریب ہے اور نفس مطمئنہ ان معنوں کو حاصل کر لیتا ہے۔ قرآن کریم کے باطنی معنی کا انکشاف عالمِ ملکوت کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ معنی نفس کی بجائے دل کی غذا ہیں جن کی وجہ سے روح عظمتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتی ہے۔ روح کا مطالعہ عالمِ جبروت کے ذریعے شوق اور محبت کے گرد رہ کر کامل استغراق کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ ایسا استغراق کہ نماز پڑھتے ہوئے خواہ کچھ بھی ہو جائے اسے علم نہیں ہوتا۔ (خواہ بارش ہو یا عمارت گر جائے یا سانپ اوپر سے گزر جائے، اسے کچھ خوف نہیں ہوتا)

رکوع تواضع اور عجز سے کرے، قومہ میں سیدھا کھڑا ہونا ضروری ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس نمازی کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع اور سجود کے درمیان اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے۔

سجدہ کرنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں کس کے لیے اور کیوں سجدہ کر رہا ہوں، بعض سجدہ کرنے والوں کو یہ کشف ہوتا ہے کہ میں سجدے میں زمین کی آخری حدوں تک پہنچ رہا ہوں۔ کچھ لوگ سجدے میں کون و مکاں کی بساط کو طے کرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔ اس وقت ان کے سامنے کائنات کے نقوش مٹ جاتے ہیں۔ کبھی کسی کی روح فضل و کرم کی بنا پر بلندیوں تک پہنچ جاتی ہے۔ کچھ ایسے ہیں جن کو انانیت (شعور)، حضور، غیبت، فرار و قرار، اسرار و اظہار کے تمام مراتب حاصل ہوتے ہیں اور وہ دریائے شہود میں شناوری کرتے ہیں۔ (''عوارف المعارف'': ۶۶۲)

دنیا تو ایسی بنائی گئی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے مگر نمازی اپنے دل کو کسی

Marfat.com

معمولی یا اہم چیز کی طرف مشغول نہ کرے اور کسی چیز سے دل بستہ نہ ہو۔ دانشمندوں نے دنیا کو چھوڑ کر نماز کو اختیار کیا ہے۔ تاکہ مقام مقرب کی طرف راغب ہو سکیں۔ اس لیے شریعت نے نمازی کو پہلے قضائے حاجت، کھانا پینا، خانگی امور، غم و غصہ سے فراغت حاصل کرنے کو کہا ہے، غرضیکہ ظاہری اور باطنی انتشار کی حالت میں نماز نہ پڑھے اور مکمل ہیئت نماز اختیار کرنے کے بغیر داخل نماز نہ ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمام اعضا پرسکون ہوں اور ادھر ادھر نہ دیکھے اور یہ تصور کرے کہ میں احکم الحاکمین کے حضور کھڑا ہوں۔ بدن کو کھجانے سے بھی پرہیز کرے، گو نماز میں صرف تین سے کم پے در پے حرکات کی اجازت دی گئی ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ شخص نماز کی چوری کرتا ہے جو رکوع اور سجود کو مکمل نہیں کرتا اور قراءت پوری نہیں کرتا اور اس کی نماز میں خشوع نہیں ہوتا۔

شیخ سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں تلاوت اس طرح کرے گویا قرآن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سن رہا ہے۔ جب قرآن پڑھے تو اس کے معنی کا انکشاف ہو اور انکشاف اسی وقت ہوتا ہے جب رجوع الی اللہ اور حضورِ قلب ہو۔ جب تک حضور نہ ہو علم کچھ مدد نہ دے گا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازیؔ، نہ صاحبِ کشافؔ

(ب ج: ۳۷۰)

ابو عمر بن علاؒ ایک بار نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو تکبیر کہتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو فرمایا کہ جب میں نے نمازیوں سے کہا کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ تو ہاتف کی آواز آئی، ''کیا تم بھی اللہ کے ساتھ سیدھے کھڑے ہو۔''

شیخ خواصؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق نے دو باتوں کی خاطر اللہ تعالیٰ سے تعلق قطع کر لیا ہے۔ ایک یہ کہ نفل ادا کرتے ہیں اور فرائض کو ترک کر دیتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان کا عمل ظاہری ہوتا ہے اور ان کے اندر خلوص اور سچائی پیدا نہیں ہوتی حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ خلوص کے بغیر عمل قبول نہیں کرتا۔

علماء نے فرمایا ہے کہ نماز میں آنکھوں کا کھلا رہنا بند رہنے سے بہتر ہے سوائے

Marfat.com

اس کے کہ نمازی اپنی آنکھوں کو ادھر ادھر پھیرنے سے روکنا چاہے۔ چنانچہ نفی کرنے یا خیالات کو ہٹانے کے لیے کچھ دیر آنکھیں بند کر دے تو حرج نہیں۔ جمائی کو نماز میں روکے اور ٹھوڑی کو سینے سے نہ ملائے۔ تکبیر تحریمہ جب کہی جائے تو سوائے نماز کے باقی تمام کام اور خیالات حرام ہو جانے چاہئیں اور نماز سے حلال ہونا (باہر آنا) سلام کے بعد ہوگا۔

قرآن نے خشوع کا طریقہ بیان کیا ہے

خشوع قائم کرنے کا آسان طریقہ جو قرآن میں غور کرنے سے ملتا ہے وہ اس آیت میں موجود ہے۔

فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِكُمۡ ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ۚ (النساء: ۱۰۳)

جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) پھر جب مطمئن ہو جاؤ (شیطان دشمن سے) تو ادا کرو نماز۔

اس آیت میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ جو اس پر عمل کرتے ہیں وہ خود کو خدا کے حضور پاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خوف یا دنیا کے الجھاؤ میں پھنس کر تم نماز کو طمانیتِ قلبی سے پڑھنے کے قابل نہیں ہو تو جس حالت میں بھی ہو ذکر میں مصروف ہو جاؤ اور پھر جب وہ خوف یا الجھاؤ دُور ہو جائے تو نماز کو اصلی ہیئت کے مطابق ادا کرو۔ یہ نسخہ آزمودہ ہے۔ ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان اگر اکثر ذکر الٰہی ہوتا رہے تو قلبی کیفیت بہت بہتر ہو جاتی ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو اتنا ہی خیال رکھیں کہ نماز سے پہلے نماز کی جگہ پر دو یا ایک منٹ بیٹھ کر نفی اثبات یا اسم ذات کا ذکر یا مراقبہ شروع کریں تو انشا اللہ ایک یا دو منٹ میں ہی کیفیت رونما ہو جائے گی۔ اگر پانچ یا دس منٹ اس طرح ذکر جاری رکھیں تو کیفیت کا یہ حال ہو گا کہ رِقت کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ (یہ طریقہ اگر کسی شیخ کامل سے سیکھا جائے تو اثرات بہت بہتر رونما ہوتے ہیں) جب یہ کیفیت میسر آئے تو پھر اس کی پرورش اور حفاظت کرنا ضروری ہے، ورنہ چند دنوں میں یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کیفیت کو بڑھاتے بڑھاتے اپنی ہمت کے مطابق جس بلندی

Marfat.com

پر جا ہیں لے جا سکتے ہیں۔ یہی ایک راز ہے جس سے نماز درست ہو سکتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ سالک عرش پر نماز ادا کرتا ہے۔

آیتِ توجہ کی برکات سے نماز کی درستگی

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آیتِ توجہ سے کیا برکات ملتی ہیں۔ جب نماز کی ابتدا کرے تو قبلہ رُو ہو کر باطن میں بارگاہِ الٰہی کی طرف توجہ کرے اور سورۃ الناس پڑھے اور دل میں آیتِ توجہ پڑھے۔ آیتِ توجہ یہ ہے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ (الانعام)

بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رُخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، یکسو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے۔

اس آیت کی طرف توجہ سے دل میں کشادگی پیدا ہوتی ہے اور قبلہ رُو ہونے کے بعد اللہ سے مدد ملتی ہے۔ پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو قبلہ رُو کر کے کندھوں تک اٹھائے اور دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے پاس ہوں اور انگلیوں کے پورے (سرے) کانوں کے قریب پہنچ جائیں۔ انگلیاں حالت اعتدال میں رکھے نہ زیادہ کھولے اور نہ بالکل بند رکھے۔ پھر "اللہ اکبر" کہے اور "ب" اور "ر" کے درمیان الف کی آواز پیدا نہ کرے۔ یعنی اللہ اکبار نہ کہے، اللہ کے لام کو لمبا کرے مگر "ہ" اور "با" کو لمبا نہ کرے۔ (یعنی ھوا کبار نہ کہے بلکہ اللہ اکبر کہے) تکبیر اس وقت کہے جب ہاتھ اوپر کانوں تک اٹھ جائیں اور تکبیر کے بعد دونوں ہاتھوں کو جھٹکا مارنے کے بغیر چھوڑے۔ نیت اور تکبیر میں زیادہ وقفہ نہ کرے۔

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں ایک بھی صاحبِ سُرور نہیں

آج بھی جب ہم مسجدوں کی طرف نظر کرتے ہیں تو بقول علامہ اقبالؒ مسجدیں مرثیہ خواں نظر آتی ہیں اور زبانِ حال سے کہتی ہیں کہ نمازی نہ رہے۔ صاحب اوصاف تو خال خال ہی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس قوم کو بیدار کرنے کی جو کوششیں کی ہیں، وہ ان کا کلام پڑھنے والوں پر خوب آشکار ہیں۔ مگر جس سرد مہری سے قوم نے ان کی دعوت کا جواب

Marfat.com

دیا ہے وہ بھی کوئی راز کی بات نہیں۔ آج ہمیں اس قوم میں جو دینی معیار، کردار، اخلاق اور شعار دکھائی دیتا ہے، اس کی تفصیل دیتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے تمام کلام کو مسلمانوں کی ذہنی، معاشی، سیاسی اور اسلامی تعمیر کے لیے وقف کر دیا تھا۔ مگر اس سے فائدہ اٹھانے والے چند ہی اشخاص ہیں۔ نماز میں حضور اور سرُور کے مفقود ہونے کی بابت علامہ اقبالؒ کے چند اشعار لکھے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھ کر جارج برنارڈ شا کے الفاظ یاد آتے ہیں۔ اس نے کہا کہ "اگر میں نے دنیا میں کوئی بہترین چیز دیکھی ہے تو وہ اسلام ہے اور جو بدترین چیز دیکھی ہے وہ مسلمان ہیں۔"

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں محبت اسلام کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی رگوں میں اب مسلمانوں کا سا خون باقی نہیں رہا اور پوری مسجد میں شاید ہی کوئی نمازی ہو جس کی نماز میں حضور کی کیفیت پائی جاتی ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ بسا اوقات پوری مسجد میں ایک بھی صاحبِ حضور نمازی دکھائی نہیں دیتا۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

(ب ج: ۳۷۷)

حصولِ خشوع وخضوع کے لیے مزید اشارے

۱۔ نماز کے دوران اگر کچھ دیر کی جائے یعنی قیام اور رکوع وغیرہ طویل کیا جائے تو نفس کی مخالفت ہوتی ہے۔ نفس کی مخالفت سے خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے نماز کے لیے ہر رکن میں قرار پکڑنے کا حکم فرمایا تاکہ سکون اور اطمینان کے ساتھ، رک رک کر ہر رکن کو ادا کیا جائے۔ جلدی پڑھی جانے والی نماز میں خشوع نہ ہوگا۔

۲۔ ایک طریقہ حصولِ حضور کا یہ بھی ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ نماز کی جگہ پر شور وغیرہ یا توجہ کو ہٹانے والی کوئی چیز تو موجود نہیں۔ نماز ایسی جگہ پڑھی جائے جہاں کسی قسم کا شور وغل نہ ہو۔

Marfat.com

۳۔ نماز سے پہلے ہر اس چیز سے بے فکری حاصل کر لی جائے جس سے نماز میں توجہ ہٹنے کا اندیشہ ہو تاکہ نماز میں کسی طرف خیال نہ جائے۔ مثلاً جوتے کی حفاظت یا سامان کو سنبھالنا۔ اگر جسم پر کھجلی ہو تو کھجلا لیں۔ حضرت ابن عمرؓ نماز کے وقت قرآن، تلوار اور ہر چیز کو اپنے آپ سے جدا کر دیتے تاکہ دل کسی طرف متوجہ نہ ہو۔ عابد لوگ عموماً تنگ مکانوں میں رہتے تھے جہاں کوئی چیز جاذبِ نظر نہ ہو کیونکہ فراخ مکانوں میں توجہ بٹ جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے ایک دن نماز ادا کرنے کے بعد اپنے جوتے کا نیا تسمہ بدل دیا کیونکہ نماز کے دوران اس نئے تسمہ کی طرف آپ کی نظر چلی گئی تھی۔

۴۔ نماز کے دوران کوئی پراگندہ یا دنیاوی خیال نہ آئے اور اگر آ بھی جائے تو اس کو جھٹک کر ذہن سے باہر کر دیا جائے اور خود سے یہ کہہ دیں کہ ایسی باتوں کو نماز کے بعد دیکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انسان پر حیرت کرتے ہیں کہ یہ شخص کچھ دیر بھی نماز میں بغیر کسی خیال کے نہیں گزار سکتا۔

۵۔ مشہور ہے کہ اگر خوشخطی چاہتے ہو تو لکھتے ہی رہا کرو۔

گر تو مے خواہی کہ باشی خوش نویس
مے نویس و مے نویس و مے نویس

اگر کسی کام میں مہارت چاہتے ہو تو وہ کام خوب کرو۔ نماز میں اگر حضور درکار ہو تو اس کے حصول کے طریقوں کا مطالعہ کریں اور خوب مشق کریں اور خوب نفلی نمازیں پڑھیں۔ ذکر، اذکار اور مراقبہ سے حضور کی مشق کریں۔ پانچ دس منٹ یا پندرہ منٹ اگر مراقبہ کر لیا جائے تو حضور حاصل ہونے میں مدد ملتی ہے۔

۶۔ حضور حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نفل نماز کے دوران کبھی سجدوں کو لمبا کرے اور نماز کے بعد بھی سجدے میں گر کر خدا کے حضور اپنی نااہلی کا اعتراف کرے اور چند آنسو بہائے اور حضور کے حاصل ہونے کے لیے دعا کرے۔ تنہائی کا وقت بالخصوص تہجد کے بعد کا ہوتا ہے جو اس عرض و نیاز کے لیے موزوں ترین سمجھا جاتا ہے۔

۷۔ یاد رکھیں کہ نماز کا مقصود نماز میں دل کو خدا کے ساتھ درست رکھنا ہے اور اپنے

Marfat.com

دل میں یادِ الٰہی کو کمال تکریم و تعظیم کے ساتھ تازہ رکھنا ہے۔ جس نماز میں یہ بات نہ ہو وہ غافل دل کی نماز کہلائے گی اور ذکر الٰہی سے بھی یہی مقصود ہے کہ ہمہ وقت دل خدا کی یاد میں رہے چنانچہ جب بھی خیال ادھر ادھر الجھنے لگے تو فوراً دل کو اللہ کی یاد کی طرف راغب کریں۔

۸۔ نماز کو غور اور توجہ سے پڑھنا سیکھے تو کیفیت حضور پیدا ہو گی۔ جیسے سب کو معلوم ہے کہ قرآن کو غور سے پڑھا جائے تو پڑھنے والے پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّتَحَدَّثَ رَبَّہٗ فَلْیَقْرَءِ الْقُرْاٰنَ (جو کوئی اپنے رب سے بات کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ قرآن پڑھے) اور اگر اللہ سے بات ہو جائے تو حضور لازمی ہو گا۔

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے

علامہ اقبالؒ تو یہ فرماتے ہیں

"سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

لیکن آج مصر و فلسطین کا رنگ ایسا ہے جیسے یہ لوگ اہل فرنگ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ مصر کی عورتوں کو دیکھ کر کوئی پہچان نہیں سکتا کہ یہ فرنگی عورتیں ہیں یا مسلمان۔ ان کے حالات اس قدر تشویش ناک ہیں کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی اکثر آبادی یورپین ہے۔

جو لوگ مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو چکے ہیں ان کے لیے فلاح کی راہ پر آنا ایک مشکل امر ہو چکا ہے کیونکہ ان کا دل ان کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے۔ وہ غیر اسلامی کاموں میں ایسے الجھ چکے ہیں کہ اب وہاں سے ان کا واپس آنا آسان کام نہیں۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نسوانیتِ مغرب کے آگے سر جھکا چکے ہیں۔ اب ان سے ابوذر غفاریؓ اور سلمانؓ فارسی جیسے سجدوں کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ غور سے دیکھا جائے تو راگ و رنگ کی محافل میں جس قدر لوگ موجود ہوتے ہیں وہ سب پڑھے لکھے، مغرب زدہ اور امراء کے طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرز کے لوگ دینی محافل میں بہت کم نظر آتے ہیں کیونکہ ان آزاد روش لوگوں کا مطمح نظر مغربی تہذیب بن چکا ہے۔

Marfat.com

مسلمانے کہ در بندِ فرنگ است | دلش در دستِ اُو آساں نیاید

(مسلمان جو فرنگی تصورات کا غلام ہے اس کا دل آسانی سے اس کے ہاتھوں میں نہیں آتا)

(ا ح: ۸۹۳)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے جو ان کے آباء کی رگوں میں دوڑتا پھر رہا تھا۔ آج ان میں صحیح مسلمانوں کا سا دل اور آرزو باقی نہیں رہی اور اب تو اپنے دلوں میں زیب و زینت کے اسباب جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ چند لوگوں میں نماز، روزہ اور حج اگرچہ باقی رہ گیا ہے لیکن ان عبادات کی روح باقی نہیں رہی۔ اس سے مسلمان دنیا میں مردہ قوم کے افراد مشہور ہو چکے ہیں۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے | وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج | یہ سب باقی ہے تُو باقی نہیں ہے

(ب ج: ۳۸۱)

تنِ بے روح سے بیزار ہے حق •

جس مسلمان کی روح مردہ ہو گئی تو وہ ایک چلتی پھرتی لاش کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ روح اس وقت مردہ ہوتی ہے جب وہ احکامِ الٰہی (اتباعِ شریعت اور ذکرِ حق) سے پہلو تہی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو خود حیّ و قیوّم ہے اور روح کے ذریعے اس کی قیومیت ان پر نازل ہوتی ہے۔ جب انسان کی روح مردہ ہو جائے تو اس کی قیومیت بندے پر کیسے نازل ہو سکتی ہے۔ خدائے زندہ اپنی رحمتوں اور برکات کا نزول ان روحوں پر فرماتا ہے جو زندہ ہوں اور اگر دل ہی مردہ ہو تو خدا کے انعامات اس سے موقوف ہو جاتے ہیں۔

ترا تن روح سے ناآشنا ہے | عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق | خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

(ب ج: ۳۸۲)

فرنگ کی عورتوں کے لیے علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے کہ یہاں کی عورتیں دل و نظر پر پردہ ڈال دیتی ہیں، لہٰذا قرونِ اُولیٰ والی نمازیں تو کجا وہاں تو اب وہ اذانیں بھی نہ رہیں۔ اس کی وجہ ظاہراً یہ ہے کہ جب دل و نگاہ کی حفاظت نہ ہو سکی تو وہ سجدے اور

Marfat.com

اذانوں میں تڑپ کہاں رہ گئی ہے۔

یہ حوریانِ فرنگی، دل و نظر کا حجاب بہشتِ مغربیاں جلوہ ہائے پا بر کاب
دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا مہ و ستارہ ہیں بحرِ وجود میں گرداب
سکھا دیئے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقہی فقیہِ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
وہ سجدہ، روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب
سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب
(ب ج: ۳۲۸)

آج کے مسلمان (بھاری اکثریت سے) چنگ و رباب کی مجلسوں میں عیش پرستی میں الجھ گئے ہیں۔ اس لیے ان کو اتباع دین کی کہاں فرصت ملتی ہے۔ علامہؒ نے مولانا رومی کے ایک شعر کا حوالہ دوسرے شعر میں دیا ہے کہ مولانا نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے اور وہ اپنے شعر پڑھنے والوں سے ایک سوال پوچھ رہے ہیں کہ جب مجلسوں میں بجائے جانے والے خشک تار و خشک چوب و خشک پوست کو مضراب سے حرکت دیتے ہیں تو یہ دوست کی آواز کہاں سے نکل پڑی۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ عیش و عشرت کی دلدادہ اس قوم کو کیا پتہ کہ یہ دوست کی آواز کیا ہے۔ وہ شعر یوں ہے:

خشک تار و خشک چوبے و خشک پوست از کجا می آید ایں آوازِ دوست
(خشک تار، خشک لکڑی اور خشک چمڑے سے ہمارے دوست (یعنی خدا کی) آواز کہاں سے آ گئی)

دورِ حاضر مست چنگ و بے سرور! بے ثبات و بے یقین و بے حضور!
کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا!
(ب ج: ۴۲۶)

انجامِ خرد ہے بے حضوری

علامہ اقبالؒ نے خرد و عقل پر بہت کلام کیا ہے جس کا ایک اچھا خاصہ حصہ ہماری عنقریب شائع ہونے والی تصنیف ''عقل و عشق اور فلسفۂ خودی'' میں دے دیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ نری عقل (بغیر تہذیبِ عشق کے) کارہائے نمایاں انجام دینے کے قابل

Marfat.com

نہیں ہے۔ایسی عقل کے پجاری بھلا بے حضوری کی بیماری کا کیا علاج کرسکیں گے۔ایسی فکر تو نغمۂ بے صوت کی طرح ہے اور انسان کو عمل پر اکسانے کے لیے گویا موت کا سامان ہے۔

انجام خرد ہے بے حضوری ہے فلسفۂ زندگی سے دُوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت
(ض ک: ۴۸۰)

مثالِ ماہ چمکتا تھا جن کا داغِ سجود

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سر پر نیابتِ الٰہی کا تاج رکھا اور اس کو باکمال بنا کر تمام علوم عطا فرمائے اور محیر العقول قوتوں کا مالک بنایا (اس بات کی تفصیل کہ انسان کو کون سے علوم اور کون سی قوتیں عطا فرمائی گئی ہیں، اس کا ذکر ہماری دیگر کتابوں میں تفصیل سے کر دیا گیا ہے۔ ان قوتوں اور رعنائیوں سے انسان ظلِ سبحانی بنا اور یہ طریقہ جس سے روحانی باتوں کا حصول ہوتا ہے اس کو طریقت یا فقر بھی کہتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ فرنگ کی بے حیا مجلسوں اور صحبتوں سے نیابت کا یہ تاج مسلمان سے چھین لیا گیا کیونکہ وہ ان باتوں کی حفاظت نہ کر سکا۔ حقیقتاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان عیاشیوں اور بے حیائیوں کے بدلے اہل فرنگ نے مسلمان سے ان کی مسلمانی چھین لی۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن کمالات کی وجہ سے انسان کے ستاروں کی چمک تھی اور جن پر چاند اور سورج بھی رشک کرتے تھے اب وہ کمالات مسلمانوں میں مفقود ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمان روپے پیسے کی افراط سے عیش پرست ہو گئے ہیں اور قرآن وحدیث کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔

علامہ اقبالؒ کا منشا یہ ہے کہ آپ اپنی اصلیت کو یاد رکھیں اور جن خوبیوں کی وجہ سے آپ کی زمانے بھر میں عزت تھی ان خوبیوں کو دوبارہ اپنے اندر پیدا کریں۔ شاہیں اپنی خوبیوں پر آج بھی قائم ہے، اس سے اتنا سبق تو حاصل کریں۔

یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار اسی مقام سے آدم ہے ظلِ سبحانی!
کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی!
مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی!

ہوا حریفِ مہ و آفتاب تُو جس سے رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی!

(ض ک: ۴۹۴)

شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری

علامہ اقبالؒ نے مردِ مومن کی علامات کا ذکر کیا ہے جس کو ہم الگ ''اقبالؒ کا مردِ مومن'' کے مضمون میں تحریر کر چکے ہیں۔ ''ضرب کلیم'' کی غزلیات میں بھی ایسے ہی مردِ مومن کی علامات بیان کی جا رہی ہیں کہ جس بندۂ مومن کا شباب بے داغ اور پاکیزہ ہو اور اس قدر جری اور بہادر ہو کہ جنگ میں جنگل کے شیر کی طرح بڑھ کر حملہ کرتا ہو تو ایسا شخص اپنی قوم اور ملت کی آنکھ کا تارا بن جاتا ہے اور قوم اس کو بہادری کے خطابات سے نوازتی ہے۔ مردِ مومن کی یہ بھی علامت ہوتی ہے کہ وہ امن کے دنوں میں دشمنوں سے بھی اچھے سلوک سے پیش آتا ہے۔

شاہین کی زندگی بھی تمام عیوب سے پاکیزہ ہوتی ہے اور جہاں مقابلہ کی ضرورت ہو تو وہاں اپنے کرتب اور جنگ کے کمالات دکھاتا ہے۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری!

اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر اگر ہو صلح تو رعنا غزالِ تاتاری!

(ض ک: ۶۳۴)

یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری

(تیری پرواز لولاکی نہیں ہے)

مردِ مومن میں جو بلند پروازی تھی وہ اب دورِ حاضر کے مسلمانوں میں مالی اور مادی وسائل کے حصول تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کی قوتِ تسخیر بھی ختم ہو چکی ہے۔ اگرچہ انسان کی فطرت شاہین کی طرح بلند پروازی پر مائل تھی لیکن اب پستیٔ افکار کی کوتاہی کی وجہ سے انسان کی قوتِ پرواز اور جرأت و بے باکی باقی نہیں رہی۔

پروازِ لولاکی کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا: **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ** یعنی اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ

Marfat.com

کرتا۔(کشف الخفاء للعجلونی: ج ۲، ص ۲۳۲، الفوائد المجموعہ للشوکانی: ص ۳۲۶) انسان اس زمانے میں نبی کی امت ہونے کے ناتے سے شانِ لولاک کا وارث ہے مگر اب اس کی پرواز میں اندیشہ افلاکی نہیں ہے۔ مگر شاہیں اب بھی اس شانِ لولاکی کو ہمیشہ یاد کرواتا ہے۔

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے   تیری پرواز لولاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیزی   تیری آنکھوں میں بےباکی نہیں ہے
(ب ج: ۳۷۴)

فطرت کو خرد کے رُوبرو کر

فطرت کی بے پناہ قوتوں کو انسان نے تسخیر کیا ہے۔ کہیں دریاؤں کا رخ موڑ دیا، کہیں بھاپ سے انجن چلائے۔ ریل گاڑی اور جہاز سے ترقی کر کے میزائل کی مدد سے افلاک کے پردوں کو بھی چاک کر دیا اور دوسرے ستاروں کی دنیا میں دخل دینا شروع کیا۔ غرضیکہ سائنس نے کاٹ کر اچھا خاصا آپریشن کر دیا اور تراش خراش سے اسے بہتر بنایا۔

اسی طرح لوگوں نے چمن کے پھول کو زخمی کر دیا ان پر رحم کھانا انسان کا کام ہے۔ ستاروں کی فضا بہت وسیع ہے اور اس میں کوئی رخنہ نہیں، مگر افسوس کہ انسان نے اپنے آپ کو چند ایک چھوٹی چھوٹی جگہوں میں محدود کر لیا ہے اور معمولی فتنے فساد اور علاقائی تعصبات میں بٹ گئے ہیں۔ فطرت اگرچہ باذوق ہے، اس نے دنیا کو خوب بنایا ہے مگر جو اس میں خامیاں رہ گئی ہیں (اخلاقی، معاشی اور منظر کشی) ان سب کو دور کر کے اس کو اور بھی حسین کرو۔

فطرت کو خرد کے رُوبرو کر   تسخیرِ مقامِ رنگ و بُو کر
تاروں کی فضا ہے بیکرانہ   تُو بھی یہ مقامِ آرزو کر
عریاں ہیں ترے چمن کی حوریں   چاکِ گل و لالہ کو رفو کر
بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت   جو اس سے نہ ہو سکا، وہ تُو کر
(ب ج: ۳۵۱)

Marfat.com

رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل

انسان اگر دل کی حقیقت اور اس کی رموز کو پہچان لے تو مشکل سے مشکل کام بھی آسانی سے طے ہو جاتے ہیں کیونکہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے اور اس سے نکلی ہوئی ایک آہ بھی آسمانوں کو چیر کر اللہ تعالیٰ کے عرش پر پہنچ جاتی ہے۔ انسان کا دل ویسے تو ہر چمکتی چیز پر عاشق ہو جاتا ہے، مگر حقیقی دل اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بغیر نہیں ٹھہرتا۔ بندہ اپنی تمام بساطِ دنیا کو تباہ کرنے کے بعد ہی دانۂ دل کی کھیتی کو حاصل کرتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یا رب! جل گئی مزرعِ ہستی تو اُگا دانۂ دل
حسن کا گنجِ گراں مایہ تجھے مل جاتا تُو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل
(ب د: ۶۱)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ دل سے جو عبادت کے حروف نکلتے ہیں وہ فوراً مقامِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ جب یہ دل عشق کے دام میں پھنسا ہوا ہوتا ہے تو اس کی تازگی کو طوفانِ باد و باراں یا بجلیوں کی گرج چمک نقصان نہیں دیتی بلکہ ایسے طوفان اس کی پرورش کرتے ہیں۔ دل کی گہرائیوں سے جو لوگ سجدہ کرتے ہیں ان کی مستانہ اداؤں کو ہزاروں سجدوں سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایک چرواہے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا قصہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اللہ تعالیٰ سے کہہ رہا تھا، اے اللہ! اگر تو میرے سامنے آئے تو میں تیرے پیروں سے میل کی صفائی کروں، تیری جوؤں کو نکالوں۔ یہ قصہ ہماری تصنیف ''سوز و سازِ رومی'' میں بیان کیا گیا ہے اور یہ محبت ہی اصل عبادت ہے۔ علامہؒ نے فرمایا ہے:

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا دل کسی اور کا دیوانہ، میں دیوانۂ دل
تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں! اس کو رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل
عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے
(ب د: ۶۲)

Marfat.com

اے پیرِ حرم تیری مناجاتِ سحر کیا؟

علامہ اقبالؒ پیرِ حرم کو کہتے ہیں کہ مجھے تو دنیا کے حالات بہت دگرگوں نظر آتے ہیں مگر پیرِ حرم نہ جانے کیا سمجھ کر خاموش بیٹھا ہے۔ انسانوں کے دل حقیقتِ مطلق کے متلاشی ہیں مگر ہمارے نوجوانوں کو احوالِ زمانہ نے زیروزبر کر رکھا ہے یعنی ان کی راہنمائی کے لیے علمائے دین اور پیرانِ حرم کی مناجاتِ سحر کیا مداوا کر سکتی ہیں۔ ایسے پیروں کا غلط اندازِ تعلیم بے معرکہ جینے کی تلافی کب کر سکتا ہے اور اس سے جوانوں کی خودی بیدار نہیں ہو سکتی کیونکہ فقط اللہ سے مناجات کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، جبکہ ان کو عمل پر اکسانے والے لوگ ان کے مرض کو سمجھ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہر دل میں تمنائے دیدارِ الٰہی فطرتاً چنگاری کی طرح دبا کر رکھی ہے مگر یہ چنگاری وقتِ دیدار سے پہلے ہی ناسازگار ماحول میں دب جاتی ہے۔

نمی گردد کہن افسانۂ طور • کہ در ہر دل تمنائے کلیم است

(افسانۂ طور کی یاد تازہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دل میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح دیدار کی تمنا رکھی ہوئی ہے) (پ م: ۲۰۸)

یہ تمنائے دیدار دلوں میں اب بھی موجود ہے مگر نوجوانانِ اسلام کو نشۂ طلبِ دنیا نے اس دیدار کو حاصل کرنے کے لیے تلافی نہیں کی کیونکہ بغیر معرکہ آرائی کے یہ کام مشکل ہے۔ اس کے توڑنے کے لیے پیروں کا یہ جادو کیا کام کر سکتا ہے کیونکہ ان کا اندازِ طلب نم خوردہ شعلے کی طرح بیکار ہے۔ اس کے لئے عالی ظرف، بلند حوصلہ اور سخت کاوشوں کی ضرورت ہے۔

ہر سینے میں اک صبحِ قیامت ہے نمودار — افکار جوانوں کے ہوئے زیروزبر کیا!
کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی — اے پیرِ حرم! تیری مناجاتِ سحر کیا؟
ممکن نہیں تخلیقِ خودی خانقہوں سے — اس شعلۂ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا!

(ض ک: ۶۳۵)

Marfat.com

باب ۲۴

قیام

علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں لفظ قیام یعنی نماز میں قیام کرنے کا لفظ کئی بار استعمال کیا ہے۔ قیام اسم ہے اور اس کو آپ نے کئی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ چند معانی نیچے دیئے جا رہے ہیں۔ آپ کے نزدیک نماز باقیام وہ ہوتی ہے جس میں نماز کے ذوق و شوق کا ثبات، نماز کے قیام میں ذکر و فکر، جہاد کا جذبہ اور عشق و مستی پائے جاتے ہیں۔

علامہؒ کے کلام میں قیام کے درج ذیل معانی ہیں

i- بمعنی ثبات کا پایا جانا، باقی رہنے اور برقرار رہنے کی صورت حال، جیسے کہ ''رموزِ بےخودی'' میں کہا گیا ہے:

ذکر قائم از قیامِ ذاکر است — از دوامِ اُو دوامِ ذاکر است

(ذکر (قرآن) کا قائم رہنا ذاکر (امتِ مسلمہ) کے قیام سے وابستہ ہے۔ اس لیے قرآن پاک کے دوام میں امتِ مسلمہ کا دوام موجود ہے) (اسرار و رموز: ۱۱۹)

ii- بمعنی کفر کے مقابلہ میں اٹھ کھڑا ہونا (یعنی جہاد کے لیے) جیسے ''ارمغانِ حجاز''

Marfat.com

کی رباعیات میں ہے:

بسوزد مومن از سوزِ وجودش کشودِ ہر چہ بستند از کشودش

(مومن اپنے وجود کے سوز سے جلتا ہے ہر سربستہ راز اسی کے ہاتھوں سے کھلتا ہے)

جلالِ کبریائی در قیامش جمالِ بندگی اندر سجودش

(اس کے قیام میں جلالِ کبریائی ہے اور اس کے سجود میں جمالِ بندگی ہے)

(ار ح:۱۰۲۶)

iii- قیام بمعنی بقا اور حیات بھی لیا جاتا ہے، جیسے فرمایا:

بر قیامِ خویش می آرد دلیل از مزاج ایں زمانِ بے خلیل

(یہ بت) اس توحید سے خالی اور بے خلیل زمانے میں خود کو واپس آنے کی دلیل سمجھتے ہیں)

(ج ن:٦٧٦)

iv- بمعنی نماز قائم کرنے کی صورتِ حال جیسا کہ درج ذیل اشعار میں نماز کی کیفیت بیان ہوئی ہے:

از قیامِ بے حضورِ من مپرس از سجودِ بے سرورِ من مپرس

(میری نماز کے قیامِ بے حضور اور سجودِ بے سرور کی بات نہ پوچھ)

جلوۂ حق گرچہ باشد یک نفس قسمتِ مردانِ آزاد است وبس

(اللہ تعالیٰ کا جلوہ خواہ ایک لمحہ کے لیے ہو، صرف مردانِ حق کا نصیب ہے)

مردِ آزادے چو آید در سجود در طوافش گرم رَو چرخِ کبود

(آزاد مرد جب سجدے میں گرتا ہے تو یہ نیلا آسماں اس کے طواف میں گرم ہو جاتا ہے)

ما غلاماں از جلالش بے خبر از جمالِ لازوالش بے خبر

(ہم غلام ایسے مردِ آزاد کے جلال اور لازوال جمال سے بے خبر ہیں)

از غلامے لذتِ ایماں مجو گرچہ باشد حافظِ قرآں مجو

(ایسے غلام میں خواہ وہ حافظ قرآن ہو ایمان کی لذت تلاش نہ کرو)

(پ چ: ۸۳۳)

Marfat.com

v- نماز کے قیام میں مقرر کردہ ذکر ادا کرنے کی حالت کو بھی قیام سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسے علامہؒ نے فرمایا ہے کہ غلامی میں روح بدن کے لیے بوجھ بن جاتی ہے۔ ایسی نماز میں قیام تو ہو گا مگر یہ ایسے ہی ہے جیسے بغیر امام کے قیام ہو۔

از غلامی روح گردد بارِ تن　　از غلامی دل بمیرد در بدن

(غلامی میں روح بدن کے لیے بوجھ بن جاتی ہے، غلامی میں بدن کے اندر دل مر جاتا ہے)

از غلامی بزمِ ملّت فرد فرد　　این و آں با این و آں اندر نبرد

(غلامی میں ملت ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے، ایک گروہ دوسرے گروہ سے لڑتا رہتا ہے)

آں یکے اندر سجود ایں دَر قیام　　کاروبارش چوں صلوٰۃِ بے امام

(ایک گروہ سجدے میں ہوتا ہے اور دوسرا قیام میں، ملت کا کام ایسا ہوتا ہے جیسے امام کے بغیر نماز)　　(ز ع: ۵۷۲)

vi- قیام خویش بمعنی اپنے خاص عشق و مستی میں قیام کرنا: یہاں قیام خویش سے علامہؒ کی مراد ایسی نمازِ عشق یا جہاد فی سبیل اللہ یا عشق و مستی کے متعلق کوئی اور کام کرنا ہے، جیسے مراقبہ و مجاہدہ وغیرہ (جو وقت کا پابند نہیں اور) کسی بھی وقت اس کا ولولہ اور جوش پیدا ہو جاتا ہے۔

تو خود وقتِ قیامِ خویش دریاب　　نمازِ عشق و مستی را اذاں نیست

(تو (اپنی نماز کے) قیام کا وقت خود دریافت کر، نماز عشق و مستی کی کوئی اذان نہیں ہوتی)

(ا ح: ۱۰۲۵)

یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

اقبالؒ سجدے اور قیام کے تلازمے لاتے ہیں۔ سجدہ سر بزیری ہے اور اس میں قیام (ذوق) نہ ہو تو ابلیس خوش ہوتا ہے کہ دیکھئے اس مغلوب قوم میں سجدے کے بعد قیام کی ہمت نہیں۔

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر　　یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا!

(ب ج: ۳۴۹)

Marfat.com

ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام!
(ا ح: ۶۴۸)

اقبالؒ بیداریٔ ذات چاہتے ہیں جسے سجود اور قیام دونوں مل کر لاتے ہیں اور ان متفاوت حرکات و سکنات اور عبادات کی رُو سے انسان ملائکہ سے برتر ہے کیونکہ ملائکہ کسی ایک کام پر مامور ہیں، سجود ہو یا قیام یا رکوع وغیرہ، جبکہ انسان یہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے:

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ
(ب ج: ۳۱۵)

البتہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ سوز و ساز سے محروم اور غلامی میں محو لوگ روحِ نماز کی حلاوت سے محروم رہتے ہیں۔

دو گیتی را صلا از قراءتِ اُوست مسلماں لایموت از رکعتِ اُوست
(نمازِ عشق کی قراءت دونوں جہانوں کے لیے صلا ہے، اس کی ایک اہمیت مسلمانوں کو ذرّہ جاوید بنا دیتی ہے)

نداند کشتۂ ایں عصرِ بے سوز قیامتہا کہ در 'قد قامتِ' اُوست
(اس دورِ بے سوز کا مارا ہوا انسان کیا جانے کہ اس نماز کی اقامت میں کیا قیامت پوشیدہ ہے)
(ا ح: ۱۰۲۷)

معینہ نماز کے اس قدر اوصاف کے باوجود اقبالؒ اظہارِ خیال کرتے ہیں:

مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
تھم اے راہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا
(ب ج: ۳۴۹)

مومن کے قیام میں جلال اور سجود میں جمال ہوتا ہے۔ مومن کے قیام میں جلالِ خداوندی نظر آتا ہے اور سجود میں جمالِ مصطفیٰ ﷺ پایا جاتا ہے جس کے سوز سے وہ مسلکوں کو

Marfat.com

حل کرتا ہے اور ریاضت سے اس میں ایک ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے جسے وہ جہاں چاہے عقدہ کشائی اور مشکل کشائی کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ میاں محمد بخش نے فرمایا ہے:

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد نگاہ کرے جس ویلے، مشکل رہے نہ کائی

اولیائے کرام کی ایسی کرامات جو انہیں سوز سجود اور دیگر عبادات سے میسر ہو جاتی ہیں عام طور پر اولیائے کرام کی زندگیوں کے تذکروں میں نظر آتی ہیں۔ ایسے کمالات کا ذکر چونکہ طویل ہے اس لیے اس کا بیان میاں صاحبؒ کے مذکورہ شعر کے بعد ضروری خیال نہیں کیا جاتا۔ ان کی یہ کرامات ان کی عبادات، قیام اور سجود کے باعث وجود میں آتی ہیں۔

بسوزد مومن از سوزِ وجودش کشود ہر چہ بستند از کشودش
(مومن اپنے وجود کے سوز سے جلتا ہے، ہر سر بستہ اسی کے ہاتھوں کھلتا ہے)
جلالِ کبریائی در قیامش جمالِ بندگی اندر سجودش
(اس کے قیام میں جلالِ کبریائی ہے اور اس کے سجود میں جمالِ بندگی ہے)
(اح:۱۰۲۶)

جبینِ بندۂ حق میں نمود ہے جس کی اُسی جلال سے لبریز ہے ضمیرِ وجود!
(ض ک:۱۱۰)

مشکلیں بلند پروازی پیدا کرتی ہیں

مسلمانوں کے لیے مصائب اور مشکلات دو طرح سے باعثِ رحمت ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے ان کے درجات کی بلندی اور عزم و ہمت میں پختگی پیدا ہوتی ہے، اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

مصائب میں دوسری خوبی یہ ہے کہ بندۂ مومن مصائب میں صبر اور نماز سے کام لیتا ہے جس کا اجر اس کو دنیا اور آخرت میں ملتا ہے۔ اس صبر اور استقامت کے باعث اللہ تعالیٰ مومن سے مصائب کو دُور فرما دیتا ہے۔ چنانچہ مصائب آتے ہیں تو خود بخود دُور بھی ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

باب ۲۵

مقامِ سجدہ

امام راغب نے السجود کے معنی فروتنی اور عاجزی کرنے کے لکھے ہیں۔ اللہ کے سامنے عاجزی اور اس کی عبادت کرنے کو سجود کہا جاتا ہے۔ سجود کی دو قسمیں ہیں: ایک اختیاری جسے فرمایا فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا☆ (النجم: ۶۲) (پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کیا کرو۔) سجدے کی دوسری قسم وہ ہے جو چاند، سورج ستارے اور دنیا کی ہر شے ادا کرتی ہے، جیسا کہ فرمایا: وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرعد: ۱۵) (اور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے) یہ سجدہ انسان اور وہ چیز چار و ناچار کرتے ہیں۔ یہاں امام راغب کی طویل اور بلیغ تشریح اس لیے نہیں دی جا رہی کیونکہ یہ کتاب اس کی متحمل نہیں۔

☆: سجدۂ تلاوت کریں۔ سجدۂ تلاوت ہر مسلمان فرد پر واجب علی التراخی ہے جو کسی آیت سجدہ کی تلاوت کرے یا سنے۔ سجدۂ تلاوت فوراً ادا کرے یا تاخیر سے، دونوں صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ قرآن پاک میں چودہ مختلف مقامات پر آیاتِ سجدہ ہیں۔

Marfat.com

قرآن و حدیث کی رُو سے اگر دیکھا جائے تو عبادت کی روحِ رواں سجدے کو ہی سمجھا جاتا ہے کیونکہ نماز اگرچہ عاجزی کی ہی ایک اعلیٰ ترین صورت ہے مگر سجدے میں جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور عبادت میں ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سجدے کی صورت حال بہت زیادہ پسند ہے۔ اس پسندیدگی کی متعدد وجوہات ہیں جن میں سے کچھ وجوہات کو مختصر تشریح کے ساتھ نیچے بیان کیا جارہا ہے۔

سجدہ عبادت کا اعلیٰ ترین مقام ہے جہاں انسان پر فطرت کی نمود واضح ہو جاتی ہے۔ انسان کے دن بھر کی مشقت اٹھانے سے جو کمی واقع ہوتی ہے وہ محض سجدہ کرنے سے دُور ہو جاتی ہے۔

مردِ حق افسونِ ایں دیرِ کہن از دو حرف ربی الاعلیٰ شکن

(اے مردِ حق! اس پرانے بت خانہ (دنیا) کا جادو رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے دو الفاظ سے توڑ دے)

بانگِ تکبیر و صلوٰۃ و حرب و ضرب اندراں غوغا کشادِ شرق و غرب

(تیری بانگ تکبیر، تیری نماز اور تیری ضرب و حرب کے غوغا سے شرق و غرب کے معاملات سلجھے) (پ چ: ۸۰۹،۸۳۶)

سجدے کا کمال

عبادت کا کمال سجدہ ہے اور یقین باطن کی یہ ظاہری اور باطنی صورت بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے سجدہ کرتے ہوئے حضوریٔ قلب اور ذوقِ یقین کی کیفیات کو لازمی تصور کیا ہے۔ عشق الٰہی کا آغاز ادب سے ہوتا ہے اور سجدہ عشق الٰہی کا مظہر ہے یہ ایمانی بصیرت، فقرِ غیور، عرفانِ ذات اور ایقانِ عاشقی کے ظہور کا ایک ذریعہ ہے۔

سجدے میں تسخیرِ خلق اور آفاق و انفس سے تعلق پیدا کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی کا سر عجز و انکسار سے اللہ کے دربار میں جھک جاتا ہے تو وہ دنیا سے بے نیاز ہو کر نازِ کبریائی کا حق دار بن جاتا ہے۔ پھر اس کا سر کسی کے آگے نہیں جھکتا۔ سجدہ روح کو تہذیب و ادب سکھاتا ہے اور نماز کی نیت کی پاکیزگی عطا کر دیتا ہے۔ علامہؒ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا عشق ان کا امام بن جاتا ہے اور عقل ان کی غلامی کرتی ہے۔ ان کا سر کسی کی

Marfat.com

درگاہ میں نہیں جھکتا۔ اسی لیے علامہؒ نے فرمایا:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!
(ض ک: ۴۹۹)

یہ فطرت کا قانون ہے جو چیز انسان کے لیے بہت ضروری ہے اسے ارزاں کر دیا جاتا ہے مثلاً ہوا اور پانی جس قدر انسانی حیات کے لیے ضروری ہیں اسی قدر ان کو فراوانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ سجدہ انسانی زندگی کے لیے بہت ضروری اور اہم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو حضور ﷺ کی امت کے لیے سجدہ گاہ بنا دیا تاکہ آپ کا امتی جب چاہے اور جہاں چاہے بارگاہِ ایزدی میں سر جھکا سکے ورنہ اس سے پہلے تو صرف کلیساؤں یا مندروں میں ہی عبادت کی جاتی تھی اور اس امت کے لیے روئے زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا گیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی برتری اور خلافت منوانے کے لیے فرشتوں اور جنوں کو سجدے کے لیے کہا گیا کہ آدم علیہ السلامؑ کو سجدہ کرو، لہٰذا تمام فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا اور اس کی اس نافرمانی پر اس کی شکل بگڑ گئی اور اسے کافر (انکار کرنے والا) قرار دیا گیا۔ فرشتوں نے سجدہ کیا تو دیکھا کہ ابلیس کی صورت بگڑ گئی اور عتابِ الٰہی کا موجب ٹھہرا۔ یہ نقشہ دیکھ کر فرشتوں نے ایک اور سجدہ کر دیا جس کو سجدۂ شکر کہا جاتا ہے (کہ وہ اس عتاب سے بچ گئے) یہی وجہ ہے کہ ہم نماز میں دو سجدے کرتے ہیں اور ہر سجدے کی وجہ سے مومنوں کے درجات بلند ہوتے ہیں لہٰذا سجدہ کرنا بلندئ درجات کا باعث ہے اور سجدہ نہ کرنا نافرمانی اور کفر میں شامل ہے۔ ایک حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب شیطان کسی مومن کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اپنے سر میں خاک ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ ایک سجدہ نہ کرنے پر مارا گیا مگر انسان اسی سجدے کے باعث خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے
ہزاروں سال سجدے میں جو سر مارا تو کیا مارا
(غیر اقبال)

Marfat.com

وہ سجدہ اختیار کرو جس سے اللہ تعالیٰ اسرارِ کائنات اٹھا دیتا ہے اور زمین تھرّانے لگتی ہے۔ وہ سجدہ جس سے ملائکہ حیرت میں آ جائیں کیونکہ جذب و سوز و مستی کی دولت انسان کے حصے میں آئی ہے۔

پردہ بگذار آشکارائی گزیں تا بلرزد از سجودِ تو زمیں
(پردے سے نکلو اور آشکارائی اختیار کرو تاکہ تیرے سجدے سے زمین لرز اٹھے)
(پ چ: ۸۶۵)

سجدوں سے قربِ الٰہی ملتا ہے

قرآن مجید میں آیا ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ یہ سجدہ کوئی تو اپنی خوشی سے کرتا ہے اور کوئی اضطرار (مجبوری سے) کے طور پر، یعنی ہر چیز طوعاً و کرہاً سجدہ کرتی ہے۔ اور مومن خوشی خوشی سجدہ کرتے ہیں۔ ان کے سجدے بے شعوری میں ہوتے ہیں انسان کا سجدہ شعور کے ماتحت ہوتا ہے۔ اسی لیے انسانوں کے سجدے بامعنی، بااختیار اور باعثِ قربِ الٰہی ہوتے ہیں۔ وہ باغی انسان جو خدا کو سجدہ نہیں کرتے ان کے سروں کو زبردستی سورج کی روشنی ان کے سروں پر ڈال کر، ان کے سایوں کو زمین پر زبردستی جھکا کر سجدہ کرا دیا جاتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے ''ملتِ بیضاء'' کی اصلاح کے لیے لکھا ہے کہ جب تک ہم قومیت کے پودے کو اسلام کے آبِ حیات سے نہ سینچ سکیں اس وقت تک نوجوانوں کی تعلیمی اٹھان اسلامی طرز پر نہیں ہوسکتی۔ ایک جگہ آپؒ نے فرمایا کہ:

پانی نہ ملا زمزمۂ ملت سے جو اس کو پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
(ب د: ۲۴۵)

سجدہ ایک ایسی دولت ہے کہ جو مسلمانوں کے دلوں میں ذوقِ آگہی، خودشعوری اور حسن آدمیت کی صفات پیدا کرتا ہے اور قوموں کی تعمیر انہی صفات کو مدنظر رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ سجدہ اور عبادات بندۂ آفاق کو صاحب آفاق بنا دیتی ہے اور فطرت کو انسان کے لیے مسخر کر دیتی ہے۔

Marfat.com

ناخن ما عقدۂ دُنیا کشاد بخت ایں خاک از سجودِ ما کشاد
(ہمارے ناخن نے دنیا کے مسائل کو کھولا، اس مٹی کی قسمت ہمارے سجدوں سے چمک اٹھی)
(اسرار و رموز)

عبادت میں سے سب سے زیادہ قربِ الٰہی سجدہ میں ہے

اس حقیقت کی تشریح بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن کی ایک آیت میں اس کی مکمل افادیت ظاہر کر دی گئی ہے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق:۱۹)
(اے حبیب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کیجئے اور ہم سے اور قریب ہو جائیے) (سجدۂ تلاوت)
قارئین جلد از جلد اللہ رب العزت کے حضور سجدۂ تلاوت کریں، سجدہ واجب ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی ''اے ثوبانؓ! کثرت سے سجدہ کیا کرو کیونکہ جب تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ ہر سجدے کے ساتھ تیرا ایک درجہ بلند کرے گا اور تیری ایک خطا معاف کرے گا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ (مسلم، کتاب الصلوٰۃ:۲۱۵)
(بندہ اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو)

موسیٰ علیہ السلام کو تواضع سے خاک پر پڑے رہنے کے سبب کلیم بنایا گیا

''امداد السلوک'' (ص ۱۹۸، اردو ترجمہ) میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ! جانتے بھی ہو کہ کس شے کے سبب ہم نے تم کو کلیم بنایا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے رب! میں تو نہیں جانتا۔ حکم ہوا کہ ہم نے تم کو دیکھا تھا ہماری عالی بارگاہ میں تواضع کے ساتھ خاک پر پڑے ہوئے تھے۔ پس اس کے سبب ہم

Marfat.com

نے تم کو سارے آدمیوں سے بالا تر بنا دیا۔ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے تو ہر روز ایک بار اس خاک پر لوٹا کرتے تھے اور جب مدارج کمال بلند ہو گئے تو ہر دن میں ہزار ہا بار لوٹا کرتے تھے۔ (حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ لوٹنا عالم ارواح کے اندر نفس اور روح کا روحانی خاک پر لوٹنا تھا) خاک پر یہ لوٹنا عام سجدے سے بھی بلند تر روحانی سجدے میں ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

سجدے سے باطل خداؤں کی نفی ہوتی ہے

وہ سجدہ جن سے باطل معبودوں کی نفی نہ ہو اس کو سجدہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ سربزیری (اپنے سر کو کسی غیر خدا کے آگے جھکا دینا) کہلا سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ قابل احترام، لائق ستائش یا پسندیدۂ خدا وہی سجدہ ہے کہ جس کو ادا کرنے کے بعد باقی تمام سجدے تجھ پر حرام ہو جائیں۔ ''ساقی نامہ'' میں علامہؒ فرماتے ہیں:

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
(ب ج: ۴۲۰)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکا دیتا ہے تو وہ باقی تمام خداؤں کی نفی کر دیتا ہے۔ حضرت مخدوم الہجویریؒ نے ''کشف المحجوب'' میں فرمایا ہے کہ وَاَمَّا مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (''الاسرار المرفوعہ'' حدیث: ۹۳۷) (اور جس نے اپنے نفس کی معرفت حاصل کر لی تو اس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کر لی) اس حدیث کا یہ معنی بیان کیا گیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو بندہ سمجھا اس نے خدا کو خدا سمجھا۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ انسان اپنے آپ کو بندہ خیال نہیں کرتا بلکہ خود کو خدا کے برابر ہی سمجھتا ہے اور جس نے خود کو بندہ سمجھ لیا اس نے خدا کو خدا سمجھ لیا۔

حضرت سفیانؒ ثوری کی مجلس میں ایک عالم آیا جو خلیفہ وقت کے دروازوں پر جایا کرتا تھا۔ آپ نے اہلِ مجلس کے سامنے اس عالم کو کہا کہ تم ایک عالم ہو اور تمہیں علم ہے کہ علماء امراء کے دروازوں پر نہیں جاتے مگر تم ایسی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ اس عالم

Marfat.com

نے جواب دیا کہ کیا کیا جائے؟ ہم بال بچے دار آدمی ہیں۔ حضرت نے دوسرے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو یہ کیسا عالم ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ اگر امراء کے در پر نہیں جائے گا تو اس کے بچے بھوکے مر جائیں گے۔ علامہؒ فرماتے ہیں:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری

(ب د:۲۶۱)

مشائخ کرام یہ سمجھتے ہیں کہ مومن کے دل میں اپنی عبادت کے باعث ایک روحانی طاقت جمع ہو جاتی ہے جس کو اپنے دنیاوی امور کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مومن کی صفت یہ ہے کہ اس کے قیام میں جلال اور سجود میں جمالِ زندگی نظر آتا ہے۔ لاہور کے ایک بزرگ (وڈّے پیر کے درس والے) اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ وہ ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر اس کے باپ نے یہ شرط لگا دی ہے کہ اگر تم قرآن مجید حفظ کر لو گے تو ہم اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز ہمارے ساتھ ادا کیا کرو اور پہلی صف میں دائیں طرف کھڑے ہو جانا۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو دائیں طرف جتنے بھی نمازی تھے سب حافظ قرآن ہو گئے اور بائیں طرف والے ناظرین قرآن ہو گئے۔ یہ بات تو اکثر دیکھنے میں آتی ہے کہ کسی بزرگ کے پیچھے جو نماز ادا کرے تو وہ پکا نمازی بن جاتا ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

مسلمانوں کی اکثریت تباہی کے دہانے تک پہنچ چکی ہے کیونکہ وہ دین خدا سے انحراف کرتے ہوئے دنیا کی رنگینیوں میں مست ہو چکی ہے۔ اب اسے سوائے عیش و عشرت کے سامان کے کسی اور چیز میں دلچسپی نہیں رہی۔ حالت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ اپنے عیاشی کے اسباب حاصل کرنے کے لیے وہ لوگوں کی جانوں سے بھی کھیل جاتے ہیں۔ ہر چیز جو پاکستان میں بنتی ہے اس میں دو نمبر بلکہ پانچ نمبر تک بھی چیزیں بنتی ہیں۔ بچہ نمونیا کا شکار ہو جائے تو اس کی جان بچانے کی دوائیوں کے کیپسولوں میں بجائے دوائی کے بیسن کا آٹا بھرا ہوتا ہے اور اسی طرح ہر دوا سے کتنے ہی بچے اور لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔ پاکستان میں ہزاروں دُکانوں میں سے صرف چار دُکانوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

(فضل دین اینڈ سنز، عثمان ڈرگ ہاؤس، ذکاء فارمیسی وغیرہ) باقی سب جعلی دوائیوں کے اڈے بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ اس لیے کہ ایسی دُکانوں والے ایک دو سال میں کوٹھی کار اور عیاشی کا سامان خرید لیتے ہیں۔ ان کی بلا سے کوئی جیئے یا مرے۔ ان کی عیاشی کا سامان پورا ہو جاتا ہے۔ یہ دھوکا بازی دوسری قسم کی تجارتوں میں بھی چلتی ہے۔

لوگ عیاشی تو کر لیتے ہیں لیکن اگر ایمانداری سے کام کریں تو کیا اس کا عوض فقر وفاقہ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! اگر خدا اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق چلیں تو بھی ان کو وہی دولت ملے گی جو ان کی قسمت میں ہے۔ رزق بندے کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ انسان صرف جلد بازی میں مارا جاتا ہے۔ ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کا یہ تجربہ ہے کہ اگر کوئی نماز و روزہ سے کام لے تو اس کے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں مگر محنت اور صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کا فلسفہ یہی سمجھاتا ہے کہ اگر خدا کے سامنے سر جھکا دیا تو کسی کے سامنے سر جھکانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ راقم الحروف نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ شروع شروع میں جب تک اسلام کا علم نہ ملا تھا ہم بڑے افسروں کے سامنے ایسے گھبراتے تھے جیسے شیر کے سامنے کوئی بکری ہوتی ہے، مگر جب علم اور آگہی کی دولت ملی تو یہی آفیسر بلکہ ڈائریکٹر جنرل سب سے پہلے راقم الحروف سے بغلگیر ہوتے تھے اور بعض ڈائریکٹر جنرل تو ہمارے گھٹنے دباتے تھے۔ ایک ڈائریکٹر جنرل نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ آپ دفتر کے لوگوں سے کہا کریں کہ میں ڈائریکٹر جنرل سے کم نہیں ہوں۔ یہ قصہ بہت طویل ہے اور ایسے بہت سے واقعات ہیں جو یہاں بیان کرنا مشکل ہیں۔ بہرحال یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جب ہم ایک خدا کے آگے سر کو جھکاتے ہیں تو پھر کسی کے آگے سر جھکانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہم نے اپنی دیگر کتب میں لکھا ہے کہ "جو اللہ سے ڈرتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرتی ہے، جو اللہ کا ہو گیا تو وہ بھی اس کا ہو جاتا ہے تو پھر دو نمبر کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حکم دیا ہے کہ جو خدا سے ڈرے اس کی خدمت گزار بن جا۔ کیا لوگوں کو اس بات کا یقین نہیں۔ یہ مضمون بہت طویل ہے بس اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

درج ذیل اشعار میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ آدم علیہ السلام کا قصہ تو پُرانا ہے مگر یہ دنیا کے لات و منات ابھی

Marfat.com

جواں سال ہیں اور گرم رفتاری سے آدم پر حملہ آور ہیں۔

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!
(ض ک:۴۹۹)

سجدے کا کردار پر اثر

سجدہ دلوں کو مرکز مہر و وفا بنا دیتا ہے کیونکہ سجدہ میں انتہائی درجہ کی عاجزی اور انکساری کا سامان موجود ہے۔ سجدہ ملت اسلامیہ کے تب و تاب کا راز ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا سوز، تڑپ اور حرارت رہتی ہے۔ مسلمان کو اس سے یقین اور ذوقِ یقینی کی پختگی ملتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ ۳۰ سالہ ریاضت سے ان کو نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ﴿۱۶﴾ (اور ہم اس سے شہ رگ سے زیادہ نزدیک ہیں) پر یقین حاصل ہوا۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر اس قدر یقین مجھے پہلے ہی میسر ہوتا تو اس قدر ریاضت کی ضرورت نہ تھی۔ یاد رکھیں کہ صحابہ کرامؓ کو تو حضور ﷺ کی صحبت سے ہی ایسا یقین حاصل ہو جاتا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے ہر فرمان پر وہ اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے۔

سجدہ مسلمان کو حریم کبریائی سے آشنائی بخشتا ہے۔ سوزِ دروں اور جذب اندروں اسی سجدے کی علامات ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اسی عبادت کو دردِ سوز آرزومندی کی بے بہا دولت قرار دیا ہے۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزومندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی
(ب ج:۳۰۶)

زندہ مَردوں کے سجدے

زندہ مَردوں (یعنی زندہ دل مَردوں) کے سجدے جن میں جذبِ دروں ہو اسی سجدے کی پہچان ہیں۔ ان سجدوں سے فقیر کو اسرار سلطانی مل جاتے ہیں۔ روشن ضمیری،

Marfat.com

بیداریٔ دل اور نورِ حضور و سرور جیسے مقامات اللہ تعالیٰ کے حضور میں زمین بوسی سے ملتے ہیں۔ علامہؒ نے حضرت علیؒ الہجویری کی منقبت میں لکھا ہے کہ آپ نے اس ملک کی زمین پر سجدے کا تخم بویا اور اسلام ہر طرف پھیل گیا۔

بند ہائے کوہسار آساں گسیخت   در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت

(حضرت ہجویریؒ پہاڑوں کی رکاوٹیں آسانی سے توڑ کر ہند میں پہنچے اور یہاں کی زمین میں سجدے کا تخم بویا) (اسرار و رموز:۵۱)

رباعیات ''حضورِ حق'' میں علامہؒ فرماتے ہیں:

سجودِ زندہ مرداں می شناسی   عیار کارِ من گیر از سجودم

(تو زندہ مردوں کے سجدوں کو پہچانتا ہے میرے کام کے معیار کا اندازہ میرے سجدوں سے کر لے (یعنی میرے سجدے بے ذوق اور کم قیمت ہیں) (اح:۸۸۷)

''زبورِ عجم'' میں 'مردانِ آزاد کا فن تعمیر' کے عنوان سے علامہؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے سجدے ان بزرگوں کے سجدوں کی طرح نہیں جن کا تعلق قرونِ اولیٰ سے تھا اور ایسے سجدے بارگاہ الٰہی کی سطوت کے لائق نہیں۔ یہ سجدہ ریزی کا فن آزاد مردوں کی خدمت سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔

درمن آں نیروے الا اللہ نیست   سجدہ ام شایانِ ایں درگاہ نیست

(میرے اندر الا اللہ کی قوت نہیں، میرا سجدہ اس درگاہ کے لائق نہیں) (زع:۵۸۶)

سجدۂ بے ذوق

کچھ سجدے دکھاوے کے ہوتے ہیں، جیسے علامہؒ نے فرمایا:

سجدۂ تو برآورد از دلِ کافراں خروش   اے کہ دراز ترکنی پیش کساں نماز را

(ترا سجدہ تو کافروں کے دلوں میں بھی احتجاج پیدا کرتا ہے، اے وہ شخص جو دوسروں کے سامنے بھی نماز پڑھتا ہے) (پ م:۳۱۹)

Marfat.com

اگر مسلمان کے بدن میں سوزِ حیات ہے تو یہ نماز اس کے لیے معراج کا درجہ رکھتی ہے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ مومن کی نماز اس کو خدا سے ملا دیتی ہے۔ ورنہ بے بسی اور بے کیف نماز تو محض رسمِ کہن ہی کہلائے گی۔

در بدن داری اگر سوزِ حیات ہست معراجِ مسلماں در صلوٰۃ
(اگر ترے بدن میں حیات کی گرمی ہے تو مسلمان کی نماز تو اس کی معراج ہے)
ور نداری خونِ گرم اندر بدن سجدۂ تو نیست جز رسمِ کہن
(اگر تو بدن میں خون گرم نہیں رکھتا تو تیرا سجدہ سوائے ایک پرانی رسم کے اور کچھ نہیں)
(پ چ: ۸۳۴)

'زبرِ عجم' میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ بے ذوقِ عمل عبادت اور سجود بھی خشک رہتے ہیں اور یہ انسان کو کہیں نہیں پہنچاتے۔ زندگی تو سرتاپا کردار ہے جو اچھے کردار ہوں یا برے۔ ظاہر ہوا کہ بے ذوق سجدوں سے کوئی خاص مقام نہیں ملتا۔

سجدہ بے ذوقِ عمل خشک و بجائے نہ رسد • زندگانی ہمہ کردار چہ زیبا و چہ زشت
(ذوق عمل کے بغیر عبادت خشک رہتی ہے اور کہیں نہیں پہنچاتی۔ زندگی سرتاپا کردار ہے خواہ اچھا ہو یا برا)
(ج ن: ۷۵۹)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اے الٰہی! ہم تیرے تقدس کے لائق سجدے کہاں کر سکتے ہیں۔ تو ہم سے سجدوں کا مطالبہ کیوں کرتا ہے جبکہ ویران گاؤں سے خراج نہیں لیا جاتا تو ہم سے سجدوں کا مطالبہ کیسا؟

سجود از ما چہ می خواہی کہ شاہاں خراج از دہِ ویراں نگیرند
(اے خدا! تو ہم سے سجدہ کا مطالبہ کیوں کرتا ہے ویران گاؤں سے تو لگان وصول نہیں کرتے)
(ا ح: ۸۹۰)

وہ سجدے جو مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہیں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی عبادت میں سجدہ ریز رہتے ہیں اور دنیا

Marfat.com

کے خداؤں کی نفی کرتے ہیں تو ان کے چہرے پھولوں کی طرح چمکتے ہیں اور چاند و تارے (یعنی مخلوق میں اکثریت) ان کے قدموں پر سجدے کرتے ہیں۔

سجدۂ حق گل بسیمایش زدہ ماہ و انجم بوسہ بر پایش زدہ

(اللہ کے حضور سجدوں کے نشان ان کے چہروں پر پھول کی مانند سجے ہوئے ہیں اور چاند و تارے ان کے پاؤں کو بوسہ دیتے ہیں) (اسرار و رموز: ۱۰۵)

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی عبادت اور سجدوں کے بارے میں علامہؒ نے ''جاوید نامہ'' میں نثرادِ نو کے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ وہ سجدے جن سے زمیں لرزہ براندام ہو جاتی ہے اور ہر چیز ان سے ڈرتی ہے تو ہر شے ان کے آگے سجدہ ریز ہو جاتی ہے اور ان کی تابعدار ہو جاتی ہے۔ اگر پتھر پر ان کا سجدہ ہو جائے تو وہ پتھر ہوا میں تحلیل ہو کر دھوئیں کی طرح گردش کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو خدا سے ڈرے تو ہر چیز اس سے ڈرتی ہے۔

سجدۂ کزوے زمیں لرزیدہ است بر مرادش مہر و مہ گردیدہ است

(وہ سجدہ جس سے زمین کانپ جاتی تھی، آسمان اس کے مطابق گردش کرنے لگتا تھا)

سنگ اگر گیرد نشانِ آں سجود در ہوا آشفتہ گردد ہمچو دُود

(اگر پتھر پر اس سجدے کا نشان پڑتا تو وہ دھوئیں کی طرح ہوا میں تحلیل ہو جاتا)

(ج ن: ۷۸۹)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ ہم مسلمان لوگ مکان کی قید سے آزاد ہیں کہ جہاں چاہیں جب چاہیں پہنچ سکتے ہیں۔ اس لیے ہم تو آسمانوں کی قید اور حلقہ سے بھی باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی معرفت ہمیں ایسا سجدہ سکھایا کہ ہماری نظروں سے معبودِ باطل کا علم بخوبی ظاہر ہو گیا ہے اور ہم ایسے باطل خداؤں کی نفی کر دیتے ہیں۔

مسلمانیم و آزاد از مکانیم بروں از حلقہ نہ آسمانیم

(ہم مسلمان ہیں اور قیدِ مکان سے آزاد ہیں ہم نو آسمانوں کے حلقہ سے باہر ہیں)

بما آموختند آں سجدہ کزوے بہائے ہر خداوندے بدانیم

(ہمیں ایسا سجدہ سکھایا گیا ہے جس سے ہم ہر خداوند (معبودِ باطل) کی قیمت پہچان جاتے ہیں) (ا ح: ۹۴۴)

Marfat.com

سجدہ بغیر سوز و گداز کے کچھ نہیں۔ اگر کوئی شخص رسمی سجدہ ادا کرتا ہے تو اس کی فرضیت تو ادا ہو جاتی ہے مگر اس سجدے کا اجر بہت معمولی رہ جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں فرمایا ہے کہ ایسے سجدوں والی نماز کو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے اور اس کے بدلے میں جنت دینے کا وعدہ فرماتا ہے مگر یہ نمازیں صورتِ نماز سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ حقیقتِ نماز اس وقت میسر ہوتی ہے جب کہ نمازی کے دل و دماغ سے نفس کی شمولیت اذعانِ نفس مکمل طور پر ختم ہو جائے۔ ایسی نماز والے کو بھی جنت ملتی ہے جو کہ صورتِ نماز والے کی جنت سے بہت اعلیٰ و ارفع ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ دونوں جنتوں کے پھلوں کے ذائقے میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے اور دونوں نمازیوں کی ولایت میں بھی ایسا ہی فرق ہوتا ہے۔ اس فرق کو اگر واضح طور پر دیکھنا چاہیں تو اسے نیچے دیئے گئے فرشتوں اور انسانوں کی نمازوں کے فرق کو ملاحظہ فرمائیں:

ابلیس کا کہنا ہے کہ اس کا سجدہ مشیتِ الٰہی میں نہ تھا

اللہ تعالیٰ نے سجدے کا حکم دیا تو ایسا ہرگز ممکن نہ تھا کہ اس کا اپنا رویہ اس کے اپنے حکم کے خلاف ہو سکے یا یہ کہ خدا کی مشیت رکاوٹ کا سبب بنے۔ یہ تو سجدہ نہ کرنے کا بہانہ تھا۔ ابلیس نے تو خود کہا تھا کہ وہ انسان کو سجدہ نہیں کرے گا کیونکہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ انسان سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ خاکی انسان سے ابلیس خود بہتر ہے کیونکہ آگ مٹی سے بہتر ہوتی ہے حالانکہ اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ آگ کو خاک بجھا سکتی ہے اور مٹی کو آگ صرف گرم کر سکتی ہے مگر آگ نہیں لگا سکتی۔ شیطان کی فطرت ناری ہے چنانچہ خاکی انسان میں وہ حرارت پیدا کر کے غلط کام کروا دیتا ہے۔

علامہؒ نے فرمایا ہے کہ شیطان اپنی غلطی کو خدا پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی گو اپنی مشیت ہر کام میں رہتی ہے لیکن اس نے ہر انسان کو افعال کی آزادی دی ہے کہ انسان جو چاہے کر سکتا ہے۔ انسان کو مجبور پیدا نہیں کیا گیا ہاں البتہ وہ اپنی نااہلی سے اپنے آپ کو مجبور سمجھ لے تو اور بات ہے ورنہ انسان کو پورا کمال حاصل ہے۔

حرفِ استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
پستیٔ فطرت نے سکھلائی ہے یہ حجت اسے کہتا ہے تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

Marfat.com

دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دُود!

(ض ک: ۵۰۹)

حضرت جنید بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ ان کی یہ خواہش تھی کہ ابلیس سے ملاقات ہو۔ چنانچہ ایک دن وہ حاضر ہو گیا تو آپ نے پوچھا کہ اے ابلیس! تجھے خدا کی نافرمانی کی جرأت کیسے ہوئی کہ تو نے خدا کے کہنے پر آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ کہنے لگا کہ اے جنیدؒ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کر دیتا۔ حضرت جنیدؒ اس کے اس جواب سے متحیر ہو گئے۔

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے میرے دل پر بات القا کی کہ اس کو کہہ دو کہ تم نے خدا کو خدا سمجھ لیا ہوتا تو اس کے حکم سے انکار کیوں کرتے۔ فرماتے ہیں کہ جونہی میرے دل میں یہ القا ہوا تو اسی وقت ابلیس دُم دبا کر بھاگ گیا اور کہنے لگا۔ ''اے جنید تو نے مجھے جلا دیا ہے۔''

''حضورِ حق'' میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ دونوں جہانوں میں میرا مطلوب کوئی نہیں ہے۔ میں تو صرف روح کے اسرار کو جانتا ہوں۔ الٰہی مجھے ایسا سجود عطا فرما کہ اس کے سوز اور سرور سے زمین و عرش پر وجد طاری ہو جائے۔

نخواہم ایں جہان و آں جہاں را مرا ایں بس کہ دانم رمزِ جاں را

(میں اِس جہان یا اُس جہان کو نہیں چاہتا میرے لیے یہی کافی ہے کہ میں روح کی رمز کو جانتا ہوں)

سجودے دہ کہ از سوز و سرُورش بوجد آرم زمین و آسماں را

(ایسا سجدہ دے کہ جس کے سوز و سرور سے زمیں و آسماں کو وجد میں لے آؤں)

(ا ح: ۸۹۴)

یہ بات مشہور ہے کہ مدینہ شریف میں کسی کو حضور ﷺ کے در و دیوار کا بوسہ نہیں لینے دیا جاتا کیونکہ وہ اس کو شرک خیال کرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ وہ سجدے کی نیت سے سر کو نہیں جھکاتے بلکہ اپنی پلکوں سے زمین پر جھاڑو دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اے عبدالعزیز! (ابن سعود) تو بھی ساغرِ دوست سے وہ شراب پی تا کہ تو ہمیشہ

Marfat.com

دوست کے پہلو میں رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پر میں سجدہ نہیں کر رہا بلکہ درِ دوست کی خاک کو اپنی پلکوں سے صاف کر رہا ہوں۔

سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں   بروبم از مژہ خاک درِ دوست

(اے عبدالعزیز (ابن سعود) یہ سجدہ نہیں ہے بلکہ درِ دوست کی خاک اپنی پلکوں سے صاف کر رہا ہوں) (اح: ۹۴۲)

Marfat.com

باب ۲۶

سجدۂ بے ذوق

وہ نمازیں جو بے حضوری میں ادا کی جائیں ان میں نماز کی لذت اور ذوق و شوق نہ تو دیکھنے میں آتا ہے اور نہ ہی محسوس ہوتا ہے۔ بے حضور میں پڑھی جانے والی نمازوں کے متعلق ایک مضمون اس کتاب میں بھی شامل کر دیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ نمازی لوگ ایسی نمازوں سے اجتناب کریں کیونکہ حضرت بلھے شاہؒ نے یہ فرمایا ہے کہ ایسی نمازوں میں روحانی درجات کی بلندی نہیں پائی جاتی۔ آپ نے فرمایا:

بیتی عمر وچ مسیتی   دلوں نماز کدی نہ نیتی
تھمی وانگوں رہیا کھلو   لینا اک نہ دینا دو
(بلھے شاہؒ)

علامہ اقبالؒ نے حضورِ قلب پر بہت کچھ لکھا ہے جس کو اختصار کے ساتھ ہم نے اپنی تصنیف ''حضور قلب'' میں دے دیا ہے اور ''حسنِ نماز'' میں حضور والی نماز کو کافی

Marfat.com

تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک بے حضور نمازوں کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں مال و جاہ اور دنیاوی شان و شوکت کی ہی قدر و منزلت ہوتی ہے مگر اچھی نماز ادا کرنے کا شوق تقریباً مفقود ہے۔ حضورِ قلب والی نمازیں محض اس حالت میں ہی ممکن ہوتی ہیں جب دلوں میں جذبِ اندروں اور محبت کا جنوں کسی قوم میں باقی ہو۔ مگر مسلمانوں کی رگوں میں اب ایسی نمازیں ادا کرنے والا خون باقی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سجدے بے ذوق اور صفوں اور دلوں میں کجی کے تاثرات پائے جاتے ہیں۔ دل پریشان اس لیے رہتے ہیں کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اور اس کے دین سے تقریباً کٹ چکا ہے اور اگر کچھ تعلق ہے تو وہ برائے نام نظر آتا ہے۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے
(ب ج: ۳۷۷)

بے ذوق سجدوں کی بابت حضرت امام شعرانیؒ نے ''طبقات الکبریٰ'' میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا تو اس کو حکم دیا کہ جس کو (اس دنیا میں) تو میرا تابعدار پائے تو تم اس کی تابعدار ہو جانا اور جو تیری تابعداری کرے تو اس کو تھکا دینا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر کوئی دنیا سے تنگ اور روزگار کی تلاش میں پھرتے رہنے سے تھک چکا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے تو دنیا ان کے قدموں میں آ جاتی۔ (جیسا کہ اللہ کے بندوں کے قدموں میں آتی رہی ہے) کوئی اللہ تعالیٰ کے کہنے کے خلاف کرے تو پھر پریشانی اور تنگی کے علاوہ اور کیا ملے گا۔ دنیا کی پریشانی کی وجہ سے ہی لوگوں کا دھیان دنیا میں الجھا ہوا رہتا ہے تو ایسے شخص کے لیے علامہ اقبالؒ نے لوگوں کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے کہا ہے۔

میرے بے ذوق سجدوں سے حذر کر رہے تیری خدائی داغ سے پاک
(ا ح: ۶۷۲)

یہ ذوقِ عیاشی مسلمانوں نے فرنگی سے حاصل کیا ہے:

Marfat.com

مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی!
(ض ک: ۴۹۴)

مادہ پرستی کے دور میں آج پوری قوم روپے پیسے اور جاہ وجلال کی دلدادہ ہے۔ آج کی نماز اور سجدوں میں وہ تب و تاب کہاں جو کبھی ہوا کرتی تھی۔ مسلمانوں نے اپنا دین اور سب کچھ دنیا پرستی کے داؤ پر لگا دیا ہے۔

اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ گداز
بے تب و تابِ دروں میری صلوٰۃ اور درود
ہے مری بانگِ اذاں میں نہ بلندی نہ شکوہ
کیا گوارا ہے تجھے ایسے مسلمانوں کا سجود؟
(ض ک: ۵۶۷)

وہ نشانِ سجدہ جو روشن تھا کوکب کی طرح
ہو گئی ہے اس سے اب نا آشنا تیری جبیں
(ب د: ۲۲۱)

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں کے سجدوں سے روحِ زمین کانپ جاتی تھی مگر آج ہماری مسجدوں کے منبروں اور محرابوں میں نماز کی وہ سطوت اور بلندی نہیں رہی۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں پر لرزہ طاری کر دیا تھا اور آج مسلمانوں کی بے بسی کا منظر پوری دنیا میں نظر آتا ہے کیونکہ ان کی جبینیں اُن سجدوں سے محروم ہو گئی ہیں۔

وہ سجدہ، روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب
سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب
(ب ج: ۲۹-۳۲۸)

اس زمانے میں جہاں بے دینوں کا غلبہ ہے وہاں مسلمانوں کی مسکنت اور

Marfat.com

غربت نظر آتی ہے۔اب یہاں بنکوں کی عمارات پر زور ہے۔

رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت، بندۂ مزدور کے اوقات
(ب ج:۳۹۹۔۴۰۰)

اس استفسار پر خدا فرشتوں کو ایسا سخت حکم دیتا ہے کہ مذہبی طفیلی راستے سے ہٹا دیئے جائیں اور معابد کی شان وشکوہ بھی کالعدم قرار دے دی جائے۔

کیوں خالق ومخلوق میں حائل رہیں پردے — پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
حق را بسجودے، صنماں را بطوافے — بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو
میں ناخوش وبیزار ہوں مرمر کی سلوں سے — میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
(ب ج: ۴۰۲)

پیرانِ کلیسا نے عہد نامہ عتیق پر جس طرح عمل کروایا، سب کو معلوم ہے۔اسلام کو بھی اس قسم کی پیشوائیت کا سہارا دیا جانے لگا۔مگر رسولِ اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں سیدھے سادھے عبادات کے طریقوں اور سادہ مساجد کا وجود تھا اور سجدوں کو نیا رنگ ملا ہے مگر نمازی کہاں ہیں؟

اسلام کی مختلف عبادات اور مذہبی امور میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اگر وہ عبادات اور مذہبی امور (مثلاً نماز روزہ اور دیگر شرعی امور) میں متعین شدہ نظریات کو بھلا دیا جائے تو وہ عبادات یا مذہبی امور اپنی افادیت بھی کھو دیتے ہیں اور تمام امور محض رسمِ کہن کی صورت میں ادا ہونے لگتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان مذہبی امور کی ادائیگی میں جو فوائد مرتب تھے رفتہ رفتہ مفقود ہو جاتے ہیں۔گویا ان عبادات کی روح ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کا یہ اثر بیان ہوا ہے کہ نماز اپنے نمازیوں کو بے حیائیوں اور برائیوں سے دُور کر دیتی ہے لیکن جو لوگ صحیح نماز ادا نہیں کر پاتے تو ان کی تمام برائیاں

Marfat.com

نمازیں پڑھتے رہنے کے باوجود جوں کی توں نظر آتی رہتی ہیں۔ جب افراد کی نماز سے ان کو فوائد مرتب نہیں ہوتے تو پوری قوم اسی رسمی نماز کی زد میں آ جاتی ہے۔

روح چوں رفت از صلوٰۃ و از صیام فرد ناہموار و ملت بے نظام

(جب نماز و روزہ کی روح نکل جاتی ہے تو افراد غیر مربوط اور ملت بے نظام رہ جاتی ہے)

(ج ن: ۷۸۸)

ور نداری خونِ گرم اندر بدن سجدۂ تو نیست جز رسمِ کہن

(اگر جسم میں گرم خون نہیں رہا تو ترا سجدہ رسمی سجدہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا)

(پ چ: ۸۳۴)

امت مسلمہ کی بدنظمی اور بے ترتیبی کو علامہؒ نمازِ بے امام فرماتے ہیں:

یہ ایسی نماز ہے جس میں کوئی قیام کر رہا ہے، کوئی رکوع کر رہا ہے۔ مادہ پرستی کے غلبہ کی بنا پر ملت میں انتشارِ فکری بڑھ رہا ہے۔ ایسی نماز میں ذہنی سکون کب مل سکتا ہے اور ملت منزلِ مقصود پر کب پہنچ سکتی ہے۔

آں یکے اندر سجود، ایں در قیام کاروبارش چوں صلوٰۃِ بے امام

(اس نماز میں کوئی سجود میں ہے اور کوئی قیام میں، یہ عبادت کاروبار ایسے ہے جیسے نماز بغیر امام کے ہو) (پ چ: ۸۵۳)

امیروں اور وزیروں کے دربار میں سجدے

کچھ لوگ امیروں اور وزیروں کے دروازوں پر جاتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں، ناحق فرماں برداری کرتے ہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں تو وہ گویا ان کے سامنے اپنی جبیں خم کر دیتے ہیں جس سے حرم کی توہین ہوتی ہے۔

سجودے آوری دارا و جم را مکن اے بے خبر رُسوا حرم را

(تو دارا اور جم (جیسے بادشاہوں) کے سامنے سجدہ کرتا ہے، اے بے خبر حرم کو رُسوا نہ کر)

مبر پیشِ فرنگی حاجتِ خویش زطاقِ دل فرو ریز ایں صنم را

Marfat.com

(اپنی حاجت فرنگی کے سامنے نہ لے کر جا، اس بت کو اپنے دل کے طاقچے سے نیچے گرا دے) (ا ح:۱۰۲۱)

حضورِ حق میں علامہؒ ایک ایسی ہی حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ جن لوگوں کی جبیں فرنگیوں کے دروازوں پر جھک جاتی ہے وہ صاحبِ دل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ان سے ابوذرؓ اور سلمان فارسیؓ جیسے سجدوں کی امید ہو سکتی ہے۔

مسلمانے کہ در بندِ فرنگ است دلش در دستِ اُو آساں نیاید
(جو مسلمان فرنگی دروازوں کے چکر میں ہیں ان کا دل ان کے ہاتھوں میں نہیں رہتا)
زسیمائے کہ سودم بر درِ غیر سجودے بوذرؓ و سلمانؓ نیاید
(وہ پیشانی جو غیر کے در پر جھکائی جاتی ہے اس سے بوذرؓ و سلمانؓ کے سجدے ادا نہیں ہوتے)
(ا ح: ۸۹۳)

ملت اسلامیہ کن حالات میں کھوگئی

قرونِ اولیٰ کے مسلمان اسلام کی تعلیمات پر اس طریقے سے عمل پیرا تھے کہ اسلام کی روح رواں ان کے جسموں میں بھاگتی دوڑتی نظر آتی تھی۔ ان کے تمام کام جذبۂ اسلام سے سرشار تھے۔ ان کی نماز میں تاثیراتِ لا الہ جھلکتی ہوئی نظر آتی تھیں کیونکہ وہ سوائے اللہ کے کسی کو اپنا معبود ماننے کو تیار نہ تھے۔ ان کے ناز میں ایسی نیازمندیاں جھلکتی تھیں جو اسلام کی روح کی عکاسی کرتی تھیں۔

مسلمانوں کے نماز و روزہ میں جو نور تھا اب وہ ان میں نہیں رہا اور ان کی کائنات میں اسلامی صفات کے جلوے اب نہیں رہے اور نہ ہی ان کے اعمال میں سوز و مستی اور سرور جو ذوقِ اسلام کا نمایاں نشان تھا، باقی رہا ہے۔ جذبۂ جہاد و حج و دیگر واجبات نماز و روزہ میں سے روحِ اسلام نکل گئی اور مسلمان صرف نام کے مسلمان رہ گئے۔

لا الٰہ اندر نمازش بود و نیست نازہا اندر نیازش بود و نیست
(ان کی نمازوں میں لا الٰہ کا وصف ہوتا تھا جو نہیں رہا۔ ان کے نیاز میں ہزاروں ناز تھے جو

Marfat.com

نہیں رہے)

نور در صوم و صلوٰۃ اُو نماند　　جلوہ در کائناتِ اُو نماند

(اس کی نماز اور روزے میں جو نور تھا اب نہیں رہا۔ اس کی کائنات کے جلوے تھے جو باقی نہ رہے)

رفت ازو آں مستی وذوق وسرور　　دینِ اُو اندر کتاب و اُو بگور

(ان میں سے وہ مستی و ذوق و سرور جو تھا نہ رہا۔ ان کا دین کتابوں میں ہے اور خود قبر میں)

تا جہاد و حج نماند از واجبات　　رفت جاں از پیکرِ صوم وصلوٰۃ

(پھر جہاد و حج بھی ان کی واجبات دُنیا سے گئے اور نماز و روزے کے جسم سے روح نکل گئی) (ج ن: ۸۸ ے)

غرض مند پجاری اور حاجات کے زیر اثر نمازیں

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بھی لوگوں کو اچھے کاموں پر اجر دینے کا وعدہ کیا ہے مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ نماز اس لیے پڑھی جائے کہ وہ موعود اجر حاصل کیا جائے۔ ایسی نمازیں تو مطلب کی نمازوں میں شمار ہوتی ہیں اور عموماً کسی عمل کا اجر بھی وہی ہوتا ہے جس نیت سے وہ کام کیا جائے۔ اگر کوئی واعظ اس لیے وعظ کو خوشگوار بناتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں تو دنیا میں ایسے واعظوں کی واہ واہ ہو ہی جاتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں تو انہیں ان کا اجر نہیں ملتا کیونکہ جس مقصد سے وہ وعظ کیا تھا۔ وہ مقصد تو دنیا میں ہی پورا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ اب میرے پاس کیا رہ گیا۔ اجر تو تمہیں مل گیا ہے۔ اس لیئے علامہؒ نے فرمایا:

سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے　　اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

(ب د: ۱۰۸)

کچھ لوگ امتحان کے لیے نمازیں پڑھتے ہیں تاکہ امتحان میں پاس ہو جائیں۔ یہ نمازیں بھی مطلب پرستی میں شامل ہو جاتی ہیں۔ جب آدم علیہ السلام دنیا میں نازل ہوئے تو ہرنوں کی ایک جماعت آپ کی زیارت کے لیے آئی۔ آپ نے ان کو پیار کیا اور

Marfat.com

دعا دی تو ان میں مشک نافہ پیدا ہو گیا۔ باقی ہرنوں نے جب مشکِ نافہ کو دیکھا تو وہ بھی آدم علیہ السلام کے پاس گئے تو آپ نے پیار کیا اور دعا بھی دی، مگر مشکِ نافہ پیدا نہیں ہوا۔ پہلا گروہ عقیدت اور زیارت کی وجہ سے آیا تھا تو ان کو مشکِ نافہ مل گیا۔ دوسرا گروہ مشکِ نافہ کے لیے آیا تو ان کو مشکِ نافہ نہ ملا۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

اس دیرِ کُہن میں غرض مند پجاری
رنجیدہ بتوں سے ہوں تو کرتے ہیں خدا یاد
پوجا بھی ہے بے سود، نمازیں بھی ہیں بے سود
قسمت ہے غریبوں کی وہی نالہ و فریاد
(ض ک: ٦٦٥)

دوسرے شعر میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایسی نمازیں پڑھنے والے اور ایسی روحانیت کے دعوے دار ہمیشہ نالہ وفریاد کرتے رہتے ہیں۔ ان کی پکار سنی نہیں جاتی۔

Marfat.com

اختتامیہ

اس کتاب کے آغاز میں ''شاہین'' کے عنوان سے جو مضمون لکھا گیا ہے اس میں شاہین کے کردار اور مزاج کی پوری عکاسی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مضمون میں اس بات کا بھی تذکرہ کر دیا گیا ہے کہ علامہ اقبالؒ کا یہ پسندیدہ پرندہ کن خوبیوں کی بناء پر آپ کے کلام کا مستقل اور دلچسپ موضوع بنا رہا ہے۔

اس کتاب میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ کرگس اور شاہین کی زندگیوں میں زمین اور آسمان جتنی بلندیوں کا فرق کیوں ہے۔ ہم جب علامہ کا درج ذیل شعر پڑھتے ہیں تو معاً یہ خیال گزرتا ہے کہ ان بے بہا بلندیوں کا فرق مختلف انسانوں میں دیکھنے کو آتا ہے اور وہ کون سے عناصر ہیں جن کی وجہ سے اتنا زبردست فرق رونما ہو جاتا ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

اگر غور کیا جائے تو ہمیں اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ آج زمانے بھر میں

Marfat.com

مسلمانوں کی اخلاقی، معاشی اور فنی گراوٹ دیکھنے میں آتی ہے، اس کی وجہ کیا ہے حالانکہ یہی مسلمان قرونِ اولیٰ میں پوری دُنیا پر اپنے کمالات کی وجہ سے چھائے ہوئے نظر آتے تھے اور دُنیا کی تمام سلطنتیں مسلمانوں کے دبدبے کو دیکھ کر کانپ جاتی تھیں۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی کہ مسلمانوں کی ان دونوں حالتوں میں نمایاں فرق اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان رسول اللہ ﷺ کے دل و جان سے فدا اور حقیقی شاہین تھے جبکہ آج کے مسلمان صرف مٹی کے ڈھیر ہیں اور عمل کے اعتبار سے مسلمان کہلانے کے بھی حق دار نہیں۔

جو فرق کرگس اور شاہین میں ہے یا جو فرق مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کیفیات سے نکل کر ''شاہین کا جہاں اور'' اور ''مجاہد کی اذان اور'' کا سماں آج بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے شاہین اور مجاہد کا جگر پیدا کرنا ہوگا۔ یہ تشنگی بہت دیر سے محسوس ہو رہی تھی کہ ان دونوں جہانوں کا فرق کیا ہے اور اس کو کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے جس سے ہر مسلمان خود کو علامہ اقبالؒ کی خواہشوں کے مطابق شاہین کے سے جہان میں لے جا سکے۔ مطلوبہ معیار کو حاصل کرنے کے لیے ہم کو کیا کچھ کرنا ہوگا۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کا طریقہ اور مختصر لائحہ عمل اس کتاب کے مختلف ابواب میں دے دیا گیا ہے۔ وہ لوگ جو اپنی زندگیوں میں مطلوبہ تبدیلی لانا چاہتے ہیں ان کے لیے یہ کتاب آبِ حیات ثابت ہونے کا ایک ذریعہ بن سکتی ہے۔ وَ مَا التَّوْفِيْقُ اِلَّا بِاللّٰهِ

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُمتِ گم گشتہ راہ پر اپنا کرم فرماتے ہوئے ان کی کھوئی ہوئی منزل کو دوبارہ حاصل کرنے کی سعادت سے بہرہ مند فرمائے آمین بحرمتِ سیدالانبیاء والمرسلین علیہ التحیۃ والثناء۔ والسلام

Marfat.com

تعارف مصنف

نام: عبداللطیف خان نقشبندی　　سال پیدائش: ۱۹۲۷ء
مقام پیدائش: جالندھر　　تعلیم ایم ایس سی و دیگر محکمانہ تعلیمات
پیشہ: ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات لاہور، تاحال سرپرست ادارہ تبلیغ و ترویج اسلام اور سلسلہ درس و تدریس
ایڈریس: ای۔۱/۷۔ یولین کیولری گراؤنڈ لاہور چھاؤنی۔ فون: ۶۶۶۵۴۷۵ ۔ ۶۶۶۶۳۱

اسلام کی ترویج و اشاعت میں جن مقتدر ہستیوں نے کردار ادا کیا ہے اور جن کے طفیل وطن عزیز میں آبادی کا بہت بڑا حصہ اسلامی تعلیمات سے رُوشناس ہوا ہے ان میں سے ایک اہم شخصیت، مصنفِ کتاب ہذا پیر عبداللطیف خان نقشبندی بھی ہیں۔ موصوف اپنی دینی خدمات کے باعث ملک اور بیرون ملک دینی حلقوں میں خاصے معروف ہیں۔ اگرچہ آپ نے چالیس برس کا عرصہ ایک ایسے محکمہ میں ممتاز عہدوں پر گزارا ہے جہاں آپ کا تعلق ماڈرن سائنس کے متعلقات سے وابستہ رہا، مگر آپ نے اس محکمہ کی اہم

Marfat.com

ذمہ داریوں کے علاوہ اوائلِ شباب سے ہی دینی اور تصوف کے عمیق علوم کا مطالعہ کیا اور اب تک آپ متعدد رسائل اور مکتوبات کے علاوہ بیس سے زائد دینی کتب کے مصنف ہونے کا اعزاز بھی حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے لاتعداد مضامین تصوف اور روحانیت اور دیگر اسلامی عنوانات پر نوائے وقت، جنگ اور خبریں جیسے اخبارات کے علاوہ مختلف دینی رسالوں کی زینت بن چکے ہیں۔ آپ کی جو کتب اب تک زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں ان میں سے آپ کی دس کتب ''نشانِ منزل''، (اُردو اور انگریزی) ''حسنِ نماز''، ''حضورِ قلب''، ''بیعت کی تشکیل''، ''سنت مبارکہ''، ''جنیدؒ و بایزیدؒ''، ''مجلس اقبالؒ''، ''رابطۂ شیخ''، ''اِقَامَةُ الصَّلٰوة'' شائع ہو چکی ہیں۔ ''اسلام اور روحانیت'' اور ''تہذیب نفس'' کے علاوہ آٹھ عدد کتب عنقریب شائع ہونے والی ہیں۔

مذکورہ بالا تصانیف و اشاعت کی ساتھ ساتھ پیر عبداللطیف خان نقشبندی نے تبلیغ کا ایک انوکھا سلسلہ وضع کیا ہے اور وہ یہ کہ آپ مختلف مقامات پر کچھ لوگوں کے اجتماع میں دو تین دنوں کے لیے (صرف ایک گھنٹہ یومیہ) درس کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں وہ جدید سائنٹفک انداز میں اسلامی زندگی کے ایمان افروز حقائق اور قرآن و حدیث کے خوبصورت نکات سے آراستہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کے دِلوں کو اس طرح گرما دیتے ہیں کہ ان کی زندگیوں میں حیرت انگیز کیفیت، زبردست انقلاب اور اسلامی ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات تو آپ منٹوں میں ہی لوگوں کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ آپ کے اس حسنِ تعلیم و تدریس اور فیضِ صحبت سے اب تک ہزاروں مسلمان نشۂ اسلام سے سرشار ہو چکے ہیں۔ مصنف کی خواہش ہے کہ اگر درسوں کے اس طریقے کو وسیع تر پیمانے پر رائج کیا جائے تو مسلمانوں کی کثیر تعداد بہت جلد اصلاحِ نفس اور تعمیرِ سیرت و کردار کی دولت سے مالا مال ہو سکتی ہے مگر اس کے لیے حکومت یا متمول حضرات کی توجہ اشد ضروری ہے۔

Marfat.com

مصنّف کی تصانیف

نام کتاب اور پبلشر	موضوع
☆بیعت کی تشکیل اور تربیت (جنگ پبلشرز دو بار شائع کر چکے ہیں)	بیعت کا جواز، اس کے اہمیت اور تصوف کے احوال و اشغال پر مدلل گفتگو
☆حضورِ قلب (جنگ پبلشرز سے دو بار چھپ چکی ہے)	معارفِ قلب، خشوع و خضوع، اقبالؒ کا فلسفۂ حضور
☆تہذیبِ نفس (چھپ چکی ہے)	خطرات و آفاتِ نفس اور تزکیہ و تصفیہ باطن دُنیائے دنی اور نفس کی حقیقت۔
☆رابطۂ شیخ (جنگ پبلشرز سے شائع ہو چکی ہے)	رابطۂ شیخ اور تصورِ شیخ کا جواز، شیخ طریقت سے حاصل ہونے والی روحانی توجہات، کمالات، معاملات اور تصرفات۔
☆سنتِ مبارکہ (جنگ پبلشرز سے شائع ہو چکی ہے)	سنت کا تعارف، مقام، افہام، اقسام، تاریخ، آئینی اور شرعی حیثیت، احیاء اور اتباعِ سنت کی ترغیب۔
☆نشانِ منزل (پرانا نام نشانِ منزل جلد اوّل حصہ اوّل) (سنگ میل سے چوتھی بار طبع ہو چکی ہے)	پابندی صوم و صلوٰۃ کی اہلیت پیدا کرنے والی کتاب، دین کے بنیادی علوم مہیا کرتی ہے۔
NISHAN-E-MANZIL ☆"SIGN POST OF SALVATION" (سنگ میل سے چوتھی بار طبع ہو چکی ہے)	نشانِ منزل کا انگریزی ترجمہ
☆حسنِ نماز (فیروز سنز سے شائع ہو چکی ہے)	نماز کے مفصل معارف اور روحانی اسرار (ضخامت ۹۳۰ صفحات)
☆سرمایۂ ملت (کام جاری ہے)	ملت اسلامیہ کا چراغ، مسلمانوں کا علمی نصاب، سرمایۂ قرآن، اقبالؒ اور رومیؒ کی خدمات، مکتوبات لطیف
☆متاعِ اخلاق (عنقریب پریس میں جانے والی ہے)	اخلاقیات پر ایک خوبصورت اور دلچسپ کتاب۔
☆سوز و سازِ رومیؒ (شائع ہو چکی ہے)	مولانا رومؒ کے کچھ افکار اور اشعار کی تشریح
☆اسلام اور روحانیت (ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے چھپ چکی ہے)	تصوف کے علوم اور راہِ حق کی تلاش

Marfat.com

☆مسلکِ اولیائے اُمت
(ہنوز زیرِ ترتیب ہے)
ان عقائد کی وضاحت جن پر اولیائے کرام قائم رہے۔

☆مجلسِ اقبال
(شیخ غلام علی پبلشرز سے چھپ چکی ہے)
اقبالؒ کے فارسی کلام کی فہرست جس کی مدد سے علامہ کا کوئی شعر بھی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

☆جنیدؒ و بایزیدؒ
(جنگ پبلشرز سے چھپ چکی ہے)
روحانیت جنیدؒ و بایزیدؒ اور ان کے مقالات و احوال

☆عقل و عشق اور فلسفۂ خودی
(طباعت کے لیے تیار ہے)
عقل و عشق کا موازنہ اور اقبالؒ کا فلسفۂ خودی

☆اکتسابِ رزق و انفاق
(کام جاری ہے)
قرآن کا روحانی انداز اکتساب و انفاق

☆مسئلہ تقدیر
(تکمیل کے آخری مراحل میں ہے)
نوجوانوں کی بے عملی کا خوبصورت حل

☆غالب اور سخنورانِ کامل: (تقابلی جائزہ)
(تکمیل کے آخری مراحل میں ہے)
مصنف کے بڑے بھائی جناب کے ایم نیاز کی غیر مطبوعہ تحریروں کا مرتب مجموعہ۔ غالب کا چیدہ چیدہ شاعروں کے ساتھ تقابلی جائزہ، ۲۳ شعراء پر مفصل اور پُر مغز تحریر۔

☆متعلقاتِ زوجین
(زیرِ ترتیب)
میاں بیوی کے درمیان تلخ زندگی کو خوش گوار بنانے کے لیے دلچسپ اور پُر اثر طریقے

☆ثنائے خواجہ
(کلام پر نظرِ ثانی ہو رہی ہے)
مصنف کے نعتیہ کلام کا مجموعہ

☆تعلیماتِ اقبالؒ
(زیرِ ترتیب)
علامہ اقبالؒ کے مختلف موضوعات پر کلام کی تشریح

☆اِقَامَۃُ الصَّلٰوۃِ
(نیشنل بک فاؤنڈیشن سے چھپ چکی ہے)
نماز کو جاری کرنے اور اِقَامَۃُ الصَّلٰوۃِ کے طریقے

''شاہین کا جہاں اور''
(ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے چھپ چکی ہے)
عام اور خاص مسلمان ہونے میں فرق

Marfat.com

شجرہ شریف

سلسلہ نقشبندیہ بہ مناسبت عبداللطیف خان نقشبندی، خاکپائے آستانہ نیریاں شریف

یا الٰہی خستہ حالم رحم کن بر حالِ ما — اِتّقا دارم زفضلت نیست جز تو والِ ما
التجا دارم بہ درگاہت بنامِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم — کاں بوَد احمدؐ محمدؐ دَر صفات و دَر عطا
دستِ اُو گیرم کہ دستِ خویش اُورا گفتہ ای
زیں سبب گفتہ نہ باشد دستِ اُو از تو جُدا
حضرتِ صدیق و سلماںؓ، قاسمؒ و جعفرؒ دِگر — بایزیدؒ و خواجۂ ما بوالحسنؒ خورشید فر
بوعلی بحرِ عطاؒ بُو یوسفؒ ابرِ مکرمت — عبدِخالقؒ عارفؒ و محمودؒ شاہِ داد گر
بحرِ کرم رامیتنیؒ بابا سماسیؒ و کلالؒ — نقشبندؒ، عطارؒ و چرخیؒ عشق را تیغ و سپَر
پس عبیدُاللہؒ و زاہدؒ خواجہ درویشِ اجلؒ — خواجہ امکنگیؒ و باقی باللہؒ آمد خوب تر
پس مجددؒ عُروۃ الوُثقیٰ و شاہِ شاہ حُسینؒ — خواجہ عبدُالباسطؒ و شاہ عبدِ قادرؒ دیدہ وَر
فغنوی محمودؒ خواجہ اولیاء عبداللہ شاہؒ — شاہ عنایتؒ، حافظ احمدؒ والیانِ بحر و بَر
فخرِ ہند عبدُالصبورؒ و گلِ محمدؒ شاہ غفورؒ — خلق را عبدُالمجیدؒ عبدُالعزیزؒ آمُزد دِگر
خواجہ سُلطانُ الملُوکؒ و آں نظامُ الدّینؒ شہؒ — خواجہ قاسمؒ ہادیؒ ہند و جہاں را راہبر
زاہدِ کامل محیُّ الدین شاہِ نیروی — داد علاءُالدّین جہانِ عشق را کامل نظر
یا الٰہی رحم کن بر ما طفیلِ آں شہاں
لُطف فرما بَر لطیف و دوستاں شام و سحر

Marfat.com

ختم خواجگان

بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر و قبل از مغرب پڑھیں

۱۔ بسم اللہ شریف ۱۰۰ بار
۲۔ درود شریف ،،
۳۔ الحمد شریف ،،
۴۔ سورۃ الم نشرح لک ۷۹ بار
۵۔ سورۃ الاخلاص ۱۰۰۰ بار
۶۔ الحمد شریف ۷ بار
۷۔ درود شریف ۱۰۰ بار
۸۔ یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ ۱۰۰ بار
۹۔ یَا شَافِیَ الْاَمْرَاضِ ۱۰۰ بار
۱۰۔ یَا کَافِیَ الْمُهِمَّاتِ ۱۰۰ بار
۱۱۔ یَا دَافِعَ الْبَلِیَّاتِ ۱۰۰ بار
۱۲۔ یَا رَافِعَ الدَّرَجَاتِ ۱۰۰ بار
۱۳۔ یَاحَلَّ الْمُشْکِلَاتِ ۱۰۰ بار
۱۴۔ یَا مُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ ۱۰۰ بار
۱۵۔ یَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ ۱۰۰ بار
۱۶۔ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنَا ۱۰۰ بار
۱۷۔ یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَاتِ ۱۰۰ بار
۱۸۔ یَا مُنَزِّلَ الْبَرَکَاتِ ۱۰۰ بار
۱۹۔ یَا مُجِیْبَ الدَّعْوَاتِ ۱۰۰ بار
۲۰۔ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۱۰۰ بار
۲۱۔ درود شریف ۱۰۰ بار

الداعی

پیر عبداللطیف خان نقشبندی

ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات، لاہور

ایصالِ ثواب برائے خواجگانِ نقشبندؒ

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۲۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ خواجہ ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ خواجہ عارف ریوکری رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ خواجہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ
۸۔ خواجہ سیّد امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ
۹۔ پیرانِ پیر خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۔ خواجہ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ

(مِن خدّامِ دربار نیریّاں شریف)

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

Marfat.com

خوشخبری

معروف محدث ومفسر حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم شاہکار

تفسیر مظہری 10 جلد

جس کا جدید، عام فہم، سلیس اور مکمل اردو ترجمہ "ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف"
نے اپنے نامور فضلاء جناب الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان صاحب
جناب الاستاذ سید محمد اقبال شاہ صاحب اور جناب الاستاذ محمد انور مگھالوی صاحب
سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔ آج ہی طلب فرمائیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی۔ پاکستان

فون:- 7220479 -042-7221953 فیکس:- 042-7238010

042-7247350-7225085

021-2212011-2630411

Marfat.com

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

کی شہرۂ آفاق تفسیر کا جدید، سلیس، دلکش، دلآویز اردو ترجمہ

اذارہ ضیاء المصنفین

بھیرہ شریف کی زیر نگرانی

مرکزی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے علماء کی ایک نئی کاوش

تفسیر در منثور 6 جلد

زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

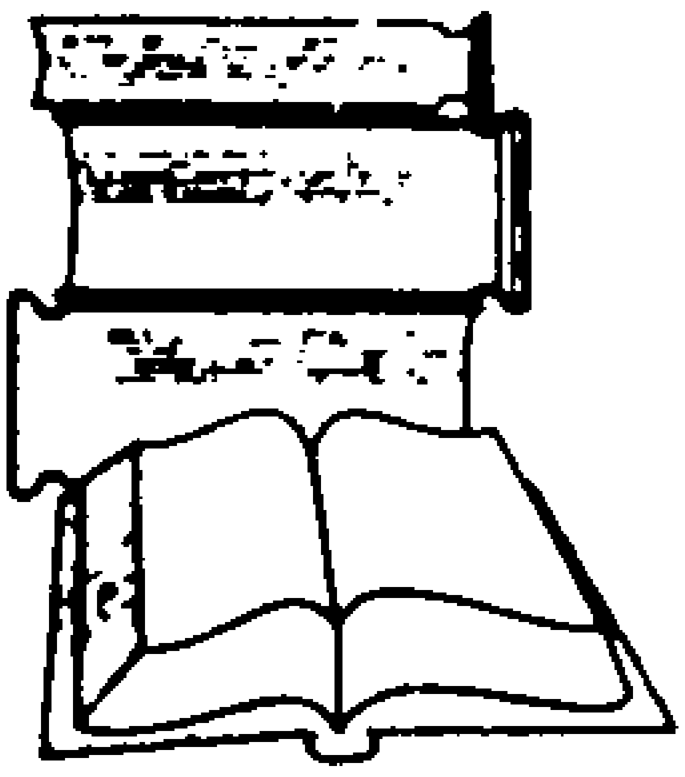

اهل علم کیلئے
عظیم علمی پیشکش

آیات احکام کی تفسیر و تشریح پر مشتمل عصر حاضر کے یگانہ روزگار اور معتبر عالم دین

حضرت علامہ سید سعادت علی قادری کے

قلم سے نکلا ہوا عظیم علمی شاہکار

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

۲ جلدیں

خصوصیات

- زندگی کے تمام شعبوں اور عصر حاضر کے جملہ مسائل کا حل
- متلاشیان علم کے لئے ایک بہترین علمی ذخیرہ
- مقررین و واعظین کیلئے بیش قیمت خزانہ
- ہر گھر کی ضرورت اور ہر فرد کیلئے یکساں مفید

آج ہی طلب فرمائیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ۔ کراچی ○ پاکستان

Marfat.com

کتابِ رشد وہدایت کی ہمہ گیر آفاقی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے
نور وسرور اور جذبہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبنی آیات احکام کی مفصل وضاحت
اردو زبان میں پہلی مرتبہ

تفسیر احکام القرآن

مفسر قرآن، علامہ مفتی محمد جلال الدین قادری

آیات احکام کا مفصل لغوی وتفسیری حل امہات کتب تفسیر کی روشنی میں
مفسرین کی تصریحات کے مطابق پیش کیا گیا۔
اس لئے یہ کتاب طلباء، علماء، وکلاء، ججز
اور عوام وخواص کے لئے قیمتی سرمایہ
آج ہی طلب فرمائیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی۔ پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

تعارف مصنف

نام: عبداللطیف خان نقشبندی　　سال پیدائش: 1927ء

مقام پیدائش: جالندھر　　تعلیم: ایم ایس سی و دیگر محکمانہ تعلیمات

پیشہ: ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات لاہور، تاحال سرپرست ادارہ تبلیغ و ترویج اسلام اور سلسلہ درس و تدریس

ایڈریس: ای۔7/1 یولین کیولیری گراؤنڈ لاہور چھاؤنی: 042-6666631-6665475

اسلام کی ترویج اور اشاعت میں جن مقتدر ہستیوں نے کردار ادا کیا ہے اور جن کے طفیل وطن عزیز میں آبادی کا بہت بڑا حصہ اسلامی تعلیمات سے روشناس ہوا ہے ان میں سے ایک اہم شخصیت، مصنف کتاب ھذا پیر عبداللطیف خان نقشبندی بھی ہیں۔ موصوف اپنی دینی خدمات کے باعث ملک اور بیرون ملک دینی حلقوں میں خاصے معروف ہیں۔ اگرچہ آپ نے چالیس برس کا عرصہ ایک ایسے محکمہ میں ممتاز عہدوں پر گزارا ہے جہاں آپ کا تعلق ماڈرن سائنس کے متعلقات سے وابستہ رہا، مگر آپ نے اس محکمہ کی اہم ذمہ داریوں کے علاوہ اوائل شباب سے ہی دینی اور تصوف کے عمیق علوم کا گہرا مطالعہ کیا اور اب تک آپ متعدد رسائل اور مکتوبات کے علاوہ بیس سے زائد دینی کتب کے مصنف ہونے کا اعزاز بھی حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے لاتعداد مضامین تصوف، روحانیت اور دیگر اسلامی عنوانات پر نوائے وقت، جنگ، اور خبریں جیسے اخبارات کے علاوہ مختلف دینی رسالوں کی زینت بن چکے ہیں۔ آپ کی جو کتب اب تک زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں ان میں سے آپ کی دس کتب "نشانِ منزل"، (اردو اور انگریزی) "حسنِ نماز"، حضور قلب"، بیعت کی تشکیل"، "سنتِ مبارکہ" جنیدؒ و بایزیدؒ"، "مجلس اقبال"، "رابطۂ شیخ"، "اقامۃ الصلوۃ"، "اسلام و روحانیت اور فکر اقبال" شائع ہو چکی ہیں اور "تہذیب نفس" کے علاوہ آٹھ عدد کتب عنقریب شائع ہونے والی ہیں۔

مذکورہ بالا تصانیف و اشاعت کے ساتھ ساتھ پیر عبداللطیف خان نقشبندی نے تبلیغ کا ایک انوکھا سلسلہ وضع کیا ہے اور وہ یہ کہ آپ مختلف مقامات پر کچھ لوگوں کے اجتماع میں دو تین دنوں کے لئے (صرف ایک گھنٹہ یومیہ) درس کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں وہ جدید سائنٹیفک انداز میں اسلامی زندگی کے ایمان افروز حقائق اور قرآن و حدیث کے خوبصورت نکات سے آراستہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو اس طرح گرما دیتے ہیں کہ ان کی زندگیوں میں حیرت انگیز کیفیت، زبردست انقلاب اور اسلامی ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات تو آپ منٹوں میں لوگوں کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ آپ کے اس حسن تعلیم و تدریس اور فیض صحبت سے اب تک ہزاروں مسلمان نشۂ اسلام سے سرشار ہو چکے ہیں۔ مصنف کی خواہش ہے کہ اگر درسوں کے اس طریقے کو وسیع تر پیمانے پر رائج کیا جائے تو مسلمانوں کی کثیر تعداد بہت جلد اصلاحِ نفس اور تعمیر سیرت و کردار کی دولت سے مالا مال ہو سکتی ہے مگر اس کے لئے حکومت یا متمول حضرات کی توجہ اشد ضروری ہے۔

Marfat.com